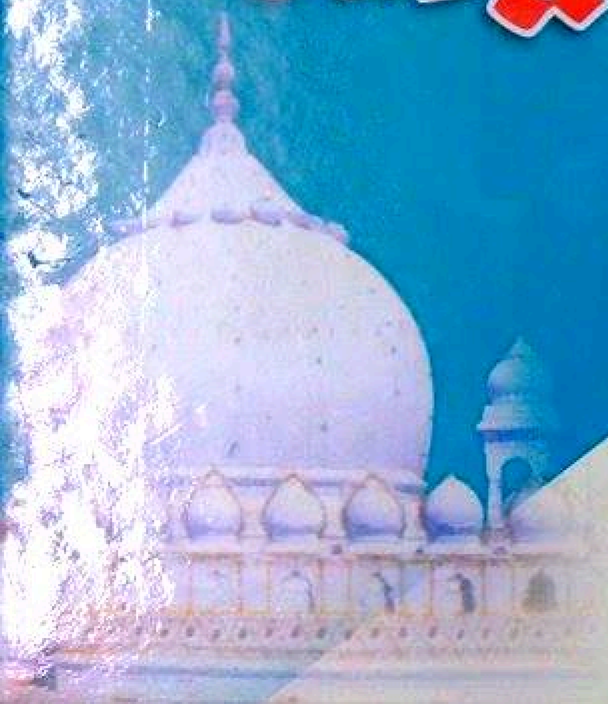
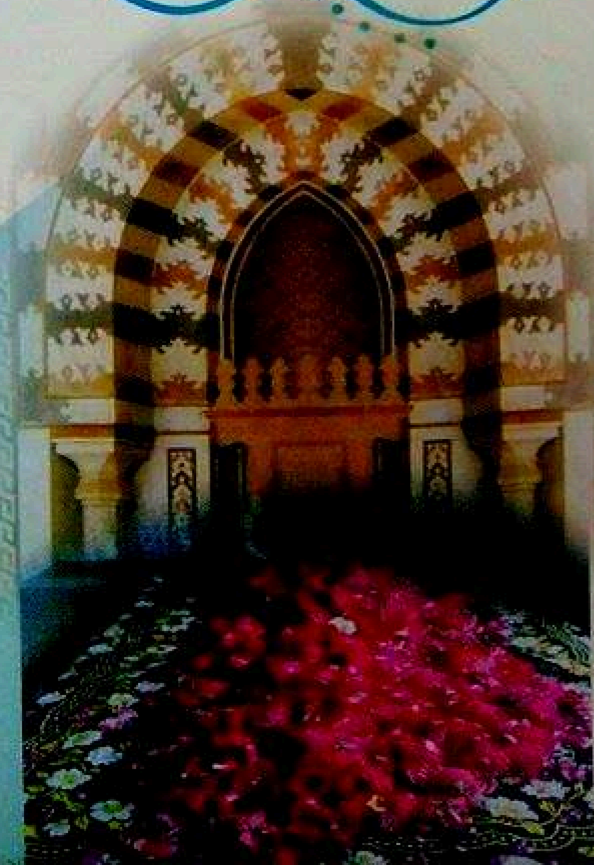
حضور سید العلما، سید آلِ مصطفیٰ قادری مارہروی علیہ الرحمہ کے

خطبات کا حسین مجموعہ

خطباتِ سید العلماء



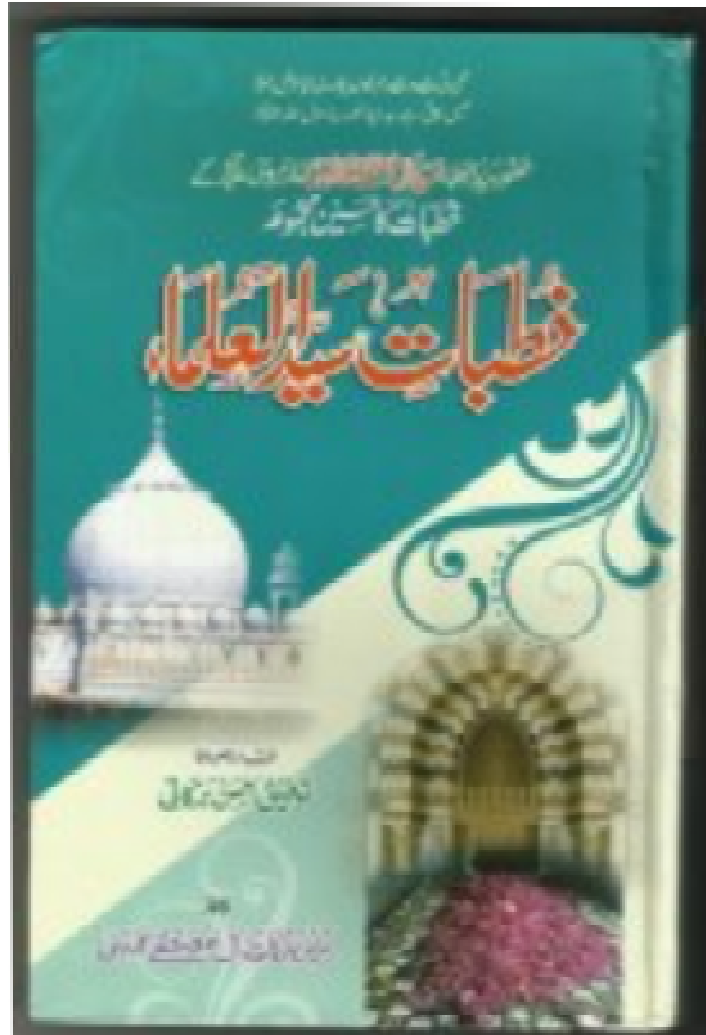


ترتیب و تخریج

توفیق احسن برکاتی

ناشر

بزم برکاتِ آلِ مصطفیٰ ممبئی


خطبات سید العلماء

اظہارِ تشکر

شہزادۂ خاندانِ برکات قائدِ اہل سنت
حضور سید العلماء سید شاہ آلِ مصطفیٰ سیدؔ میاں مارہروی قدس سرہٗ
کے ایمان افروز خطبات کا یہ دل کش مجموعہ

"خطباتِ سید العلماء"

آن لائن کرتے ہوئے ہمیں قلبی مسرت محسوس ہو رہی ہے۔
اس ضمن میں ہم بزمِ برکاتِ آلِ مصطفیٰ ممبئی کے روحِ رواں
محترم المقام جناب ماسٹر معین الدین برکاتی (بھانڈوپ، ممبئی)
کے بہ صمیمِ قلب ممنون و متشکر ہیں کہ جنھوں نے ہم کو یہ قیمتی اور نادر و نایاب تحفہ عنایت فرمایا۔
ساتھ ہی محترم المقام مفتی محمد توفیق احسنؔ برکاتی مصباحی کے لیے بھی ہم سراپا تشکر
طراز ہیں کہ جنھوں نے بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی سے
حضور سید العلماء کی تقاریر کو تحریر کا روپ دیا۔
اللہ عزوجل ان دونوں حضرات کو دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ (آمین)

حضور سید العلماء سید آل مصطفی قادری مارہروی

علیہ الرحمہ کے خطبات کا حسین مجموعہ



خطباتِ سید العلماء

ترتیب و تخریج

توفیق احسنؔ برکاتی

ناشر: بزم برکات آل مصطفی، ممبئی

نام کتاب: خطبات سید العلماء

خطیب : سید آل مصطفی مارہروی علیہ الرحمہ

مرتب : محمد توفیق احسنؔ برکاتی مصباحی

حروف ساز: محمد ارشاد شیخ نجمیؔ

صفحات: ۳۴۳

اشاعت: دسمبر ۲۰۱۲ء

ناشر : بزم برکات آل مصطفی، ممبئی

تقسیم کار: مکتبہ طیبہ ۱۲۶ / کامبیکر اسٹریٹ ممبئی۔ ۳

ملنے کے پتے:

(۱)

(۲)

(۳)

(۴)

انتساب



تاج العلماء سید اولاد رسول محمد میاں قادری مارہروی

اور

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہما الرحمہ

کے نام

فہرست

سید العلماء سید آل مصطفی مارہروی
شخص اور عکس

از: توفیق احسنؔ برکاتی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم۔ امابعد!

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے کیا خوب کہا ہے کہ:

''دنیا میں بڑے آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جن کا ہم ادب و احترام کرتے ہیں، دوسرے وہ جن سے ہم محبت کرتے ہیں۔ ادب ہم ان اولوالعزم اور عالی حوصلہ مدبروں اور وطن پرستوں اور باکمال حکیموں اور ادیبوں کا کرتے ہیں جن کی حیرت انگیز جدو جہد، قربانیوں اور عظیم الشان کاموں اور تدبیروں نے اور جن کے علم و کلام نے عالم کو فیض پہنچایا اور سورج کی طرح تاریکیاں مٹائیں۔ محبت ہم ان سے کرتے ہیں جن کی پاک سیرت، خوش اطواری اور خوش اخلاقی دل کے موہنے میں وہی کام کرتی ہے جو چودھویں رات کی چاندنی، ان کے پاس سے جو اٹھا کچھ لے کر اٹھا اور ان کے پاس جو گیا کچھ بن کر آیا۔''

(بہ حوالہ ماہ نامہ ایوان اردو، دہلی، شمارہ ستمبر ۲۰۱۲ء ص:۱۸)

بابائے اردو نے اعاظم زمانہ کی جن دو قسموں کا تذکرہ درج بالا اقتباس میں کیا ہے اس کی روشنی میں ممدوح گرامی حضرت علامہ حکیم مفتی سید شاہ آل مصطفی قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ کی مثالی

شخصیت اور ان کے ہمہ جہت تاریخی کارنامے انہیں مذکورہ دونوں قسموں کے نمائندہ فرد کی حیثیت سے امتیازی نشان عطا کرتے ہیں، انہیں کسی ایک زمرے میں محصور نہیں کیا جاسکتا، ان کی بے پناہ کاوشات، عظیم الشان قربانیاں، اور ان کے ناخن تدبیر سے حل ہوئے لاتعداد مسائل اور فیض بخشی کی وجہ سے ہم ان کا ادب و احترام بھی کرتے ہیں، اور ان کی پاک طینتی، خوش اطواری اور خوش اخلاقی کے سبب ان سے سچی محبت بھی کرتے ہیں، ان کے متعلق راقم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''وہ جلیل القدر، دوربین، دور اندیش، نکتہ داں، حق گو، حق آگاہ، حق بیں، حق شناس، حقیقت بیان، صداقت شعار، سراپا ایثار، پرتو حیدر کرار ذات جس نے اپنی حق بیانی، شیریں مقالی اور دینی و علمی فتوحات کی بدولت تقریباً نصف صدی کو متاثر کیا ہے اور آج بھی ایک عالم جس کے شفاف کردار و اطوار، شخصیت و وجاہت اور سیادت و قیادت کا معترف و مداح ہے۔''

وہ یقینا سید العلماء تھے، بہ قول شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ:

''دقیق سے دقیق علمی مباحث میں وہ نکتہ سنجیاں فرماتے کہ عقل دنگ رہ جاتی، اس وقت اعتراف کرنا پڑتا کہ سید العلماء کا خطاب ان کے قامت زیبا ہی کے لیے وضع ہوا ہے۔''

(حضور سید العلمائؒ، ص:۱۲)

ڈاکٹر محمد ارشاد ساحلؔ شہ سرامی لکھتے ہیں:

''حضرت سید العلماء قدس سرہ بیک وقت محدث، مفسر، مفتی، نغز گو شاعر، حاذق حکیم، مدبر، اسلامی سیاست داں اور اعلیٰ تنظیمی صلاحیتوں کے مالک عابد شب زندہ دار بزرگ تھے۔''

(سال نامہ اہل سنت کی آواز، مارہرہ مقدسہ، جلد:۶، اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۲۳۱)

اسم گرامی:

آپ کا پورا نام آل مصطفی اولاد حیدر ہے، عرفیت سید میاں ہے اور لقب ہے سید العلمائؒ۔

ولادت:

۲۵؍رجب المرجب ۱۳۳۳ھ مطابق ۹؍جون ۱۹۱۵ء بروز بدھ مارہرہ مطہرہ میں پیدا ہوئے۔

سلسلہ نسب:

حضرت سید العلماء کا نسب نامہ پدری ونسب نامہ مادری دونوں جا کر حضرت سید محمد صغریٰ قدس سرہ پر ملتے ہیں، سب سے پہلے دونوں سلسلۂ نسب ملاحظہ کرلیں:

شجرۂ پدری:

۱۔ حضرت سیدنا شاہ آل مصطفی اولاد حیدر قادری علیہ الرحمہ

۲۔ حضرت سید شاہ آل عبا قادری قدس سرہ

۳۔ حضرت سید شاہ حسین حیدر قدس سرہ

۴۔ حضرت سید شاہ محمد حیدر قدس سرہ

۵۔ حضرت سید دلدار حیدر قدس سرہ

۶۔ حضرت سید منتجب حسین قدس سرہ

۷۔ حضرت سید ناظم علی قدس سرہ

۸۔ حضرت سید حیات النبی تاتو میاں قدس سرہ

۹۔ حضرت سید سید حسین قدس سرہ

۱۰۔ حضرت سید ابو القاسم قدس سرہ

۱۱۔ حضرت سید جان محمد قدس سرہ

۱۲۔ حضرت سید حاتم قدس سرہ

۱۳۔ حضرت سید بدر الدین عرف بدلے میاں قدس سرہ

۱۴۔ حضرت سید ابراہیم قدس سرہ

۱۵۔ حضرت سید پیارے میاں قدس سرہ

۱۶۔ حضرت سید حسن قدس سرہ

۱۷۔ حضرت سید محمود عرف بدھن میاں قدس سرہ

۱۸۔ حضرت سید بڈھا میاں قدس سرہ

۱۹۔ حضرت سید جمال الدین قدس سرہ

۲۰۔ حضرت سید ابراہیم قدس سرہ

۲۱۔ حضرت سید ناصر قدس سرہ

۲۲۔ حضرت سید مسعود قدس سرہ

۲۳۔ حضرت سید سالار قدس سرہ

۲۴۔ حضرت سید محمد صغریٰ قدس سرہ (فاتح بلگرام)

۲۵۔ حضرت سید علی قدس سرہ

۲۶۔ حضرت سید حسین قدس سرہ

۲۷۔ حضرت سید ابو الفرح ثانی قدس سرہ

۲۸۔ حضرت سید ابو الفراس قدس سرہ

۲۹۔ حضرت سید ابو الفرح واسطی قدس سرہ (سادات زیدیہ بلگرام کے جد امجد)

۳۰۔ حضرت سید داؤد قدس سرہ

۳۱۔ حضرت سید حسین قدس سرہ

۳۲۔ حضرت سید یحیٰ قدس سرہ

۳۳۔ حضرت سید زید سویم قدس سرہ

۳۴۔ حضرت سید عمر قدس سرہ

۳۵۔ حضرت سید زید دوم قدس سرہ

۳۶۔ حضرت سید علی عراقی قدس سرہ

۳۷۔ حضرت سید حسین قدس سرہ

۳۸۔ حضرت سید علی قدس سرہ

۳۹۔ حضرت سید محمد قدس سرہ

۴۰۔حضرت سید عیسیٰ موتم اشبال قدس سرہ

۴۱۔حضرت سید زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۲۔حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۳۔حضرت سیدنا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ

۴۴۔حضرت سید السادات مولا علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم زوج خاتون جنت حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا (بنت)۔۴۵۔حضور سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

شجرۂ مادری:

۱۔حضرت سید آل مصطفی اولاد حیدر قادری قدس سرہ

۲۔حضرت بی بی سیدہ اکرام فاطمہ لخت جگر شہر بانو رحمۃ اللہ علیہا بنت

۳۔حضرت سید ابوالقاسم اسماعیل حسن قدس سرہ

۴۔حضرت سید میر محمد صادق قدس سرہ

۵۔حضرت سید شاہ اولاد رسول قدس سرہ

۶۔حضرت سید آل برکات ستھرے میاں قدس سرہ

۷۔حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ

۸۔حضرت سید آل محمد قدس سرہ

۹۔حضرت سید شاہ برکت اللہ (صاحب سلسلہ برکاتیہ)

۱۰۔حضرت سید میر اویس قدس سرہ

۱۱۔حضرت سید میر عبدالجلیل قدس سرہ

۱۲۔حضرت سید میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ (صاحب سبع سنابل شریف)

۱۳۔حضرت سید ابراہیم قدس سرہ

۱۴۔حضرت سید قطب الدین قدس سرہ

۱۵۔حضرت سید ماہرو قدس سرہ

۱۶۔حضرت سید بڈھا میاں قدس سرہ

۱۷۔حضرت سید کمال قدس سرہ

۱۸۔حضرت سید قاسم قدس سرہ

۱۹۔حضرت سید حسن قدس سرہ

۲۰۔حضرت سید نصیر قدس سرہ

۲۱۔حضرت سید حسین قدس سرہ

۲۲۔حضرت سید عمر قدس سرہ

۲۳۔حضرت سید محمد صغریٰ علیہ الرحمۃ والرضوان (فاتح بلگرام)

حضرت سید محمد صغریٰ علیہ الرحمہ سے لے کر سرکار دو عالم سرور کائنات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک شجرہ یکساں ہے۔

خاندانی پس منظر:

حضور تاج العلماء سید اولاد رسول محمد میاں قدس سرہ جو بلاشبہہ خانوادۂ برکاتیہ کے مستند تاریخ نویس بھی تھے اپنی کتاب ''تاریخ خاندان برکات'' میں لکھتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ ہمارا نسب بواسطۂ حضرت زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرور عالم صلی تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تک پہنچتا ہے بادشاہان ظالم کے ظلم سے ہمارے دادا سید علی عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ترک وطن فرما کر قریہ واسطہ میں جو مابین عراق، عرب وعراق، عجم کے ہیں تشریف لا کر قیام پذیر ہوئے، آپ کے احفاد سے حضرت سید ابوالفرح واسطی اپنے چار صاحب زادوں سید ابونواس جد سادات بلگرام وسید ابوالفضائل وسید داؤد وسید معزالدین کے ساتھ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں واسط سے غزنی تشریف لائے، اور بعد قیام چند روزہ مع سید معزالدین پھر واسط کو مراجعت فرمائی اور باقی صاحب زادوں نے ہندوستان کا قصد فرمایا اور سید ابونواس نے جاجیز اور سید ابو

الفضائل نے چھاتر ودا اور سید داؤد نے تہن پور میں اقامت اختیار فرمائی۔ سید ابونو اس کے احفاد سے حضرت سید محمد صغریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسب ایمائے سلطان شمس الدین التمش سری نام راجۂ بلگرام پر جوکافر سخت اور بڑا سرکش تھا جہاد فرمایا اوراس کے قتل کے بعد ۶۱۴ھ چھ سو چودہ ہجری میں فتح پائی۔ سلطان نے اس فتح کے جلدو میں بلگرام مع اس کے توابع ولواحق کے آپ کی جاگیر میں دے دیا،حضرت نے اس کا نام سری نگر سے بدل کر بلگرام رکھا اور وہاں شعار ومراسم اسلام کو رواج دیا اور اپنے توابع شیوخ فرشوری اور ترکمانوں اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ وہیں سکونت اختیار فرمائی۔''

(تاریخ خاندان برکات،ص:۴)

بلگرام ہندوستان کے صوبہ اودھ کا مشہور ومعروف مردم خیز قصبہ ہے اور آج کل ضلع ہردوئی کے توابع میں ہے، بعد فتح بلگرام حضرت سید محمد صغریٰ نے وہاں اکتیس برس عدل وانصاف، رعایا پروری، رشد وہدایت اور حکمرانی میں عمر شریف گزاری اور وہیں بروز دوشنبہ بوقت دوپہر چودہ شعبان المعظم ۶۴۵ھ میں وصال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔ حضرت میر سید صغریٰ کے دو صاحب زادے ہوئے، بڑے سید سالار اور چھوٹے سید عمر، والد کا انتقال ہوا تو سید عمر نے قرآن پاک لیا اور سید سالار نے اس قرآن پاک کی حفاظت کے لیے تلوار سنبھالی، ان دونوں کی اولادوں میں وہ صاحب کمال شخصیات اکابر علما وفضلا وکملا پیدا ہوئے جنھوں نے تاریخ میں اپنا نام روشن کیا۔

فتح بلگرام کے بعد سے سید محمد صغریٰ علیہ الرحمہ کا خاندان حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ تک بلگرام میں رہا۔ اس کے بعد حضرت میر عبدالواحد بلگرامی کے بڑے صاحب زادے حضرت سید شاہ میر عبدالجلیل (وفات: ۱۰۵۷ھ) ۱۰۱۷ھ میں مارہرہ تشریف لائے، اسے آباد فرمایا، اس وقت سے آج تک حضرت کی اولاد مارہرہ شریف میں ہے۔

مارہرہ اور میر عبدالجلیل بلگرامی مارہروی سے متعلق مولانا محمود احمد قادری نے اپنی کتاب ''حیات

آل رسول'' میں یہ تفصیل دی ہے ملاحظہ فرمائیں:

''ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں سلطان علاؤ الدین خلجی کے عہد میں ۶۹۹ھ میں مذکورہ بادشاہ کی اجازت سے راجہ بینی رام نے مارہرہ کی بنیاد ڈالی۔'' (ص:۲۹)

''میر سید عبدالواحد بلگرامی (متوفی ۱۰۱۷ھ) صاحب سبع سنابل کے صاحب زادے اور مارہرہ شریف میں سادات زیدیہ واسطیہ کی مشہور روحانی شخصیت حضرت میر سید عبدالجلیل بلگرامی مارہروی زیدی واسطی (متولد ۹۷۲ھ در بلگرام ہردوئی۔ متوفی ۱۰۵۷ھ) زیدی سادات میں سب سے پہلے مارہرہ تشریف لائے، آپ حالت جذب ووارفتگی میں جنگل جنگل گھومتے پھرتے، بلگرام سے ۱۰۱۷ھ میں مارہرہ کے قریب اترنجی کھیڑہ پہنچے، یہاں ایک مرد غیب نے شیر برنج کھلا کر ارشاد فرمایا: یہاں سے قریب ایک شہر مارہرہ نام کا آباد ہے، بارگاہ الٰہی اور دربار رسالت پناہی سے وہاں کی ولایت تم کو عطا ہوئی ہے، وہاں جا کر رہو اور ارشاد وہدایت خلق میں مشغول ہو۔'' اور حضرت کا ارادہ مارہرہ کا ہوا، ادھر چودھری وزیر خان رئیس مارہرہ نے تین بار خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت کی اور چودھری صاحب کو حکم رسالت ملا کہ میری اولاد سے تیرا پیر یہاں کا صاحب ولایت اترنجی کھیڑہ پر ہے، مشرق کی طرف سے آرہا ہے، اس کا استقبال کر کے لے آؤ، چودھری صاحب نے حکم رسالت پر عمل کیا اور اپنے دیوان خانے میں ٹھہرایا اور بیعت کی اور تھوڑے عرصے کے بعد حضرت سید بدرالدین شہید صاحب ولایت مارہرہ نے ارشاد فرمایا: ''ہم اور تم ایک جگہ رہیں'' چودھری صاحب کی صلاح سے اس جگہ پر محل سرائے، دیوان خانہ، مسجد وخانقاہ بن گئی اور حضرت میر عبدالجلیل کے متعلقین بھی بلگرام سے آگئے، یہاں قریب اکتالیس برس خلق کی ہدایت فرمائی اور بدعات وقبائح کا قلع قمع کیا، آٹھویں صفر المظفر دوشنبہ بعد نماز فجر ۱۰۵۷ھ بعہد شاہ جہاں بادشاہ وصال فرمایا اور اپنی خانقاہ (مارہرہ) میں مدفون ہوئے جو درگاہ پیر کہلاتی ہے۔ (حیات آل رسول ملخصاً،ص:۲۹ تا ۳۱، از: محمود احمد قادری)

مذکورہ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۱۷ھ میں میر عبدالجلیل بلگرامی کی مارہرہ آمد سے پہلے ہی یہاں

مسلمان موجود تھے بلکہ ایک صاحب ولایت بزرگ سید بدر الدین بھی یہیں پر رہتے تھے۔حضرت تاج العلماء فرماتے ہیں:

''حضرت سید شاہ عبد الجلیل نے وہیں (مارہرہ) سکونت مستقلہ اختیار فرمائی،حضرت نے تقریباً اکتالیس برس بہدایت وارشاد مارہرہ میں قیام فرمایا۔'' (تاریخ خاندان برکات،ص:۱۰)

حضرت سید میر عبد الجلیل بلگرامی مارہروی علیہ الرحمہ نے اپنا دوسرا عقد مارہرہ مطہرہ کے بخاری سادات کی ایک صاحب زادی سے فرمایا،جن سے دو صاحب زادے ہوئے اور جوانی ہی میں آپ کی حیات میں عالم جذب میں گھر سے نکل گئے،اور پھر ان مسافران راہ سلوک کا پتہ نہ چلا۔پہلی بلگرامی بیوی صاحب سے آپ کے چار بیٹے سید ابوالفتح،سید اویس،سید محمد اور سید ابوالخیر صاحبان رحمۃ اللہ علیہم اور دو بیٹیاں تھیں۔آپ کے دوسرے صاحب زادے سید اویس قدس سرہ العزیز سے ہی مارہرہ مطہرہ برکاتیہ خانوادہ چل رہا ہے۔آپ کے دوسرے صاحب زادگان کی اولاد بلگرام وغیرہ میں ہیں۔حضرت سیدنا شاہ اویس قدس سرہ (متوفی ۱۰۹۷ھ) کے تین صاحب زادے حضرت شاہ سید برکات اللہ، حضرت سید شاہ عظمت اللہ اور حضرت سید شاہ رحمت اللہ علیہم الرحمۃ والرضوان اور دو صاحب زادیاں تھیں۔

سید شاہ اویس قدس سرہ کے بڑے صاحب زادے سید شاہ برکت اللہ علیہ الرحمہ کی ولادت ۲۶/ جمادی الاٰخرہ ۱۰۷۰ھ کو بلگرام میں ہوئی،بچپن کا زمانہ والد ماجد اور دیگر بزرگان خاندان کی آغوش تربیت میں گزارا،آپ کے والد ماجد نے اپنے وصال (۲۰/رجب،۱۰۹۷ھ) سے پہلے شاہ صاحب کو سجادہ نشینی اور سلاسل آبائی قدیم چشتیہ وسہروردیہ وقادریہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی تھی،اس کے بعد کالپی شریف کے مشہور زمانہ بزرگ سید شاہ فضل اللہ علیہ الرحمہ سے بھی اجازت وخلافت سلاسل عالیہ قادریہ وچشتیہ وسہروردیہ ونقش بندیہ،ابوالعلائیہ ومداریہ بدیعیہ حاصل کی اور صاحب البرکات کا خطاب پایا۔سید شاہ برکت اللہ قدس سرہ نے ۱۰۹۷ھ کے بعد بلگرام کی سکونت ترک فرمادی اور مارہرہ

کو مسکن بنایا۔آپ کے دادا میر سید عبد الجلیل قدس سرہ مارہرہ کو اپنا وطن بنا چکے تھے،شاہ صاحب قبلہ نے مارہرہ میں اپنے دادا کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔مگر ایک شریر قوم گوندل کی ہمسائیگی پسند نہ فرما کر ۱۱۱۸ھ میں قصبہ سے باہر نئی آبادی کی بنیاد ڈالی اور مسجد وخانقاہ کی تعمیر فرمائی،اس جدید آبادی کا نام ''پیم نگر برکات نگری'' رکھا،جو ''میاں کی بستی'' کے نام سے موسوم ہے۔اور جہاں اب تک آپ کی اولاد آباد ہے۔آپ ہی کے دو صاحب زادگان،حضرت سید شاہ آل محمد قدس سرہ اور حضرت سید شاہ نجات اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے مارہرہ مطہرہ کی دو سرکاروں،سرکار کلاں اور سرکار خورد کا آغاز ہوتا ہے اور اس کی شاخیں پھیلتی ہیں۔

حضرت شاہ سید برکت اللہ قادری علیہ الرحمہ ایک عرصہ تک تشنگان بادۂ وحدت کو جام معرفت سے سیراب کرنے کے بعد شب عاشورہ محرم الحرام ۱۱۴۲ھ مطابق ۷/اگست ۱۷۲۹ء کو وصال فرما گئے۔

مارہرہ مطہرہ میں جہاں آپ مدفون ہوئے اور جو آج درگاہ شاہ برکت اللہ کے نام سے معنون ہے اس کی تعمیر نواب محمد خاں بنگش مظفر جنگ والیِ فرخ آباد نے شجاعت خان ناظم کے زیر اہتمام کرائی۔ اب یہیں سے سلسلہ برکاتیہ اور خانوادۂ برکاتیہ کا آغاز ہوتا ہے۔برکات نگری کی خاک سے علم وعمل، رشد وہدایت،فضل وکرامت اور شریعت وطریقت کے ایسے آفتاب وماہتاب طلوع ہوئے اور اپنی علمی وروحانی خدمات اور دینی ومذہبی کارہائے نمایاں سے تاریخ کو حیران کر دیا،حضرت سید شاہ برکت اللہ قادری مارہروی قدس سرہ کے بعد اس خانقاہ برکاتیہ کو رونق بخشنے والوں میں جن اعاظم زمانہ کا نام سر فہرست ہے وہ ذیل میں درج کیے جارہے ہیں۔

۱۔استاذ المحققین حضرت سیدنا شاہ آل محمد قدس سرہ (ولادت ۱۱۱۱ھ۔وفات:۱۱۶۴ھ)

۲۔محبوب العاشقین حضرت سید شاہ حمزہ قادری قدس سرہ (ولادت:۱۱۳۱ھ۔وفات:۱۱۹۸ھ)

۳۔قطب العارفین حضرت سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں قدس سرہ (ولادت:۱۱۶۰ھ۔ وفات:۱۲۳۵ھ)

۴۔خاتم الاکابر حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ (ولادت:۱۲۰۹ھ۔وفات:۱۲۹۶ھ)

۵۔حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ (ولادت:۱۲۵۵ھ۔وفات:۱۳۲۴ھ)

۶۔حضرت ابو القاسم سید شاہ محمد اسماعیل حسن شاہ جی قدس سرہ (ولادت: ۱۲۷۲ھ۔وفات: ۱۳۴۷ھ)

۷۔تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری قدس سرہ (ولادت: ۱۳۰۹ھ۔ وفات: ۱۳۷۵ھ)

ساتویں نمبر کے بزرگ تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری قدس سرہ حضرت ابوالقاسم سید شاہ محمد اسماعیل حسن شاہ جی قدس سرہ کے چھوٹے صاحب زادے ہیں، آپ کو اپنے نانا حضور سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ اور والد ماجد سیدنا شاہ محمد اسماعیل حسن نور اللہ مرقدہ سے خلافت واجازت حاصل تھی، آپ کو خانوادۂ برکاتیہ کا مستند تاریخ نویس اور مجدد برکاتیت بھی کہا جاتا ہے، آپ صاحب تصنیف کثیرہ بزرگ ہیں، ڈاکٹر محمد ارشاد ساحل شہ سرامی نے اپنے مقالہ ’’مشائخ مارہرہ کی تصنیفی خدمات‘‘ مشمولہ سیدین نمبر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور (ص:۷۳۳) میں حضور تاج العلماء علیہ الرحمہ کی ۳۹ تصانیف کی فہرست دی ہے۔اور اپنے ایک دوسرے تحقیقی مقالے ’’خانوادۂ برکات کی علمی وادبی خدمات‘‘ مشمولہ اہل سنت کی آواز، شمارہ ۶، اکتوبر ۱۹۹۹ء (ص:۱۲۵) میں آپ کی ۴۲ تصنیفات وتالیفات کا موضوعاتی خاکہ پیش کیا ہے۔

والد ماجد حضرت شاہ سید محمد اسماعیل حسن صاحب قدس سرہ نے اپنی حیات ہی میں اپنے سلسلے کا سجادہ نشین حضرت تاج العلماء کو بنا دیا تھا۔اس کے مطابق حضرت شاہ سید ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن قدس سرہ کے عرس چہلم کے موقع پر حسب دستور قدیم خاندان برکاتیہ آپ سجادہ غوثیہ برکاتیہ پر رونق افروز ہوئے۔

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

’’اپنے والد ماجد قدس سرہ کی تحریک کو حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے پوری توانائیوں کے ساتھ چلایا اور آپ کی علمی وروحانی توانائیوں کی بدولت سلسلہ برکاتیہ کے وابستگان کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔‘‘ (سیدین نمبر، ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور ۲۰۰۲ء ص:۳۰۷)

آگے مزید لکھتے ہیں:

’’مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مرشد کا آستانہ جیسے ان کے مرشد کے عہد پاک میں مرکزی آستانہ تھا، حضرت تاج العلماء کی بدولت پھر دنیا کو اس کی مرکزیت تسلیم کرنی پڑی۔‘‘ (حوالہ سابق)

حضرت تاج العلماء علیہ الرحمہ بہت زبردست عالم، عظیم مفتی، محدث، مفسر، کثیر المطالعہ بزرگ تھے، حافظہ قوی تھا، انتہائی ذہین، فطین، نکتہ رس، طباع تھے، جس پر ان کی تحریرات شاہد ہیں لیکن آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ سے بہت متاثر تھے، اس کے باوجود کہ امام احمد رضا سے کچھ پڑھا نہیں تھا مگر انہیں اپنا استاد سمجھتے تھے، ایک جگہ خود ہی تحریر فرماتے ہیں:

’’فقیر کو اگر چہ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ سے تلمذ رسمی حاصل نہیں مگر فقیر ان کو اپنے اکثر اساتذہ سے بہتر وبرتر اپنا استاد جانتا ہے۔ان کی تقریرات وتحریرات سے فقیر کو بہت کثیر فوائد دینی وعلمی حاصل ہوئے اور چوں کہ تقریر وتحریر میں ان کا طریقہ بے لوث اور مواخذات صوری ومعنوی، شرعی وعرفی سے منزہ ومبرا ثابت ومحقق ہوا لہٰذا فقیر بھی تا بہ وسعت ان کے طریقہ کا اتباع کرنا پسند کرتا ہے۔‘‘ (تاریخ خاندان برکات، ص:۶۶)

حضور تاج العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان کے ایک فرزند بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے اس کے بعد کوئی اولاد نہیں ہوئی لہٰذا آپ نے اپنے بھانجوں، سید العلماء حضرت علامہ سید شاہ آل مصطفی قادری اولاد حیدر، احسن العلماء حضرت علامہ سید شاہ مصطفی حیدر حسن اور حضرت سید شاہ مرتضیٰ حیدر حسین کو مثل اولاد پالا، خانقاہ برکاتیہ کی سجادگی وتولیت حضور نوری میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے بعد حضور سید مہدی

میاں، حضور سید محمد اسماعیل حسن اور حضور تاج العلماء علیہم الرحمہ سے ہوتی ہوئی حضور سید العلماء اور حضور احسن العلماء قدس سرہ تک آئی اور ان دونوں بزرگ بھائیوں کی ہمہ جہت کاوشوں اور روحانی توانائیوں کی بدولت سلسلہ برکاتیہ کو کافی فروغ حاصل ہوا اور خانوادۂ برکاتیہ کو شہرت دوام ملی۔ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''حضرت تاج العلماء کے بعد ان کے پروردہ وتربیت یافتہ حضرت سید العلماء مولانا سید شاہ آل مصطفی اور احسن العلماء حضرت سید شاہ مصطفی حیدر حسن میاں صاحب کی بدولت آج دنیا کا گوشہ گوشہ براہ راست اس آستانہ سے وابستہ ہے، جن کی صحیح تعداد کا معلوم کرنا مشکل ہے۔''

(سیدین نمبر، ص: ۳۰۷)

تحصیل علم کا آغاز:

سید العلماء سید شاہ آل مصطفی قادری مارہروی قدس سرہ کی تعلیم وتربیت سے متعلق شہزادۂ سید العلماء سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی لکھتے ہیں:

''حضور سید میاں چوں کہ خاندان میں اپنی نسل کے سب سے بڑے لڑکے تھے۔ اس لیے سب کی آنکھوں کا تارا تھے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے نانا شاہ جی میاں یعنی سید شاہ اسماعیل حسن صاحب اپنے نواسے پر جان چھڑکتے تھے۔ سید میاں کی پرورش و پرداخت کا ذمہ خود نانا نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور پھر اس نقیب برکاتیت کی تربیت خانقاہ عالیہ کے مقدس اور اللہ والے ماحول میں ہوئی، زمینداری کا زمانہ تھا، ۲۷ دیہات کی مال گزاری درگاہ برکاتیہ کے لیے بندھی ہوئی تھی، نانا جان بھی ظاہری و باطنی اعتبار سے صاحب ثروت تھے، نواسے کی تربیت اور پرورش شہزادوں کی طرح کی۔ اپنے سے کبھی جدا نہ ہونے دیتے تھے، یہاں تک کہ کبھی دادیہال میں بھیجتے تو تاکید فرمادیتے کہ زیادہ دیر وہاں نہ رکیں۔ دادا سید شاہ حسین حیدر قدس سرہ کو اپنے پوتے کے بہترین مستقبل کی خاطر یہ سب کچھ گوارا تھا۔

نواسا جب چار سال چار ماہ چار دن کا ہوا تو نانا شاہ جی یہاں صاحب نے پورے شرعی اہتمام سے تسمیہ خوانی کا جشن کیا۔ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک کی تحریر کی ہوئی بسم اللہ شریف ہمارے خاندان میں موجود ہے۔ سارے بچے اس کو سامنے رکھ کر بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ سید میاں کو بھی علم کا پہلا جام بغدادی میخانہ سے ہی پلایا گیا۔ تسمیہ خوانی کے بعد علم دین کا سفر شروع ہوا، اس سفر کا پہلا مرحلہ تھا حفظ قرآن، جو سید میاں نے سات آٹھ سال کی چھوٹی سی عمر میں طے کرلیا۔ شروع کے پارے والدہ ماجدہ نے ازبر کرائے پھر حافظے کی تکمیل حافظ عاشق علی صاحب برکاتی نے کرائی۔ حافظ سلیم الدین صاحب کی اعانت بھی شامل رہی، اسی چھوٹی سی عمر میں مسجد جامع برکاتی میں پہلی محراب سنائی، سامع تھے نانا جان شاہ جی میاں صاحب۔ فارسی کی پہلی کتاب اپنی والدہ ماجدہ سے پڑھی۔ نانا حضرت اور خال محترم سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قدس سرہ سے علوم درسیہ مروجہ کا اکتساب کیا، تفسیر قرآن، علم حدیث، منطق، علم کلام، صرف ونحو اور ادب عالیہ میں کمال حاصل کیا۔ جامعہ معینیہ اجمیر مقدس میں حضور صدر الشریعہ، شیخ الطریقہ مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بہت ہی چہیتے شاگرد رہے، استاد محترم کی اجازت خاص تھی کہ مدرسہ کے اوقات کے علاوہ جب چاہیں درس لے سکتے ہیں۔ مولوی، عالم (دینیات میں پوسٹ گریجویشن کی ڈگری کے برابر) کی سند پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی، طبیہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ادویۂ ہندی و یونانی اور عمل جراحی میں ڈی۔ آئی۔ ایم۔ ایس کا ڈپلوما لیا۔''

(سیدین نمبر، ص: ۴۷۳، ۴۷۴، مضمون سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

''جہاں تک مجھے معلوم ہے صرف صدر الشریعہ قدس سرہ ہی کی وجہ سے ان کو اجمیر مقدس بھیجا گیا تھا۔ حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے پہلے حضرت صدر الشریعہ کے وہاں مفاوضۂ عالیہ رمضا فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے بھانجے سید آل مصطفی سلمہ کو آپ کی خدمت میں تعلیم کے لیے

بھیجوں۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے یہ خوشی بلکہ بصد خوشی اسے منظور فرمایا۔ عریضہ میں تحریر فرمایا کہ صاحبزادے صاحب تشریف لائیں، میرے پاس جو کچھ ہے ان کے جد امجد کا عطیہ ہے، یہ ان کی امانت ہے تشریف لا کر اپنی امانت مجھ سے واپس لے لیں۔ حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے پھر مفاوضۂ عالیہ رمضا فرمایا کہ سید آل مصطفی فلاں ٹرین سے فلاں وقت اجمیر شریف پہنچ رہے ہیں۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ بہ نفس نفیس مع چند تلامذہ کے حضرت سید العلماء کو اسٹیشن لینے تشریف لے گئے اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کو لائے اور ان کے طعام کا بندوبست اپنے گھر کیا۔ تین دن کے بعد حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے حضرت سید العلماء سے دریافت فرمایا: صاحبزادے! آپ کس لیے تشریف لائے ہیں؟ فرمایا: پڑھنے کے لیے آئے ہیں۔ فرمایا: اب جب کہ آپ پڑھنے کے لیے آئے ہیں تو طالب علموں کی طرح رہنا ہوگا۔ اس قیمتی لباس کے بجائے معمولی سادہ لباس پہننا ہوگا۔ اور شہزادگی کا تصور ختم کر کے ایک طالب علم کا ذہن بنانا ہوگا۔

حضرت صدر الشریعہ خود بازار تشریف لے گئے، معمولی کپڑا خریدا اور سلوایا، پہنایا اور پھر تعلیم شروع کی۔ پہلی بار جب حضرت صدر الشریعہ کی درس گاہ میں تشریف لے گئے۔ (صدر الشریعہ) کھڑے نہ ہوئے جب کہ اس سے قبل جب حضرت سید العلماء تشریف لاتے ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے، دست بوسی فرماتے، اپنی جگہ بٹھاتے۔ حضرت سید العلماء جب پہلی بار درس گاہ میں آئے تو حضرت صدر الشریعہ تعظیم کے لیے کھڑے کیا ہوتے، ملے بھی نہیں اور طلبہ کی صف میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حضرت سید العلماء طلبہ کے ساتھ بیٹھ گئے مگر چہرے پر کچھ دوسرے آثار تھے، حضرت صدر الشریعہ بھانپ گئے اور فرمایا: صاحب زادے! تعلیم اور اخذ فیض کے لیے ضروری ہے کہ آپ طالب علم اور متعلم کی طرح رہیں اور جب تک آپ تعلیم جاری ہے ایک طالب علم کا مزاج رکھتے ہوئے محنت سے پڑھیں۔

حضرت سید العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے سنا اور جب تک زیر تعلیم رہے ایک نیاز مند

طالب علم کی طرح زندگی گزاری، اسی کا نتیجہ ہے کہ سید العلماء ہوئے۔''

(سیدین نمبر، ص: ۴۵۹، ۴۶۰، مقالہ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی)

طب کی تحصیل:

درس نظامی سے فراغت کے بعد حضرت سید العلماء قدس سرہ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جا کر شاہی حکیم عبد اللطیف لکھنوی سے علم طب کی تحصیل کی اور اس کا فائدہ عوام تک پہنچانے کی غرض سے سید میاں مارہرہ مطہرہ میں مطب کرتے رہے، خانقاہ شریف کے سامنے سڑک پر جو بڑا گیٹ ہے اس کے اوپر آپ کا مطب تھا۔ دوا اور دعا کا سنگم ہوا تو مریضوں کو شفا تقسیم ہونے لگی، حکمت چلی اور خوب چلی۔ دیہات سے دور دراز کا سفر طے کر کے لوگ مارہرہ مطہرہ آتے اور خانقاہ برکاتیہ کے مطب سے فیض یاب ہو کر لوٹتے۔

بیعت وخلافت:

حضور سید العلماء کی خاندان کے جن بزرگوں سے بیعت وخلافت ہے وہ یہ ہیں:

نانا سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں، ماموں تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں، خالو سید شاہ مہدی حسن علیہم الرحمۃ والرضوان۔ اس کی جو تفصیل آپ کے فرزند سید حسنین میاں نظمی مارہروی نے اپنے مقالہ ''نقیب مسلک برکاتیت۔ سید العلماء علیہ الرحمہ'' مشمولہ سیدین نمبر (ص: ۴۷۲) میں دی ہے اس کا خلاصہ نذر قارئین ہے:

''نانا جان شاہ جی میاں نے اپنے پیارے نواسے کو تیرہ سال کامل خانقاہی تربیت عطا فرمائی، اپنی بیعت کے ساتھ ساتھ خلافت واجازت سے بھی نوازا۔ نانا کے وصال کے بعد سید میاں کی تربیت خال محترم تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قدس سرہ نے اپنے ذمہ لی۔ سونے کو کندن بنانے میں جو کسر رہ گئی تھی وہ پوری ہوگئی۔ تقریر وخطابت کا آغاز خانقاہ ہی سے ہو گیا تھا۔ ۱۰؍ ربیع الاول شریف ۱۳۴۷ھ کے مبارک دن خال محترم نے اپنے چہیتے بھانجے کو

خلافت سے نوازا۔'' (سیدین نمبر،ص:۴۷۴) آگے وہ خلافت نامہ لکھا گیا ہے۔

مارہرہ مطہرہ میں خاندان کے سارے بزرگوں کی شفقت سید میاں کے حصے میں بھرپور طریقے سے آئی تھی۔ حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ کے چچازاد بھائی اور سید میاں کے سگے خالو حضرت سید شاہ مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ رب تعالیٰ کے حکم سے اولادِ نرینہ سے محروم تھے، اس لیے انہوں نے سید میاں کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا تھا اور باپ سے زیادہ شفقت فرمایا کرتے تھے۔ سید شاہ مہدی میاں صاحب کے مزاج پر جذب غالب تھا، سید میاں کو اپنا جانشین اور وصی مقرر فرمایا، عرس نوری کے موقع پر اپنے مکان سجادگی کی چوکھٹ پر سید میاں کو کھڑا کر کے ہزاروں کے مجمع میں انہیں اپنا سجادہ قرار دیا اور اپنی مسند پر بٹھا کر مریدوں سے نذریں دلائیں۔ اسی پر نہیں بلکہ اپنے دست مبارک سے سید میاں کے نام ایک شفقت نامہ بھی تحریر فرمادیا۔'' (سیدین نمبر،ص:۴۷۵)

آگے وہ شفقت نامہ درج ہے۔

''ادھر خال محترم سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سید میاں کو خلافت واجازت سے توسرفراز فرمایا ہی، خاندانی روایات کے پیش نظر کتاب مستطاب ''النوری و البھا فی اسانید الحدیث وسلاسل الاولیاء'' (سن تالیف تاریخی ۱۲۰۷ھ) مؤلفہ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ علیہ کے سرورق پر اپنے دست مبارک سے خاندان کے جملہ اوراد واشغال واعمال کی اجازت تحریر فرمادی۔ (سیدین نمبر،ص:۴۷۶)

آگے کتاب مذکورہ کے صفحہ ۲ پر تحریر کیا ہوا اجازت نامہ درج کیا گیا ہے۔ اس کے بعد تحریر کیا ہے کہ:

''سید میاں علیہ الرحمۃ والرضوان کو ان کے بزرگوں نے بھرپور پیار دیا اور جی بھر کر نوازا۔ ایک خالو سید شاہ مہدی حسن صاحب قدس سرہ اپنی روحانی اور مالی وراثت کا مالک بنا ہی چکے تھے، دوسرے خالو اور خانقاہ کی تیسری گدی کے وارث سید شاہ ارتضیٰ حسین صاحب قادری نے بھی سید میاں کو اپنا بیٹا بلکہ بیٹے سے زیادہ چہیتا بنا کر اپنا سب کچھ ان کے نام لکھ دیا۔'' (سیدین نمبر، ص:۴۷۷)

اس کے بعد قریب پانچ صفحات پر مشتمل سید شاہ ارتضیٰ حسین قادری عرف پیر میاں کا تحریر کردہ مکتوب نقل کیا گیا ہے جس میں اس حق ملکیت کا تذکرہ بڑے واضح لفظوں میں کیا گیا ہے۔

خلفائے کرام:

حضور سید العلماء علیہ الرحمہ نے جن اشخاص کو سلاسل عالیہ قادریہ برکاتیہ کی اجازت وخلافت سے نوازا، ان میں کل سات افراد کے اسماء راقم کو دستیاب ہوسکے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی (جانشین حضور سید العلمائ)
(۲) سید محمد اشرف برکاتی مارہروی (شہزادۂ حضور احسن العلمائ)
(۳) مولانا سخاوت علی برکاتی (مگہر بستی)
(۴) شیر نیپال مفتی جیش محمد قادری (نیپال)
(۵) حضرت مولانا عبدالقادر کھتری (ممبئی)
(۶) حضرت مولانا غلام عبدالقادر علوی (براؤں شریف)
(۷) حاجی غلام احمد صاحب برمووالے (بہار)

حضور سید العلماء کی ہمہ جہت دینی خدمات اور مثالی شخصیت کا عمومی جائزہ:

ممدوح گرامی حضور سید العلماء سید آل مصطفی قادری مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اولوالعزم ذات اور ہر اعتبار سے مثالی شخصیت کے جن پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی جاسکتی ہے وہ ہیں تصلب فی الدین، استقامت علی المذہب، علمی جلالت، تنظیمی صلاحیت، فتویٰ نویسی، تقریر وخطابت، تصنیف وتالیف، ذوق شعر وادب، بحث ومناظرہ، امام احمد رضا سے عشق ومحبت، مسلک رضا کی کامیاب ترجمانی، احترام علماو مشائخ، مدارس اسلامیہ کی سرپرستی اور تحریک اشرفیہ سے وابستگی وغیرہا۔

بمبئی میں وردو:

ہم نے ماقبل کی سطور میں لکھا ہے کہ آپ نے تقریر وخطابت کا آغاز خانقاہ ہی سے کر دیا تھا اور اس فن میں بہ تدریج کمال حاصل ہوتا گیا، کامیاب مطب کے بعد آپ کی باقاعدہ عملی زندگی اور دینی

خدمات کا آغاز سرزمین بمبئی میں تشریف آوری سے ہوتا ہے، بمبئی کے اہل سنت اور مسلک حق بلکہ پورے ہندوستان کی سنیت کے لیے ایک مؤثر آواز کی شکل میں ممبئی میں وردو مسعود سب کے لیے نیک فال ثابت ہوا، جس ستارے کو خانقاہ برکاتیہ کے اکابرین نے رشک قمر بنایا تھا اس کی چمک دمک سرزمین بمبئی میں آکر نکھرنے لگی اور دلوں کی دنیا میں انقلاب برپا کردیا۔ بمبئی آمد سے متعلق سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی رقم طراز ہیں:

''حضور سید العلماء سید شاہ آل مصطفی سید میاں علیہ الرحمہ ۱۹۴۹ء میں بمبئی تشریف لے گئے یہاں کی جماعت بکر قصابان نے سید میاں کو بمبئی کی مسجد کھڑک کی امامت کی پیش کش کی جو سید میاں نے قبول کرلی۔ اس طرح مارہرہ کا سید شہر ممبئی کی گہما گہمی کا ایک جزو بن گیا۔''

(سیدین نمبر، ص: ۴۸۵، ۴۸۶)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''اللہ عزوجل نے حضرت سید العلماء قدس سرہ کو اس لیے نہیں پیدا فرمایا تھا کہ وہ ایک چھوٹے سے قصبے میں بیٹھ کر مطب کریں بلکہ اللہ عزوجل نے انہیں پورے ہندوستان کے سنیوں کی قیادت کے لیے پیدا فرمایا تھا، اسی سبب ممبئی میں ورود ہوا۔'' (سیدین نمبر، ص: ۴۶۲)

یقیناً یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ ایک عظیم خانقاہ کا پروردہ خانقاہ کے عیش وآرام کو چھوڑ کر بمبئی جیسی سنگلاخ زمین کا رخ کرتا ہے اور ایک چھوٹی مسجد کی امامت وخطابت کو ترجیح دیتا ہے لیکن ایسا ممکن ہوا اور دنیا نے دیکھا کہ سید العلماء علیہ الرحمہ نے جس نیک نیتی اور جذبۂ دروں کے ساتھ خدمت دین اور فروغ اہل سنت کے جس میدان میں قدم رکھ دیا اس میں انہیں بے پناہ کامیابیاں میسر آئیں اور جماعت اہل سنت کو سربلندی نصیب ہوئی، رفیق ملت سید شاہ نجیب حیدر مارہروی (شہزادۂ حضور احسن العلمائ) رقم طراز ہیں:

''کیا ہماری جماعت حضور سید العلماء کی اس قربانی کو فراموش کرسکتی ہے کہ وہ ذات اپنی خانقاہ اور حلقۂ مریدین کو چھوڑ کر جماعت کی شیرازہ بندی کی خاطر ممبئی کی ایک مسجد کی امامت کو

فوقیت دے دی ہے۔ نیت ثابت اور صاف تھی، محنت رنگ لائی، پورے اہل سنت وجماعت کو ایک پلیٹ فارم پر لے آئے نتیجتاً جماعت اہل سنت کا قد اونچا ہوا، ہمیں ایک نئی شناخت حاصل ہوئی۔

(اداریہ، اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، جلد: ۱۸/نومبر ۲۰۱۱ء ص: ۱۶)

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کا قیام:

اس تنظیم کے قیام کے سلسلے میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

''غازی ملت (مولانا محبوب علی خاں رضوی) کے کیس کے دوران اہل سنت کے حساس افراد نے یہ دیکھا کہ ہم اہل سنت کی کوئی مضبوط تنظیم نہیں۔ ہمارے بالمقابل دیوبندیوں کی بہت مستحکم تنظیم ''جمعیۃ العلمائ'' ہے۔ غازی ملت کے کیس میں جمعیۃ العلماء نے قدم قدم پر دیوبندی فتنہ گروں کی قیادت کی تھی، بمبئی کے سارے اہل سنت نے بالاتفاق یہ طے کرلیا کہ اہل سنت کو بھی اپنی ایک مضبوط اور مستحکم تنظیم قائم کرلینی چاہیے۔ چناں چہ تمام عمائد اہل سنت بشمول مفتی اعظم ہند کے مشورے سے ''آل انڈیا سنی جمعیۃ العلمائ'' کا قیام عمل میں آیا، جس کے بالاتفاق پہلے صدر حضرت سید العلماء منتخب ہوئے اور تاحیات صدر رہے۔ حضرت سید العلماء نے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے ذریعے اہل سنت کی کتنی نمایاں خدمات انجام دیں، یہ ایک لمبی داستان ہے۔'' (سیدین نمبر، ص: ۴۶۳، ۴۶۴)

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی تاسیس ۱۹۵۸ء میں عمل میں آئی، حضور شیر بیشۂ سنت اور حضور سید العلماء علیہما الرحمۃ والرضوان نے اس جماعت کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا تھا، اس کے قیام میں جماعت اہل سنت کے اکابرین کی دعائیں اور مشورے شامل تھے، اس جماعت کے سرپرست تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفی رضا نوری بریلوی اور شہنشاہ خطابت حضور محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی تھے اور صدر بالاتفاق حضور سید العلماء سید آل مصطفی قادری مارہروی علیہ الرحمہ کو چنا گیا تھا، پورے ہندوستان میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی شاخیں قائم کی گئیں۔ ڈاکٹر محمد ارشاد ساحل شہ

سرامی لکھتے ہیں:

''۱۹۵۸ء میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء مسلمانوں کے دینی، مذہبی، سیاسی، سماجی، اقتصادی اور معاشرتی مسائل کے حل کرنے اور انہیں ہر موڑ پر آگے لانے کے لیے عمل میں آئی۔ حضرت سید العلماء مولانا حکیم سید آل مصطفی قادری برکاتی قدس سرہ کی خدمت اقدس میں آپ کی جامعیت، کمالات اور ذاتی اعلیٰ تنظیمی خصائص کی بنا پر اس تنظیم کی صدارت کی شہ نشینی پیش کی گئی۔ آپ نے اکابرین ملت کے اصرار اور اصلاحات کے تبیّن ذاتی رجحانات کے پیش نظر اسے قبول فرمایا اور تا حیات اس عظیم منصب کی ذمہ داریوں کے احساس اور شاندار اصلاحی خدمات کی بنیاد پر اس کے صدر نشین رہے۔ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی شاخیں پورے ہندوستان میں قائم کی گئیں، جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے واسطے مذہبی اور سیاسی سطح پر عظیم الشان نمایاں کارنامے انجام دیے۔ اس تنظیم کے مقاصد بہت واضح اور شرعی اصولوں پر مبنی تھے۔''

(اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ شمارہ ۶، اکتوبر ۱۹۹۹ئ ص: ۲۳۶)

سرزمین بمبئی میں سنی جمعیۃ العلماء کے زیر اہتمام ہونے والی ایک اہم تاریخی تنظیمی کانفرنس میں وقت کے جید علما و مشائخ، پیران طریقت اور خطبا و مناظرین کا اجتماع دیکھ کر رئیس القلم علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں:

''اس نعمت کبریٰ کو ہم جماعت کی خوش بختی ہی سے تعبیر کریں گے کہ صف اول کے اکابر کی اب گراں قدر توجہ ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے چھ کروڑ اہل سنت کی تنظیم (سنی جمعیۃ العلمائ) کی طرف منعطف ہوگئی۔''

(ماہنامہ جام نور دہلی، رئیس القلم نمبر، جون، جولائی، اگست ۲۰۰۲ئ ص: ۱۸۹)

ہندوستان بھر کے اکابرین اہل سنت میں حضور مفتی اعظم ہند، برہان ملت، سید العلمائ، حافظ ملت، مجاہد ملت، سلطان المتکلمین، پاسبان ملت، محبوب العلمائ، اشرف العلمائ، اور طوطی ہند وغیرہم

کے اسما قابل ذکر ہیں، جنہوں نے اس عظیم الشان کانفرنس کو زینت بخشی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کس معیار کی تحریک تھی اور اس کا دائرہ کار کتنا وسیع اور پر اعتماد تھا۔ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کا میدان عمل مذہبی اور سیاسی دونوں تھا، یہ ممبئی میں اہل سنت کی واحد تنظیم تھی جس سے تقریباً سنی مساجد، مدارس اور جماعتیں وابستہ تھیں۔ اس ضمن میں علامہ بدر القادری لکھتے ہیں:

''آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء دراصل پراگندہ ذہن مسلمانان اہل سنت کی جمعیت خاطر کا ایک مرکز تھا تا کہ الیکشن اور دیگر مواقع پر مسلمانان اہل سنت اپنے مقتدر علما اور سربراہان ملت کی ہدایات کے مطابق اقدامات کریں۔'' (سیدین نمبر، ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، ص: ۶۶۹)

سنی جمعیۃ العلماء کی برانچ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کانپور کے زیر اہتمام ۱۹۶۳ء میں حلیم مسلم کالج کے گراؤنڈ پر ایک سہ روزہ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں ملک کے بہترین دماغ اور اعلیٰ صلاحیتیں مجتمع تھیں۔ اس کانفرنس کے آخری اجلاس کی صدارت سید العلماء قدس سرہ نے فرمائی، اس میں آپ نے جو خطبۂ صدارت پیش فرمایا تھا وہ متعدد بار کتابی شکل میں چھپ چکا ہے، اپنے خطبۂ صدارت کے آخیر میں اپنی قوم کو پیغام بیداری دیتے ہوئے فرماتے ہیں، توجہ سے پڑھیں اور ان نکات پر سنجیدگی سے غور کریں:

''محترم حضرات! اب وقت سونے کا نہیں رہا، زمانہ اپنی برق رفتاری سے گزرتا جا رہا ہے، اور ملک کی شاطر جماعتیں اپنی نت نئی شاطرانہ حرکتوں سے ہمارے جماعتی نظام کو منتشر کردینا چاہتی ہیں۔ اگر آپ حضرات یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے حقوق کی پائمالی نہ ہونے پائے تو اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہر جگہ سنی جمعیۃ العلماء کی شاخوں کا قیام عمل میں لایا جائے اور زیادہ سے زیادہ ممبر سازی کرکے یہ واضح کردیا جائے کہ ملک کی رائے عامہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے ساتھ ہے۔''

(خطبۂ صدارت، اجلاس سوم، ص: ۱۵)

حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کو سنی جمعیۃ العلماء سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ

ہر وقت اس کے دست و بازو بن کر جماعت اہل سنت کا قد اونچا کرتے رہے اور دینی و ملی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۴ء میں بعض سنی حلقوں کی طرف سے جب آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے بالمقابل ایک دوسری جماعت کی تشکیل کی بات شروع ہوئی تو تمام اتحاد پسند علماے اہل سنت کو اس کا افسوس بھی ہوا اور غم بھی مگر اس المیہ کا سب سے زیادہ اثر حضور سید العلماء کی ذات پر ہوا۔ صحافی اہل سنت حضرت علامہ طیش صدیقی کانپوری لکھتے ہیں:

"سید میاں کو جمعیت سے عشق تھا، پیار تھا، محبت تھی، ۱۹۷۴ء کے شروع میں جب بعض حلقوں کی طرف سے سنی جمعیۃ العلماء کے مقابلے میں ایک نئی تنظیم کا شوشہ چھوڑا گیا تو سید میاں تڑپ اٹھے، بے چین ہو گئے۔ کانپور کے ایک زبردست مجمع میں تقریباً ایک لاکھ افراد سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ میں سید زادہ ہوں، سنی جمعیۃ العلماء کی پرورش و پرداخت میں میرے بوڑھے خون کے قیمتی قطرات صرف ہوئے ہیں۔ میں اپنے جیتے جی اسے مرنے نہیں دوں گا، میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک اس کی آبیاری میں صرف کر دوں گا۔" (سیدین نمبر، ص: ۵۵۰،۵۵۱)

اکابرین اہل سنت نے متفقہ طور پر جس جمعیت کی داغ بیل ڈال کر اس کا پاسبان سید العلماء کو بنایا تھا، سید العلماء نے اس کی پاسبانی کا حق ادا کر دیا، پورے ہندوستان میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں، جمعیت کے نام سے ملک کے اندر متعدد اہم تاریخی اجلاس اور کامیاب کانفرنسیں منعقد ہوئیں، کچھ نامساعد حالات کی وجہ سے حضور سید العلماء علیہ الرحمہ نے سنی جمعیۃ العلماء کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا، جس کا اثر حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ پر بہت گہرا پڑا تو حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے خود بمبئی پہنچ کر استعفیٰ واپس لینے پر مجبور کیا۔ جس کی تفصیل سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی نے اپنے طویل مضمون میں یہ دی ہے، لکھتے ہیں کہ:

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جماعت کے قیام کے کچھ برسوں کے بعد ایک مرحلہ ایسا آیا جب ابا جماعت کے کچھ عہدے داروں کی بدچلنی سے ناراض ہو گئے اور صدارت سے استعفیٰ لکھ کر بریلی شریف بھیج دیا، حضور مفتی اعظم ہند کو جیسے ہی استعفیٰ ملا ویسے ہی بمبئی روانہ ہو گئے، ان دنوں مسجد

کھڑک میں واقع ابا کے حجرے کی مرمت چل رہی تھی اور ابا مسجد کی دوسری منزل کے ایک کونے میں معتکف تھے، ایک شام حضور مفتی اعظم بہت تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دوسری منزل پر پہنچے اور اس سے پہلے کہ ابا تعظیم کے لیے اٹھیں مفتی اعظم نے اپنا عمامہ اتار کر ابا کے قدموں پر رکھ دیا۔ میرے چھوٹے سے ذہن میں اس وقت کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ ابا نے عمامہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ حضور مفتی اعظم نے فرمایا: سید میاں! سنیت کی لاج آپ کے ہاتھ میں ہے، جماعت سے آپ علاحدہ ہو گئے تو شیرازہ بکھر جائے گا۔ دشمن پہلے ہی سے ہمارے اتحاد پر نظر جمائے ہوئے ہے، انہیں ہم پر ہنسنے اور گل کھلانے کا موقع مل جائے گا۔ آپ کو اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا واسطہ اپنا استعفا واپس لے لیجیے۔ یہ کہہ کر مفتی اعظم نے آپ کا استعفا نکال کر پیش کیا۔ میں نے ابا کو دیکھا، مفتی اعظم کا عمامہ اپنے سر پر رکھے روتے جا رہے تھے، ادھر مفتی اعظم کی بھی آنکھوں میں آنسو رواں تھے، میں نے ابا کو روتے دیکھا تو خوب زور زور سے رونے لگا ابا کے خادم صوفی نظام الدین صاحب مجھے گود میں اٹھا کر نیچے صحن مسجد میں لے آئے۔ اس دن حضور مفتی اعظم تب ہی واپس گئے جب ابا نے استعفا واپس لے لیا۔"

(جہان مفتی اعظم مطبوعہ ممبئی، ص: ۲۲۴)

حضور سید العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان نے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے لیے اپنی زندگی کا آخری لمحہ تک وقف کر دیا تھا اس کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے خصوصی تاریخی اجلاس اور کانفرنسوں میں آپ کا خطاب اپنے موضوع پر ایک جامع اور مؤثر خطاب ہوتا تھا۔ دینی موضوعات کے علاوہ جب سیاسی موضوعات پر گفتگو کرتے تب بھی آپ کی جہاں دیدگی اور سیاسی بصیرت کے اجالے ہر طرف بکھرے دکھائی دیتے اور بڑے بڑے سیاست داں دم بخود ہو کر آپ کا خطاب سماعت کرتے، یہ ان کی ذہانت اور علمی کمال تھا اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ خانقاہی بزرگوں سے ملی ہوئی ان کی روحانی توانائی اور علمی فیضان تھا جو ان کی زبان فیض ترجمان سے نکل کر اہل دل کو مالا مال کر رہا تھا، سنی جمعیۃ العلماء نے اپنے عروج کے زمانے میں نہ صرف جماعت اہل سنت کے لیے خوشیوں کا سامان فراہم کیا بلکہ مخالفین اور حریف جماعتوں کے لیے سوہان روح سے کم نہ رہی اور جو شہرت و مقبولیت اس کو حاصل

ہوئی وہ بہت کم جماعتوں اور تحریکوں کے حصے میں آئی، لیکن افسوس قائد تحریک کے وصال نے اس کا دم خم توڑ دیا اور اس کی عظمت قصہ پارینہ بن چکی ہے، شارح بخاری لکھتے ہیں:

''جو مقبولیت آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کو عوام وخواص میں حاصل ہوئی وہ آج تک کسی تنظیم کو میسر نہیں ہوئی۔ افسوس کہ حضرت سید العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی عظمت قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔'' (کتابچہ حضور سید العلماء از: شارح بخاری، ص: ۱۴)

سرزمین بمبئی کے عوام وخواص اہل سنت آج بھی حضور سید العلماء کے احسان عظیم کو یاد کرتے ہیں تو آبدیدہ ہوجاتے ہیں کہ کس طرح انہوں نے جمعیت کے ذریعہ آخری سانسوں تک جماعت کے فروغ اور استحکام کے لیے کام کیا، علمائے اہل سنت کو ایک وقار عطا کیا، ائمہ مسجد کو ایک مستحکم بنیاد فراہم کی، شہر بمبئی کے تقریباً ہر محلے میں نیاز کمیٹیاں قائم کروائیں اور ان کے زیر اہتمام مختلف پاکیزہ مجالس اور اعراس بزرگان منعقد کروائے، پورے ہند کے جید خطبا اور مشہور مقررین کا دورہ شروع ہوا یہ وہ ناقابل فراموش خدمت ہے جس میں اولیت کا سہرا حضور سید العلماء قدس سرہ کے سر سجتا ہے۔

علمی جلالت:

حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کو اللہ عزوجل نے غضب کی قوت حافظہ عطا فرمائی تھی، اس اعلیٰ درجے کی ذہانت وذکاوت پر حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی قدس سرہ جیسے مربی استاذ کی استاذانہ مہر لگ جائے تو پھر کیا پوچھنا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات علوم جدیدہ وقدیمہ کی سنگم اور ظاہری اور باطنی جامعیت کا منبع نظر آتی ہے، مفتی ظفر احمد قادری بدایونی آپ کے وفور علم اور جلالت شان کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ کے مبارک سینے میں علوم وفنون کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا، مناظرہ میں امام المناظرین، گفتگو میں سید المتکلمین، تحریر وتقریر کے مانے ہوئے بادشاہ اور قادر الکلام تھے، ایک ہی موضوع پر مختلف عنوانات اور متعدد پیرائے سے بیان آپ کے لیے معمولی بات تھی۔ قوت حافظہ کا یہ عالم کہ آٹھ نو سال کی عمر شریف میں آپ نے قرآن پاک حفظ کرلیا تھا۔ جب مدارس عربیہ کے طلبا کے امتحان لیتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسند تدریس کے بادشاہ ہیں، دورۂ حدیث شریف کا

امتحان لیتے تو احادیث نبویہ خود سناتے کہ حافظ حدیث کا گمان ہوتا تھا۔''

(اہل سنت کی آواز، شمارہ ۶، اکتوبر، ۱۹۹۹ء ص: ۲۳۲، بحوالہ آہ سید العلماء بدر الفضلائ، ص: ۸)

تحدیث نعمت کے طور پر ایک جگہ خود ہی فرماتے ہیں:

''درس وتدریس سے میرا کوئی خاص تعلق نہیں لیکن اس عمر میں عربی گرامر اس طرح پر نقش ہیں کہ کوئی جب چاہے دریافت کرسکتا ہے۔''

(سیدین نمبر، ص: ۵۲۶، بہ حوالہ: ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی، نومبر ۱۹۷۴ئ، ص: ۳۳)

فتویٰ نویسی:

حضور سید میاں قدس سرہ کے علمی تبحر اور جلالت فن کا مشاہدہ آپ کے تحریر کردہ فتاویٰ اور کتب ومقالات میں کیا جاسکتا ہے بالخصوص ''اہل سنت کی آواز'' اور ''ملفوظات مشائخ مارہرہ'' میں شامل شدہ علمی اور ٹھوس مضامین کو ضرور مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے جن کا مطالعہ آج بھی دوررس نتائج کا حامل ہے۔ آپ کو فقہ وافتا میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ جزئیات فقہ پر کامل عبور رکھتے ہوئے جب کوئی محققانہ فتویٰ تحریر فرماتے تو اس کے استناد میں ذرہ بھر شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہتی، آپ کا قول قول فیصل مانا جاتا بلکہ آپ کے فتاویٰ ممبئ ہائی کورٹ تک میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ شہزادۂ سید العلماء حضور نظمی میاں مارہروی آپ کی فتویٰ نویسی سے متعلق رقم طراز ہیں:

''سید میاں نے فتویٰ نویسی میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سنت پر عمل کیا، وہ جب تک مسئلے کی گہرائی کو نہ سمجھ لیتے اس وقت تک کوئی حکم نہ لگاتے۔'' (سیدین نمبر، ص: ۵۱۳)

ایک دوسرے مقام پر آپ کی فقہی بصیرت وژرف نگاہی کا انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سید العلماء نے ہزاروں فتاویٰ قلم بند کیے، آج کے مفتیان کرام اپنے فتوؤں کی نقلیں تیار کرکے رکھتے ہیں تاکہ زندگی کے کسی موڑ پر فتاویٰ کے مجموعے شائع کرسکیں مگر سید میاں نے کبھی اس طرف توجہ نہیں دی، اگرچہ ان کے میراث کے فتوے ممبئ ہائی کورٹ تک میں تسلیم کیے جاتے تھے۔ سید میاں کے کاغذات میں بہت کم فتوؤں کی نقلیں ملیں۔'' (اہل سنت کی آواز، شمارہ ۶، اکتوبر ۱۹۹۹ء

ص:۳۵)

استاد گرامی محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب قبلہ نے حضور سید العلماء کی فتویٰ نویسی پر آپ کے چند مختصر اور تفصیل فتاویٰ کی روشنی میں قریب ۳۰ر صفحات مفصلاً میں گفتگو کی ہے۔ ملاحظہ ہو (سال نامہ اہل سنت کی آواز، خصوصی شمارہ، اکابر مارہرہ مطہرہ (حصہ دوم) ص:۴۶۶ تا ۴۹۵)

تصنیف وتالیف:

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''مارہرہ کے قیام کے دوران آپ نے متعدد کتابیں لکھیں۔ انہی ایام میں مارہرہ شریف سے ماہانہ رسالہ ’اہل سنت کی آواز‘ جاری فرمایا جس میں انتہائی اہم مفید مضامین لکھتے رہے۔''

(سیدین نمبر، ص:۴۶۶)

حضور سید العلماء سید آل مصطفی قادری مارہروی علیہ الرحمہ کی بے پناہ مصروف زندگی نے انہیں اتنا موقع نہ دیا کہ پوری توجہ تصنیف وتالیف کی جانب کر پاتے، آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی صدارت، جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت وخطابت، دوروں کی کثرت، اور دیگر مسائل اس قدر زیادہ تھے کہ تحریر وقلم کے میدان کو زیادہ مالا مال نہ کر سکے لیکن جتنا بھی لکھا وہ اپنے کیف وکم ہر دو اعتبار سے انتہائی جامع اور وقیع تسلیم کیا جاتا ہے، آپ کے تحریر کردہ مضامین ومقالات اور چند قلمی نگارشات جو یادگار ہیں ان سے آپ کی تحریری مہارت اور جودت فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر محمد ارشاد ساحلؔ شہ سرامی لکھتے ہیں:

''حضرت سید العلماء قدس سرہ کو نثر ونظم، تقریر وتحریر کے اصناف سخن پر یکساں دسترس حاصل تھی۔ لیکن قدرت نے خدمت اسلام کا کام آپ کی لسانی خوبیوں سے زیادہ لیا۔''

آگے مزید رقم طراز ہیں:

''لیکن آپ کی جو بھی قلمی یادگاریں ہیں ان سے آپ کی تحریری مہارت، زبان وبیان پر

پوری دسترس، قلم کی برق رفتاری، زبان کی سلاست، فکر کی جولانی، اسلوب کا اچھوتا پن اور نثر ونظم کی اعلیٰ خوبیوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔'' (اہل سنت کی آواز، اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۲۳۳)

اس کے بعد ساحل صاحب نے نو صفحات میں آپ کی مستقل تین تصنیف (۱) فیض تنبیہ (۲) نئی روشنی (۳) مقدس خاتون اور ایک خطبۂ صدارت پر وقیع تبصرہ وتجزیہ پیش کیا ہے اور اخیر میں آپ کے چند علمی مضامین کی نشان دہی کی ہے۔

ذوق شعر وادب:

حضور سید العلماء قدس سرہ کا ذوق شعر وسخن بھی بڑا ستھرا، نکھرا اور پاکیزہ تھا، آپ فن ادب اور نعت گوئی میں کامل مہارت رکھتے تھے اور زبان دانی کے عظیم جوہر سے مالا مال تھے، آپ کا اردو کلام اہل سنت کی آواز کے مختلف شماروں میں شائع ہوتا رہتا تھا۔ حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ کے مرتب کردہ رسالہ ''مدائح مرشد'' میں بھی آپ کی متعدد منقبتیں شامل ہیں۔ سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی لکھتے ہیں:

''حضور سید العلماء سید شاہ آل مصطفی سید میاں علیہ الرحمہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ مرزا داغ دہلوی مرحوم کے شاگرد رشید اور فرزند معنوی سید شاہ احسنؔ مارہروی کے تلامذہ میں سے تھے۔ سید میاں نے بہت کم سنی میں شاعری شروع کر دی تھی۔ بہار یہ شاعری کا الگ انداز تھا اور نعتیہ شاعری کے تیور کچھ اور۔ سیدؔ تخلص فرماتے تھے۔ ایک دیوان بھی ترتیب دے رکھا تھا مگر وہ شعری بیاض سفر پاکستان کے دوران سامان کے گم ہو جانے کے ساتھ ضائع ہو گئی اور ہم اردو والے ایک روایت سے محروم ہو گئے۔'' (سیدین نمبر، ص:۵۰۰)

ان کے اشعار کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان میں وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں جو کسی اچھے شعر کا طرۂ امتیاز ہیں، برجستگی، روانی، تغزل، شعریت، نغمگی، شوخی سب کچھ نظر آتا ہے، غزلیں ہوں، یا نعت ومنقبت کے اشعار ان کا رنگ وآہنگ الگ ہی تاثر دیتا ہے۔ ذرا یہ شعر دیکھیں:

ہوتا تھا جس کو پیر خرابات میکدہ

اس کو رہین جبہ ودستار کردیا

خیال یار نے بستر لگایا قلب مضطر میں

یہ مہمان عزیز اترا ہے کس اجڑے ہوئے گھر میں

نعت کے چند اشعار بھی پڑھ لیں:

خدا نے خود تمہیں ایسا سنوارا یارسول اللہ

نہیں ممکن کوئی ثانی تمہارا یارسول اللہ

اور اس نعت کا یہ مقطع تو زبان زد خاص وعام ہو چکا ہے:

کسی کی جے وجے ہم کیوں پکاریں کیا غرض ہم کو

ہمیں کافی ہے سیدؔ اپنا نعرہ یارسول اللہ

ان کے علاوہ امام حسین سید الشہداء، خواجۂ اجمیری، نوری میاں اور امام احمد رضا علیہم الرحمہ کی شان میں لکھی گئی منقبتیں تو بڑی دھوم سے مذہبی مجالس میلاد میں پڑھی جاتی ہیں۔ بس ایک شعر امام عالی مقام کی شان میں:

تمہارے سجدے کو کعبہ سلام کہتا ہے

جلال قبۂ خضرا سلام کہتا ہے

بحث ومناظرہ:

مذکورہ تمام خوبیوں کے ساتھ حضور سید العلماء علیہ الرحمہ ایک باکمال اور بلند پایہ مناظر تھے۔ اپنی تقریر میں بدمذہبوں کا ردو تعاقب تو کرتے ہی تھے باقاعدہ تحریری طور پر بھی ان کا تعاقب فرمایا اور بدمذہبوں کے ایوان میں زلزلہ برپا کردیا تھا۔ آپ کے ایک تحریری مناظرے کی روداد وتفصیل "اہل سنت کی آواز" اکتوبر ۱۹۹۹ء کے شمارے میں صفحہ ۳۴ر پر دی گئی ہے جس کے مطالعے سے آپ کی

مناظرانہ شان نمایاں نظر آتی ہے، جس کے آغاز میں آپ کے بلند اقبال فرزند سید نظمی میاں لکھتے ہیں:

"حضور والد ماجد سرکار سید میاں علیہ الرحمہ نے بمبئی کے قیام کے ابتدائی دور میں وہابیت سے کافی مچیٹے لیے۔ بھیونڈی کا مناظرہ ایسی ہی ایک اہم کڑی تھی، ان دنوں وہابی لابی کا ایک سرگرم رکن مولوی محمد یونس نگھیر وی بمبئی کی سرزمین پر بڑا فعال تھا اور چاہتا تھا کہ بمبئی کے سنی عوام کو اپنے مکر وفریب سے صراط مستقیم سے بہکا دے اور شیطان کی راہ پر لگا دے۔ حضور سید میاں نے ابھی نہیں تو کبھی نہیں، یہ سوچ کر یونس نگھیر وی کا تعاقب کیا اور جھوٹے کو جھوٹے کے گھر تک پہنچا کر دم لیا۔ ایک دن یوں ہی میں ابا حضور کے کاغذات کو دیکھ رہا تھا کہ ان میں یونس نگھیر وی سے متعلق خط وکتابت نظر آئی، ابا حضرت نے جس طرح اس کا پیچھا کیا اسے آپ بھی پڑھ لیں۔"

(اہل سنت کی آواز، شمارہ ۶، ص:۳۵، اکتوبر، ۱۹۹۹ئ)

سید نظمی میاں کا یہ تفصیلی مقالہ "حضور سید العلمائ۔ مناظر بے نظیر" کے عنوان سے ۶۳ رصفحات میں شائع ہوا ہے، جس کے اخیر میں ایک تمثیلی مناظرہ بھی درج ہے جو حضور سید العلماء کی کتاب "مقدس خاتون" سے ماخوذ ہے جو انتہائی علمی رنگ لیے ہوئے ہے، اس کے مطالعہ کے بعد حق صداقت اور باطل بطلان آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہوجاتا ہے اور جس سے حضور سید العلماء کی مناظرانہ شان تابان ودرخشاں ہوجاتی ہے۔ یہی مقالہ بعد میں سید ین نمبر میں بھی شامل کیا گیا جو مذکورہ نمبر کے صفحہ ۵۹۷ تا ۶۴۶ پر پھیلا ہوا ہے اور قارئین کو دعوت مطالعہ پیش کر رہا ہے۔

امام احمد رضا سے عشق ومحبت:

مجدد اعظم، فقیہ اسلام، امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ تو چشم وچراغ خاندان برکات ہیں اور مارہرہ مطہرہ امام احمد رضا کا پیر خانہ ہے، ساتھ ہی امام احمد رضا قدس سرہ نے دین متین اور مسلک حقہ کی جس ذمہ داری کے ساتھ ترجمانی کی اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسی بیش بہا پونجی کا زندگی بھر تحفظ کرتے رہے۔ ایسے ان گنت کمالات وروابط نے حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا سچا شیدا بنا دیا تھا اور آپ کے دل میں امام عشق ومحبت کی پاکیزہ عقیدت اتنی رچ

بس گئی تھی کہ ان کے خلاف ذرا بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے، سید نظمی میاں مارہروی رقم طراز ہیں:

’’سید میاں مارہرہ مطہرہ کے اس مقدس خانوادے کے فرد تھے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کا پیر خانہ تھا۔ اتنا ہی نہیں، وہ اس گدی کے وارث تھے جس سے ارادت ووابستگی امام احمد رضا اپنے لیے دنیا وآخرت کی سب سے بڑی نعمت سمجھتے تھے۔ سید میاں نے امام احمد رضا کا پیرزادہ ہونے کا احق ادا کر دیا۔ انہوں نے دنیا کو ایک جاندار نعرہ دیا ؎

یا الٰہی مسلک احمد رضا خاں زندہ باد
حفظ ناموس رسالت کا جو ذمہ دار ہے

(سیدین نمبر،ص:۵۰۴،۵۰۵)

شہزادۂ صدر الشریعہ علامہ ضیاء المصطفیٰ امجدی دام ظلہ رقم طراز ہیں:

’’حضور سید العلماء کو اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت سے بہت والہانہ لگاؤ تھا، جب آپ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ذکر فرماتے تو انداز بیان اس قدر مؤثر اور رقت انگیز ہوتا کہ آنکھیں اشکبار ہوجاتیں۔‘‘ (سیدین نمبر،ص:۳۴)

امام احمد رضا کا نام آتے ہی سید میاں بے قرار ہوجاتے اور اگر کہیں ان کی مخالفت سامنے آتی تو پوری جواں مردی کے ساتھ اس کے خلاف سینہ سپر ہوجاتے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے سید میاں علیہ الرحمہ کی والہانہ محبت کا ثبوت آپ کا وہ رسالہ ہے جو ’’فیض تنبیہ‘‘ کے تاریخی نام سے ۱۹۷۴ء میں دار الاشاعت برکاتی مارہرہ سے شائع ہوا جس میں امام احمد رضا کے قصیدہ معراجیہ پر کی گئی تنقید کا وافی وشافی جواب دیا گیا ہے۔ اور اس قصیدے پر کی گئی گرفت کا سخت محاسبہ کیا گیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

امام احمد رضا کے مشن کو عام کرنے میں سید میاں علیہ الرحمہ نے زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف کر دیا تھا، انہوں نے اپنی پوری حیات مستعار مسلک برکاتیت کے نقیب اور مسلک رضا کے علم بردار کی حیثیت سے گزار دی، شہزادۂ امام احمد رضا حضور مفتی اعظم ہند علامہ شاہ محمد مصطفی رضا نوری علیہ الرحمہ

سے بھی سید میاں کو بے حد گہرا لگاؤ تھا اور دونوں بزرگوں میں ایک دوسرے کا حد درجہ احترام وادب باقی رہا، آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے سلسلے میں دونوں حضرات ایک دوسرے کے اور بھی قریب آ گئے اور جماعت کا کام کرتے ہوئے دونوں ایک دوسرے کے رفقائے کار بن گئے، بہ قول نظمی میاں:

’’حضور مفتی اعظم ہند کا یہ معمول رہا کہ آخری فیصلہ سید میاں کا ہی مانتے تھے۔‘‘

(سیدین نمبر،ص:۵۰۵)

ما قبل کی سطور میں گزرا کہ چند وجوہات کی بنیاد پر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی صدارت سے سید میاں کا استعفا دینا اور مفتی اعظم ہند کا بریلی سے بمبئی آکر استعفا واپس لینے پر مجبور کرنا اسی محبت ووارفتگی کا ثبوت تھا۔ ان دونوں بزرگوں میں خط وکتابت کا سلسلہ عرصۂ دراز سے قائم تھا، اسی پس منظر میں سید نظمی میاں مارہروی کے دو اشعار پڑھ لیں:

مفتی اعظم جنہیں خط میں لکھیں یا سیدی
ہاں وہی فخر سیادت حضرت سید میاں
مفتی اعظم سے پوچھا آپ کا پیارا ہے کون
آ گیا ان کی زباں پر برملا سید میاں

احترام علما ومشائخ:

خانوادۂ برکاتیہ کے مشائخ کرام اور سجادہ نشینان کی دیرینہ روایت رہی ہے کہ وہ علمائے اہل سنت کا بے حد احترام کرتے ہیں اور انہیں دل کے نہاں خانے میں جگہ دیتے ہیں، اعراس کے مواقع پر بھی یہ منظر خوب دیکھنے کو ملتا ہے۔ حضور سید العلماء قدس سرہ کو احترام علما کا یہ بیش قیمت جوہر وافر مقدار میں عطا ہوا تھا آپ اپنے معاصر علمائے اہل سنت ومشائخ طریقت کا حد درجہ ادب واکرام کرتے تھے، حضور مفتی اعظم سے متعلق اوپر کی سطور پر اجمالاً روشنی ڈالی جا چکی ہے، استاد محترم حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ سے سید میاں قدس سرہ غایت درجہ عقیدت ومحبت فرماتے اور ادب واحترام سے آپ کا ذکر فرماتے، اس ضمن میں حضرت مولانا عابد حسین مصباحی لکھتے ہیں:

''۴؍ذوالحجہ ۱۵ھ کو مولانا مبین الہدیٰ صاحب نورانی خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند نے ایک ملاقات پر راقم سے یہ واقعہ بیان فرمایا: کہ ایک مرتبہ سید العلماء حضرت سید آل مصطفی مارہروی قدس سرہ بیت الانوار ایک جلسہ کی بابت تشریف لائے، خواص وعوام کی ایک مجلس میں حضرت صدر الشریعہ کا تذکرہ چھڑ گیا تو حضرت سید العلماء نے برجستہ فرمایا کہ ''حضرت صدر الشریعہ کا وہ مقام ہے کہ اگر آپ کی جوتیاں مجھے مل جائیں تو میں اپنے سر پر رکھنے کو باعث فخر وانبساط سمجھوں گا اور انہیں سر پر لیے گھومتا رہوں گا۔''

ترے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

(ماہ نامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء ص: ۱۹۲، ۱۹۳)

سید العلماء سید آل مصطفی مارہروی حضور صدر الشریعہ کی مجسم کرامت کا نام ہیں جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی اور سید میاں علیہ الرحمہ کے مابین قلبی روابط اور دینی تعلقات کو بھی اس خصوص میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ جس کا واضح ثبوت ۶؍مئی ۱۹۷۲ء میں الجامعۃ الاشرفیہ کے سنگ بنیاد کے موقع پر کل ہند تعلیمی کانفرنس میں حضور سید میاں کا مفتی اعظم ہند کے ساتھ شرکت، خطبہ صدارت اور تعاون کا وعدہ آج بھی اشرفیہ کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے، سید میاں کے چھوٹے بھائی احسن العلماء سید شاہ مصطفی حیدر احسن مارہروی قدس سرہ کے روابط اور دونوں بزرگ بھائیوں کے تعلقات اور گہری قلبی وابستگی کے گواہ آج بھی سیکڑوں لوگ زندہ مل جائیں گے اس سلسلے میں شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی اور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ امجدی کے تاثرات بھی اہمیت کے حامل ہیں۔

خطابت کی منفرد آواز:

تبلیغ دین کے کارآمد ذرائع میں تحریر وقلم اور تدریس وافتا کے ساتھ تقریر وخطابت کی افادیت وضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، یہ بڑا منظم اور انتہائی مفید فن ہے، اس فن کو انتہائی آسان اور بے حد

منافع بخش تصور کرلیا گیا ہے، آسان ضرور ہے لیکن اس کے لیے جو اس فن کو پیشہ بنالے اور یہی اس کا ذریعۂ معاش ہو لیکن جو تقریر وخطابت کو اشاعت مذہب حق کا مؤثر وسیلہ گردانتا ہو اور حقائق ومعرفت سے لبریز اور اخلاص وجذبۂ دروں سے ہم آہنگ خطبات پیش کرتا ہو اس کے مشکل اور دقت طلب ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا، یہ میدان انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مرغوب میدان رہا ہے، ان کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے الفاظ ہیرے اور جواہرات ہیں، ان کا اثر براہ راست دل پر ہوتا تھا اور دل کی دنیا زیر وزبر ہونے لگتی تھی۔ حضور سید العلماء سید آل مصطفی قادری مارہروی قدس سرہ نے بھی اس میدان کو چنا اور یہ عظیم فن اختیار کیا تو اس لیے نہیں کہ وہ دور دور تک مشہور ہوجائیں اور ان کا سکہ دلوں پر قائم ہو اور نذرانوں سے جیب وزنی ہوجائے بلکہ آپ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ آپ کی خطابت دین وسنیت کے لیے وقف تھی، کبھی بھی اس فن کو حصول زر اور دنیا طلبی کا ذریعہ نہ بنایا، آپ اپنے اس اصول پر تاحیات قائم رہے۔ اللہ عزوجل نے آپ کو جو جوہر خطابت اور حسن تقریر عنایت فرمایا تھا اسے آج بھی لوگ یاد کرتے ہیں تو آبدیدہ ہوجاتے ہیں، دل ودماغ عش عش کرنے لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ براہ راست جن ساعتوں نے آپ کی خطابت کی لذت پائی ہے اور آپ کی تقریر کی حلاوت جن کانوں میں آج بھی رس گھول رہی ہے ان کے چند تاثرات پیش کردوں جس کو پڑھ کر قارئین خود اندازہ لگاسکیں گے کہ خطابت کی اس منفرد آواز میں کتنا دم خم تھا۔

تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری قدس سرہ نے ''زمانۂ قدیم میں عرس قاسمی کی تقریبات'' میں حضور سید العلماء کی ایک تقریر ''تفسیر سورۂ فاتحہ'' (یہ تقریر اس مجموعے میں شامل ہے) پر درج ذیل تبصرہ فرمایا ہے:

''مولانا عبد السلام صاحب کے بیان کے بعد مولانا حافظ قاری حکیم سید شاہ آل مصطفی میاں صاحب سلمہ نے سورۂ فاتحہ مبارکہ کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے اتباع شریعت مطہرہ اور صورۃً سیرۃً، ظاہر وباطن میں سچی کامل اطاعت وغلامی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام جہاں وجہانیاں سے زائد حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محبوب رکھنے کی ضرورت واہمیت بتائی اور روشن کیا کہ جو آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سچا پکا فرماں بردار محب ومخلص غلام ہے وہ اپنے آقائے کریم

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دشمنوں، معاندوں، تمام اگلے اور پچھلے کفار ومشرکین مرتدین ومبتدعین سے حتی الوسع قطعاً دور ونفور رہتا ہے۔ جو ایک طرف سردار دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی محبت وغلامی کا دعویٰ کرے دوسری طرف ان کے دشمنوں، مخالفوں، معاندوں کی مدح وتعریف کے گیت گائے، ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا، رہبر ورہنما، محبوب قائد اعظم اور بڑا پرہیزگار، روح اعظم وغیرہ وغیرہ بڑے القاب وخطاب سے سراہے، ان سے گھال میل، الفت ومحبت رکھے وہ ضرور اپنے دعویِ ایمان اور غلامی ومحبت آقائے دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جھوٹا اور کھوٹا ہے۔''

(اہل سنت کی آواز، مارہرہ مطہرہ، خصوصی شمارہ اکابر مارہرہ نمبر، حصہ سوم، ۲۰۱۱ء ص:۱۹۹)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

''حضرت سید العلماء قدس سرہ خطابت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، دلکش، بلند آواز، ساحرانہ طرز بیان، نکات ودقائق سے بھرپور تقریر ایسی کہ گھنٹوں سنتے رہیے، مگر جی نہ بھرے، بمبئی میں ایام محرم میں وعظ کی سیکڑوں مجالس منعقد ہوتیں، لیکن ہمیشہ سب سے زیادہ مجمع حضرت سید العلماء کی محفل میں ہوتا تھا، ویسے تو حضرت بہت نحیف ونازک نظر آتے تھے لیکن تقریر کے وقت ہمیشہ جوان معلوم ہوتے تھے۔ پانچ پانچ گھنٹے مسلسل وعظ فرماتے مگر ذرا بھی تکان کا نام نہ ہوتا، نہ کبھی حضرت کی آواز بیٹھتی، یکساں مسلسل تقریر فرماتے اور کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ صبح نماز فجر تک وعظ ہوتا رہتا اور لاکھوں لاکھ کا مجمع محویت کے ساتھ سنتا رہتا، ذکر شہادت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔''

(سیدین نمبر، ماہ نامہ اشرفیہ، ۲۰۰۲ء ص:۴۶۷)

ایک دوسرے مقام پر شارح بخاری مزید فرماتے ہیں:

''تقریر وخطابت کے سلسلے میں دنیا ان کا لوہا مانتی تھی، کوئی بھی موضوع ہو، کتنا ہی خشک ہو، اس کو بلا تکلف ایسی شگفتگی کے ساتھ بیان فرماتے کہ بے پڑھے لکھے عوام پر بھی بار نہ ہوتا تھا۔''

(کتابچہ، حضور سید العلمائی، ص:۱۳)

شہزادۂ سید العلماء سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی لکھتے ہیں:

''سید میاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے کبھی تقریر سے پہلے تیاری نہیں کی۔ کیسا ہی موقع ہو، کیسا ہی ماحول ہو، کیسا ہی موضوع ہو، سید میاں موقع ومحل کے اعتبار سے اپنا موضوع طے کرتے اور بیان کرنے لگتے، نپے تلے الفاظ، مسحور کن پیرایہ، قرآن وحدیث اور اقوال اسلاف سے حوالہ جات، سید میاں کی تقریروں کی خصوصیت تھی۔'' (سیدین نمبر، ص:۵۰۳)

مفتی مظفر احمد قادری بدایونی تحریر فرماتے ہیں:

''اس فرزند رسول اللہ میں بیک وقت شجاعت حیدری، سیادت حسنی، اور شہادت حسینی سب ہی چیز جمع تھی، اس مرد خدا کو دین وملت کی خدمات میں نہ دن کو چین آتا نہ رات کو آرام۔

سرکار سید العلماء سید الحکماء قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات سے کون واقف نہیں ہے۔ کون نہیں جانتا کہ خطابت وبلاغت کا یہ شہ سوار جس وقت منبر پر رونق افروز ہوتا تو زمین کی خوش بختی پر آسمان کے تاروں کو بھی رشک ہوتا۔ زور بیانی پر جس وقت اتر جاتا تو فارابی وارسطو کے ماتھے پر بھی پسینہ آجاتا۔ خاموشی میں تکلم کی حلاوت، الفاظ دل نشیں، خوب صورت وبارعب چہرہ، کشادہ پیشانی، موزوں قامت، چھریرا بدن، حاضر جوابی ایسی کہ ہزاروں لاکھوں کے مجمع پر کنٹرول کر لینا ان کا ادنیٰ کام تھا، آپ کی ایک آواز پر حاضرین گوش برآواز ہوجاتے تھے۔''

(اہل سنت کی آواز، ۱۹۹۹ء ص:۲۳۱، ۲۳۲)

خطیب البراہین حضرت علامہ صوفی محمد نظام الدین خلیفۂ حضور احسن العلماء لکھتے ہیں:

''رئیس الخطباء، مقتدائے اہل سنت حضور سید العلماء کی ذات گوناگوں خوبیوں کی مالک تھی۔ آپ اعلیٰ درجے کے خطیب، بہترین نثر نگار اور خوش فکر شاعر بھی تھے۔ آپ کی خطابت کی پورے ملک میں دھوم تھی۔'' (سیدین نمبر، ص:۳۶۸)

شہزادۂ حضور صدر الشریعہ محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ امجدی رقم طراز ہیں:

''حضور سید العلماء ایک بلند پایہ فکر انگیز خطیب، معاصرین علما میں بے مثال مفکر، طبیب حاذق، زاہد شب زندہ دار، نخبۃ الصوفیہ، قادر الکلام شاعر اور نقاد بھی تھے، جماعتی شیرازہ بندی کے

ماہر، شکل وصورت دلوں کوموہ لینے والی، آواز میں گھن گرج، بہت خوش مزاج، مگر شخصیت سے ہیبت حق کا جلوہ نمایاں، دنیا سے بے نیاز اور اصول کے پابند تھے، جب تک آپ بمبئی میں قیام پذیر رہے کسی بدمذہب کو پر مارنے کی بھی مجال نہ ہوئی۔" (سیدین نمبر، ص:۳۴)

حضرت علامہ بدرالقادری مصباحی ارقام فرماتے ہیں:

"حضرت سیدالعلماء سیدالخطباء اور امام المقررین تھے۔ ان کے خطبوں اور تقریروں کے آہنگ پر ایک زمانے میں شہر ممبئی کی فضائیں بدلا کرتی تھیں۔ وہ سید برکاتیت جب حق کی للکار کے لیے گرجتا تھا تو سیاست کے ایوان میں زلزلہ آجاتا تھا۔" (سیدین نمبر، ص:۶۶۱)

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی لکھتے ہیں:

"حضور سیدالعلماء کو تاریخ پر بڑا عبور حاصل تھا۔ آپ کی تقریریں بڑی پُرجوش ہوتی تھیں، کبھی کبھی آپ مقفع و مسجع تقریر بھی کرتے تھے، محرم الحرام کی دس گیارہ روزہ تقریریں تو یادگار تقاریر ہوا کرتی تھیں۔ شب عاشورہ کی تقریر خصوصیت کے ساتھ بہت ہی معلوماتی، اصلاحی، پرجوش اور ساتھ ہی ساتھ رقت آمیز ہوتی تھی۔ راقم نے آپ کی بمبئی کی تقریروں کی کیسٹیں سنی ہیں اور استقامت ڈائجسٹ کان پور کے شہید اعظم نمبر میں شب عاشورہ کی جو تقریر پڑھی ہے وہ ایک یادگار اور تاریخی تقریر ہے اور آج کے لفاظ مقررین اس تقریر سے کئی تقریریں تیار کر سکتے ہیں، البتہ وہ قابلیت، انداز، لب لہجہ اور جذبہ صادق کہاں سے لائیں گے۔" (حوالہ سابق، ص:۳۸۳)

مولانا بشیر احمد بشیر القادری لکھتے ہیں:

"(حضور سیدالعلماء نے) اپنے زور خطابت سے بمبئی جیسے عظیم شہر کو ایسا مسخر کر دیا کہ اپنے تو اپنے غیروں نے بھی اعتراف کیا کہ سیدالعلماء کا بمبئی شہر میں وہ وقار و اقتدار ہے کہ بمبئی کے سنی مسلمانوں کو جدھر چاہیں جھکا دیں، ان کے دلوں پر قبضہ تھا۔"

آگے مزید ایک تاریخی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ایک بار شب عاشورہ میں چھ گھنٹے ذکر شہادت بیان فرمایا، بمبئی شہر کی چہل پہل، ٹرافک، گلی کوچہ سب جام تھے، مجمع کا یہ عالم تھا کہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آرہا تھا، شہادت اکبر پر جو بیان فرمایا کہ سارا مجمع آہ و نالے بھر رہا تھا، رقت کا یہ عالم تھا کہ سامعین کے آنسوؤں سے دامن تر تھے اور کتنے سکتہ و بے ہوشی میں اٹھائے گئے۔" (حوالہ سابق، ص:۵۷۶)

مندرجہ بالا تاثرات اور وضاحتوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضور سیدالعلماء کو فن خطابت پر کامل عبور حاصل تھا۔ وہ میدان تقریر کے بادشاہ تھے، ان کے تمام کمالات و جواہر میں تقریر و خطابت کا جوہر کھل کر نمایاں ہوتا تھا، اور دلوں کو مسحور کر لیتا تھا، جذبات و کیفیات قلبی کو نئے رنگ و آہنگ سے آشنا کرتا تھا اور اپنی فتح و نصرت کا علم بند کرتا تھا، اس میں آپ کی خداداد صلاحیتوں، روحانی امانتوں، علمی بصیرتوں، تاریخی حوالوں اور زبان و بیان، انداز تکلم اور لب و لہجے کی انفرادیت سب کو دخل تھا جو انہیں یقیناً "سیدالخطبائی" کے منصب پر فائز کرتا ہے۔

کشف وکرامت:

کشف وکرامت، اللہ رب العزت کی جانب سے اپنے محبوب اور مخصوص بندوں کے لیے خاص عطیہ ہے، اللہ نے اس عطیۂ بیش بہا سے حضرت سیدالعلما کو بھی مالا مال کیا تھا۔ آپ کے دفتر فضیلت وکرمات سے چند ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔ حضرت شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

میں خود اپنی معلومات کی روشنی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت سیدالعلماء مستجاب الدعوات صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، خود میرے اوپر بارہا ایسی افتاد پڑی کہ میں پریشان ہو گیا۔ حضرت سید العلماء سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے دعا فرمائی دعا کے بعد بشارت بھی دے دی تمہاری مصیبت ٹل گئی اور پھر ویسا ہی ہوا۔

(۱) بلرام پور میں دیوبندیوں نے اپنے پیسے اور حکام رسی کے بل بوتے پر مجھ پر اور میرے احباب پر ایک جھوٹا کیس دائر کر دیا تھا، میں سخت پریشان تھا۔ عرس قاسمی میں حاضری ہوئی، دعا کی

درخواست کی، دعا فرمائی اور فرمایا: مفتی صاحب جاؤ اب آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا کچھ نہ ہوگا۔ سب جانتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا۔

(۲) کالپی شریف حاجی دین محمد صاحب کے صاحب زادے خفا ہو کر گھر سے چلے گئے تھے اور کئی دن سے لا پتہ تھے۔ رات کو بعد جلسہ حاجی دین محمد صاحب نے حضرت سید العلماء سے عرض کیا۔ حضور دعا فرمائیں وہ آجائے۔ حضرت سید العلماء نے فرمایا کہ صبح کی گاڑی سے آجائے گا۔ میں اس وقت وہاں حاضر تھا، صبح جب گاڑی کی سیٹی ہوئی، اورئی کے مولوی بشیر القادری صاحب موجود تھے، ان سے فرمایا: دروازہ کھولو دیکھو وہ آ گیا۔ انہوں نے دروازہ کھولا، دیکھا تو صاحب زادے دروازے پر کھڑے تھے۔ (کتابچہ، حضور سید العلماء، از: شارح بخاری، ص:۱۶، ۱۷)

(۳) مولانا بشیر احمد بشیر القادری اورئی بیان کرتے ہیں:

۱۹۵۶ء میں اورئی میں فرقہ وارانہ فساد ہو گیا۔ جس میں ہمارے اور مسلمانوں کے مکانات اور دکانیں جلا دی گئیں، سب کچھ لٹ گیا تھا، ہمارے ساتھیوں کو اور اورئی کے با اثر مسلمانوں کو پولس نے گھروں سے پکڑ پکڑ کر جیل میں بند کر دیا تھا، میری بھی پولس کو تلاش تھی۔ میں بمبئی چلا آیا، یہاں حضور سید العلماء رضی اللہ عنہ کی شہرت تھی وہ اپنے وقت کے عارف باللہ، درویش کامل، قطب زمن اور روشن ضمیر بزرگ تھے۔ ان کی کرامت کا خوب چرچا تھا۔ خادم اپنے دوست عبد القادر بابا کے ساتھ مسجد کھڑک نماز پڑھنے جاتا، سرکار کی خدمت میں اور مسجد کھڑک میں اپنا وقت گزارتا، قلب کو سکون ملتا۔ لیکن جب اورئی کی یاد آتی، کسی پولس والے کو دیکھتا، دل گھبرانے لگتا، چہرے پر پسینہ آجاتا، کئی بار دل میں آیا کہ اپنے حالات حضور سید العلماء کی بارگاہ میں عرض کروں مگر ہمت نہیں پڑتی، آخر دل پر جبر کر کے اٹھا اور سرکار سید العلماء کی دست بوسی و مصافحہ کیا، آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، حضور نے فرمایا: کیوں روئے، کیا بات ہے، غلام نے اپنا حال عرض کیا، فرمایا: بیٹے بشیر! گھبراؤ مت، اللہ پر بھروسہ رکھو، ہم نے تمہارا معاملہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں عرض کر دیا ہے، ان شاء

اللہ کچھ نہ ہوگا جاؤ۔ خادم سلام و قدم بوسی کے بعد واپس چلا آیا، مجھے ایسا لگا کہ جیسے میرے سر پر بوجھ تھا کسی نے اتار لیا، اسی وقت سے میرے دل میں ڈر، خوف ختم ہو گیا اور بمبئی میں اطمینان و سکون سے رہنے لگا۔ پولس والوں کے سامنے سینہ تان کر نکل جاتا، دل یہ کہتا اب ڈرنے کی کیا بات ہے۔ حضور سید العلماء رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ ہیں، ان کے کرم سے ہم محفوظ ہیں، ہمارا کچھ نہ ہوگا اور یہی ہوا، تقریباً چھ ماہ بعد اورئی سے اطلاع ملی کہ تمہارا نام پولس نے جانچ میں خارج کر دیا ہے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے سید العلماء کی، میرے آقا! تمہارے کرم کا کیا کہنا جو فرمایا وہ ہو کر رہا۔

(سیدین نمبر، ص:۵۷۸، تا ۵۸۰، ملخصاً)

(۴) مولانا بشیر القادری اروئی رقم طراز ہیں:

دوسری بار حضور سید العلما رحمۃ اللہ علیہ جب ۱۹۶۶ء میں اروئی تشریف لائے دار العلوم برکات محمدیہ کا سالانہ جلسہ تھا۔ چیت کی فصل کٹ رہی تھی۔ باہر کے مہمانوں کے آنے کی امید کم تھی۔ لہٰذا کھانا کم بنوایا تھا مگر مہمان بکثرت آ گئے۔ میں بہت پریشان تھا کہ اب کیا ہوگا؟ میری پریشانی کو دیکھ کر حضور نے فرمایا بیٹا بشیر! کیا بات ہے عرض کیا سرکار مہمان زیادہ ہیں کھانا کم بنوایا ہے۔ جلسہ کا وقت شروع ہونے کا ہے۔ اتنی جلدی کھانا بن نہیں سکتا، سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کیا کروں؟ فرمایا گھبرانے کی کیا بات ہے، جاؤ کھانے پر چادر ڈال دو، دیکھنا مت۔ کھانا کھلانا شروع کر دو، خادم نے کھانا کھلانا شروع کر دیا، واللہ سارے مہمان کھا گئے، ہم خوش خوش سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے حضور نے پوچھا سب مہمان کھا چکے، میں نے کہا جی۔ حضور نے فرمایا جاؤ چادر ہٹا کر دیکھو کتنا کھانا ہے اب ہم نے چادر اٹھا کر دیکھا تو آدھا کھانا موجود تھا خادم نے کل دس کلو گوشت اور بیس کلو آٹے کی روٹی بنوائی تھی جس میں تقریباً تین سو حضرات نے کھانا خوب سیر ہو کر کھایا اور آدھا بچ رہا۔ کیوں نہ ہو شاہ برکت اللہ کی برکتیں ہیں ان کے ہاتھ میں۔ (سیدین نمبر، ص:۵۸۶، ۵۸۷)

وفات حسرت آیات:

حضرت سید العلماء کی وفات یکم جولائی ۱۹۷۴ئ/ ۱۰/ اور ۱۱/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۴ھ کی درمیانی شب ۱۱/بج کر ۴۰/منٹ بروز دوشنبہ ہوئی۔ وصال کے وقت حضرت سید العلماء کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دام ظلہ العالی حضرت سید العلماء علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد حضرت سیدی مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا خاں علیہ الرحمہ اور حضور حافظ ملت کے قلوب پر ہونے والے گہرے صدمے کی کیفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

’’آپ کے وصال کی خبر سے پورے ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا۔ جب یہ اندوہ ناک خبر بذریعہ تار اشرفیہ پہنچی تو فوراً حضور حافظ ملت نے تعزیت و ایصال ثواب کا اجلاس طلب فرمایا اور مجھے اس سلسلہ میں تقریر کا حکم دیا۔ پھر حضرت نے عالم رقت میں فرمایا: سید العلماء علیہ الرحمہ کا الجامعۃ الاشرفیہ پر بہت بڑا احسان ہے۔ حضور سیدی مفتی اعظم ہند قبلہ اس دور میں بستر علالت پر اکثر عالم محویت میں ہوتے، شاید آپ کو حضرت سید العلماء کی رحلت کی خبر شدت مرض کی بنیاد پر نہ دی گئی۔ ایک روز جب آپ کو باہر دارالافتا میں لایا گیا تو آپ کی نظر ایک پر شکوہ پوسٹر پر پڑی۔ عنوان تھا: ’’عرس چہلم سید العلمائ‘‘ آپ پر رقت طاری ہوگئی فرمایا: آہ! یہ بھی رحلت فرما گئے، اور فوراً فاتحہ خوانی فرمائی۔‘‘

(سیدین نمبر، ص: ۳۴، ۳۵)

یہ سوانحی تحریر حضور سید العلماء سید شاہ آل مصطفی قادری مارہروی قدس سرہ کی بلند پایہ ذات اور ہمہ جہت کارناموں کا اجمالی خاکہ پیش کرتی ہے ورنہ ان کی مثالی شخصیت اور دینی و علمی خدمات کو کما حقہ تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی کم از کم میری زبان و قلم میں طاقت نہیں ہے۔ لیکن اتنا ضرور عرض کریں گے کہ ؎

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

توفیق احسنؔ برکاتی (۲۲/ستمبر ۲۰۱۲ء-۵/ذوقعدہ ۱۴۳۳ھ شنبہ)



کچھ اس کتاب کے بارے میں



یہ سن دو ہزار دس کا ابتدائی کوئی مہینہ تھا جب راقم کو حضور سید العلماء سید شاہ آل مصطفی قادری مارہروی قدس سرہ کے خطبات پر مشتمل بزم برکات آل مصطفی ممبئی کے زیر اہتمام نکلی ہوئی ایک سی ڈی کیسیٹ محب گرامی محترم جناب ماسٹر معین الدین برکاتی کی عنایت سے ملی، سی ڈی کی پشت پر درج گراں قدر تقریروں کے موضوعات پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ان کی اہمیت و افادیت کس قدر ہے اور ان میں کتنا تنوع ہے۔ اشرفیہ مبارک پور کی تاریخ میں بریلی، مارہرہ، مفتی اعظم ہند، سید العلماء اور احسن العلماء کے نام سنہری حروف میں تحریر ہیں۔ جامعہ اشرفیہ میں دوران طالب علمی بار بار دل میں آرزو مچلتی تھی کہ بریلی اور مارہرہ کی زیارت کی جائے اور فیض یاب ہوا جائے۔ دو ہزار پانچ میں عرس قاسمی میں شرکت کا پروانہ مل گیا اس وقت تحقیق فی الفقہ کا سال اول چل رہا تھا، اشرفیہ کے دو موقر اساتذہ اور تین رفقا کے ہمراہ مبارک پور سے بریلی شریف اور وہاں سے مارہرہ مطہرہ کا یادگار سفر مکمل ہوا، دونوں درگاہوں پر حاضری ہوئی، دل باغ باغ ہوگیا، مارہرہ مطہرہ کی عرس قاسمی کی پاکیزہ تقریبات میں شرکت کے بعد میں نے جن چند بزرگوں کی تقریر کی کیسٹیں مارکیٹ سے خریدیں ان میں ممدوح گرامی حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کی تقریر کی کیسیٹ بھی شامل تھی، اس کے علاوہ شیرینی اور چند کتابیں تھیں۔ واپسی میں مارہرہ مقدسہ سے علی گڑھ اور

وہاں سے لکھنؤ اور پھر شاہ گنج، اعظم گڑھ سے سٹھیاؤں ریلوے اسٹیشن پر اترنا تھا۔ میرا، میرے ایک ساتھی اور ایک استاد کا سامان ایک ہی بیگ میں تھا، ٹرین جب شاہ گنج سے اعظم گڑھ کے لیے رات میں چلی تو برتھ پر بیٹھتے ہی ہم سب نیند کی آغوش میں چلے گئے اور جب بیدار ہوئے تو سامان سے بھرا ہوا وہ بیگ کوئی اچکا لے کر فرار ہو چکا تھا۔ ہمیں سامان کا غم کم تھا، افسوس ان تبرکات اور کیسیٹوں کا تھا جو بطور یادگار خرید کر ہم لا رہے تھے۔ جب پانچ برس گزرنے کے بعد سرزمین ممبئی میں حضور سید العلماء کی تقریروں پر مشتمل سی ڈی حاصل ہوئی تو خوشی کا ٹھکانا نہ رہا، اس وقت ہی میں نے ٹھان لیا تھا کہ ان خطبات کو سن کر تحریری شکل میں افادۂ عام کے لیے ضرور پیش کروں گا، اس خواہش کا اظہار جب ماسٹر معین الدین برکاتی اور محب گرامی مولانا مظہر حسین علیمی صاحبان سے کیا تو حوصلہ افزا باتیں سامنے آئیں، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ان کی سماعت کا کیا انتظام کیا جائے، اس کا حل یہ نکالا کہ ممبرا کے رہنے والے جامعہ غوثیہ نجم العلوم مرکزی ادارہ سنی دعوت اسلامی ممبئی کے ایک طالب علم مولوی عمران حنفی کو وہ سی ڈی اور اپنا موبائیل میموری کارڈ دے دیا کہ وہ سی ڈی کا پورا مواد میموری کارڈ میں منتقل کر دیں، خیر انہوں نے وہ اہم کام کر دیا، اب اپنے موبائیل سے ایئر فون کے ذریعہ ان تقریروں کو سن کر تحریری شکل دینا آسان ہو گیا۔ اب ضرورت تھی وقت نکالنے کی، نیرول، نئی ممبئی سے بذریعہ ٹرین ممبئی مدرسے میں تدریس کے لیے روزانہ بعد نماز فجر جا کر ظہر تک واپس آنا، مسجد کی امامت وخطابت اور دیگر مصروفیات سے وقت نکالنا انتہائی مشکل امر تھا لہٰذا اس کام کے لیے عصر کے بعد کا وقت متعین کیا، اگرچہ بزرگوں سے ”لا کتابۃ بعد العصر“ کا قول منقول ہے لیکن اس کے سوا کوئی چارا بھی تو نہ تھا، خیر چند مہینوں بعد اخیر اپریل ۲۰۱۰ء میں کام کا آغاز ہوا، پہلی تقریر ”عظمت اولیا“ ۴؍مئی ۲۰۱۰ء بروز منگل کو پوری ہوئی اور سب سے آخری تقریر ”محبت“ ۲؍اگست ۲۰۱۲ء بروز جمعرات ۱۳؍رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ کو پایۂ تکمیل کو پہنچی،

اس طرح کل دس تقریر صفحۂ قرطاس پر اتار لی گئیں جن کے اسمایہ ہیں: (۱) عظمت اولیا___ (۲) تفسیر سورۂ فاتحہ___ (۳) کربلا کا مسافر___ (۴) یوم عاشورہ کی فضیلت___ (۵) بے مثال بشر___ (۶) فتح مکہ___ (۷) میلاد مصطفی___ (۸) شہادت امام حسین___ (۹) واقعۂ معراج___ (۱۰) محبت___

اس سی ڈی میں ”سیرت خواجہ غریب نواز“ اور ”صلح حدیبیہ“ کے عنوان سے دو تقریریں اور تھیں لیکن ان دونوں کی تحریری شکل میں اشاعت ماہ نامہ اشرفیہ کے سیدین نمبر اور اہل سنت کی آواز کے گوشۂ غریب نواز میں ہو چکی تھی اس لیے انہیں دوبارہ سماعت کر کے لکھنا بیکار تھا، ”سیرت خواجہ غریب نواز“ والی تقریر کو مولانا محمد نعمان ازہری نے سماعت کر کے لکھا تھا جو خانقاہ برکاتیہ کے علمی ترجمان ”اہل سنت کی آواز“ شمارہ ۱۵؍نومبر ۲۰۰۸ء میں شامل کی گئی تھی اور ”صلح حدیبیہ“ کو مولانا شکیل الرحمن نظامی مصباحی نے ماہ نامہ اشرفیہ کے سیدین نمبر کے لیے مرتب کیا تھا، اس لیے ان کے شکریے کے ساتھ اس مجموعے میں شامل کی جا رہی ہے، ان کے علاوہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کان پور کے زیر اہتمام ۱۹۶۳ء میں منعقدہ تاریخی کانفرنس کے تیسرے اجلاس کی صدارت حضور سید العلماء نے فرمائی تھی اور خطبہ صدارت پیش فرمایا تھا، یہ خطبۂ صدارت کئی بار کتابی صورت میں چھپ چکا ہے۔ موضوع کتاب سے متعلق ہونے کی وجہ سے اسے بھی شامل کتاب کر لیا گیا ہے، اس طرح حضور سید العلماء قدس سرہ کے تیرہ خطبات کا یہ پہلا مجموعہ ”خطبات سید العلمائ“ کے نام سے منصۂ شہود پر آ رہا ہے، ابتدائے کتاب میں آپ کی ذات اور دینی وعلمی خدمات پر مشتمل ایک سوانحی تحریر بھی راقم الحروف نے اپنی بساط بھر لکھ کر شامل کر دی ہے تا کہ خطبات کے ساتھ صاحب خطبہ کی مثالی شخصیت سے قارئین کو آگاہی حاصل ہو۔ کسی تقریر کو سننا اور سن کر لکھنا کتنا مشکل کام ہے یہ وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو اس راہ پر خار سے

گزر چکے ہوں، کہیں آواز صاف نہیں ہوتی، کہیں سننے میں مشابہت، الفاظ کا خطرہ درپیش رہتا ہے، اور کہیں تقریر کا لب ولہجہ تحریر سے میل نہیں کھاتا کہیں خطیب ناتمام جملہ بول کر اپنے جسم کی حرکت اور انداز سے سامعین کو سمجھاتا ہے، یہ ساری دشواریاں اپنی جگہ پر مسلم ہیں۔ اس لیے ہم نے کہیں کہیں یہ جرأت کی ہے کہ اپنی طرف سے ان جملوں کو پورا کیا ہے، کہیں مترادفات کو حذف بھی کیا ہے، کہیں جملوں کا اضافہ بھی کیا ہے لیکن کوشش یہ کی ہے کہ اصل مفہوم میں فرق نہ آنے پائے اور خطیب جو کہنا چاہ رہا ہے قارئین اسے بخوبی سمجھ سکیں، اس کے علاوہ قرآنی آیات واحادیث کریمہ اور تاریخی واقعات کی حتی الوسیع تخریج بھی کر دی ہے اور کہیں کہیں ان کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے۔ تاکہ یہ خطبات ایک مستند تاریخی دستاویز بن جائیں اور اس کا مقام دیگر مجموعہائے خطبات سے منفرد وممتاز رہے۔

ارادہ تھا کہ خطبات سید العلماء کی انفرادیت، جامعیت، موضوعات، تنوع اور حسن ترتیب پر بالتفصیل تحریری مواد پیش کیا جائے گا لیکن وقت کی قلت اور صفحات کی تنگی کے پیش نظر اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا گیا ہے، قاری خود ہی فیصلہ کرلے گا کہ حضرت والا کے خطبات کا امتیازی نشان کیا ہے اور موجودہ دور میں بھی ان باتوں پر کتنا غور وخوض کرنا ضروری ہے، کرم فرما مولانا ڈاکٹر محمد ارشاد ساحلؔ شہسرامی نے ٹیلیفون پر اس جانب توجہ بھی دلائی تھی مگر افسوس کہ میں ان کے اس حکم کی تعمیل نہ کرسکا۔ خطبات سید العلماء کی ترتیب، تہذیب، تخریج اور کتابت وطباعت میں حصہ لینے والے جملہ افراد کی جناب میں ہدیۂ تبریک وتحسین پیش کرتے ہوئے شہزادۂ حضور سید العلماء سید آل رسول حسنین میاں نظمی مارہروی دام ظلہ النورانی اور شہزادۂ حضور نظمی میاں حضرت مولانا سید شاہ سبطین حیدر برکاتی مارہروی قبلہ کی بارگاہ میں خصوصی نذرانۂ عقیدت اور محب گرامی جناب ماسٹر محمد معین الدین برکاتی کو مبارک باد کہ ان حضرات کی بھرپور توجہات وعنایات اور

تعاون سے یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آرہی ہے، ان خطبات کی جملہ خوبیاں صاحب خطبات کو زیبا ہیں اور ساعت، تحریر وکتابت اور ترتیب کی خامیاں راقم کے سر ہیں، قارئین کرام سے اصلاح کی گزارش ہے، اللہ عزوجل اس کتاب کو قبولیت عامہ کا شرف عطا فرمائے۔ آمین

سگِ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ ______ توفیق احسنؔ برکاتی

۱۶/ذوقعدہ ۱۴۳۳ھ / ۴/اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز جمعرات



فتح مکہ

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی لاسیما علی سیدنا ونبینا وشفیعنا وحبیبنا ومولانا محمدا لمصطفیٰ وعلیٰ آلہ بالصدق والصفا واصحابہ ذوی الاحتباء والاھتداء وعلینا معھم وبھم ولھم وفیھم الی یوم الجزاءِ، آمین یارب الارض والساعۃ۔

امابعد!

فاعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّافَتَحْنَالَکَ فَتْحًامُّبِيْنًا

صدق اللہ العلی العظیم، ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وبارک وسلم۔

سلسلۂ بیان میں ہم اپنے وعدے کے مطابق آج فتح مکہ کے کچھ حوالہ جات آپ کے سامنے پیش کریں گے، کل ہم نے صلح حدیبیہ میں آپ کو بتایا تھا کہ صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ دس برس کی مدت میں دونوں فریق ایک دوسرے کو امن میں رہنے کی اور رہنے دینے کی کوشش کریں گے، شرط میں یہ بھی تھا کہ جو قبیلہ چاہے وہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد وامان میں داخل ہوجائے اور جس قبیلے کا جی چاہے وہ مکہ کے قریشیوں کے عہد وامان میں

داخل ہوجائے اور اس شرط کے مطابق فوراً قبیلہ بنوبکر مکے کے قریشیوں کے عہد وامان میں داخل ہوگیا اور قبیلہ بنوخزاعہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد وامان میں داخل ہوگیا اور اس طرح سے یہ معاہدہ دس برس کے لیے مکمل ہوا۔ ہم نے آپ کو یہ بتایا تھا کہ معاہدے کی ایک شرط جسے مسلمانوں نے بہت زیادہ اپنے لیے دکھ دینے والی شرط سمجھا وہ یہ تھا کہ مکے سے اگر کوئی شخص مسلمان ہوکر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے گا حضور والا اسے واپس مکے بھیج دیں گے اور اگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی آدمی دین اسلام چھوڑ کر مرتد بن کر مکے واپس جائے گا تو مکے والے اسے حضور کو واپس نہیں کریں گے، اس شرط کے مطابق ابوجندل کو واپس کیا گیا ہے اور جب سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچ گئے تو ابوبصیر آپ کی بارگاہ میں مسلمان ہوکر حاضر ہوئے مکے سے اور اس کے بعد ہی سرداران مکہ کا ایک خط ایک نوجوان آدمی اور اس کا غلام لے کر بارگاہ رسالت میں آئے اور قریشیوں کا مطالبہ پیش کیا کہ ہمارے آپ کے معاہدے کے مطابق ابوبصیر مسلمان ہوکر آپ کے پاس چلے گئے ہیں انہیں واپس کردیا جائے، حضور والا نے ابوبصیر سے فرمایا: ہم میں اور قریش میں دس برس کے لیے معاہدہ ہوچکا ہے لہٰذا اے ابوبصیر! ہمارے دین میں عہد کرکے توڑنا جائز نہیں لہٰذا تم مکے واپس ہوجاؤ۔ ابوبصیر رونے لگے اور انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مجھے آپ کافروں میں واپس کررہے ہیں وہ میرا سب کچھ تباہ وبرباد کرڈالیں گے، حضور نے انہیں تسلی دی اور مکے سے دونوں آنے والے آدمی کی حفاظت میں انہیں دے کر واپس کردیا۔ راستے میں ایک جگہ یہ تینوں آدمی ستانے اور آرام لینے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوبصیر کو تو اس بات کا یقین ہوگیا کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں لیں گے نہیں اور مکے میں اگر ہم پہنچے تو یا تو دین سے پھیر دیے جائیں گے یا قتل کردیے جائیں گے، لہٰذا انہوں نے اپنے دونوں کافر ساتھیوں میں سے

عامری نوجوان سے کہا کہ یہ جوتلوار آپ کی کمر میں لگی ہے اس کا کانچ کیسا ہے؟ کیا میں دیکھ سکتا ہوں، عامری نوجوان نے کہا: ہاں! تم اس کا کانچ دیکھ سکتے ہو، بس انہوں نے اس کی تلوار کمر سے کھینچی اور عامری نوجوان کو قتل کر دیا اور ساتھ ہی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں نے آپ کا عہد بھی نہیں توڑا اور اپنا دین بھی میں نے بچالیا، میں نے جو اس کافر کو قتل کیا ہے، اس کی کوئی ذمہ داری آپ کے اوپر نہیں آتی اور یہ کہہ کر ابوبصیر بجائے مکے جانے یا مدینے میں رہنے کے مکہ اور شام کے درمیان میں مقام۔۔۔۔۔۔ میں اتر گئے اور انہوں نے مکے کو یہ اعلان روانہ کر دیا کہ اب جو جو مسلمان ہوتا جائے وہ بجائے مدینے میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے کے ہمارے پاس آجائے اور ایسے ستر مسلمان وہاں جمع ہوئے۔ یہ انقلابی پارٹی تھی مسلمانوں کی، اس لیے کہ معاہدے کے مطابق انہیں مدینے جانے کی اجازت نہ تھی اور مکے میں یہ مسلمان ہونے کے بعد رہ نہیں سکتے تھے، انہوں نے یہ کیا کہ اب جو قافلہ قریشیوں کا آتا تھا اور شام کو تجارت کے لیے جاتا، یہ آرام کے ساتھ اس کا جائزہ لیتے اور جب وہ قافلہ شام سے کما کے واپس آتا تو اسے لوٹ لیتے، انہیں قتل کر ڈالتے، نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ مکے کی تجارت بند ہوگئی تب قریشیوں نے پیغام بھیجا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہ حضور! اپنے ان مسلمانوں کو اپنے پاس واپس بلا لیجیے۔ وہ تو ہمارے لیے دردسر بن کر رہ گئے ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلوا کے بھیجا کہ ہمارے تمہارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے کہ دس برس کے اندر مکے سے آیا ہوا کوئی مسلمان میں اپنے پاس واپس نہیں بلا سکتا، قریشیوں نے خوشامد کی اور کہا کہ صاحب! وہ شرط ہم توڑ دینا چاہتے ہیں، وہ شرط ہم واپس لے لیتے ہیں، خدا کے واسطے اپنے ان مسلمانوں کو واپس لے لیجیے، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو بلا کر ارشاد فرمایا: کیوں عمر! یہی وہ

شرط تھی نا جس پر تم ہم سے پوچھ رہے تھے ألست رسول اللہ؟ یہی وہ شرط تھی نا جو تمہارے دل کو بہت دکھ پہونچا رہی تھی اور ہم نے تم سے فرمادیا تھا کہ جو ہم جانتے ہیں وہ تم نہیں جانتے۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ بحکم خداوندی کر رہے ہیں، آج تم نے دیکھا کہ اس شرط کو خود انہوں نے بڑی ذلت کے ساتھ واپس کر لیا ہے اور یہ کہہ کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ منورہ واپس بلا لیا۔

ایک بات یاد رکھیے کہ ہر نیکی کا کرنا اور ہر برائی سے بچنا جب تک کہ ان کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف، تقویٰ، خشیت الٰہی دل میں نہ ہو، اس وقت تک نہ کوئی آدمی نیکی کر سکتا ہے اور نہ برائیوں سے باز رہ سکتا ہے، آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری ملکی حکومت رشوت کو بند کرنے کے لیے بہت کچھ کر رہی ہے، بڑے بڑے محکمے کھلے ہیں، ہزاروں کی تنخواہ لی جا رہی ہے لیکن رشوت کا عالم یہ ہے کہ کمیشن یا محکمہ رشوت کے خلاف جو بنتا ہے وہ رشوت خوروں سے رشوت لیتا ہے، رشوت بند کرنے والے اور رشوت لینے والوں کو پکڑنے والے وہ رشوت لینے والوں سے رشوت لیتے ہیں یعنی چور کے گھر مور بنتا ہے، کیوں؟ کیا بات ہے؟ آج شراب بندی کا محکمہ بڑے زور وشور سے چلتا ہے لیکن کیا ہم اور آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ گھر گھر، گھاڑیوں کھاڑیوں، محلے محلے، ڈگر ڈگر، کون سا ایسا محلہ اور کون سا ایسا نگر ہے جہاں شراب نہیں بنتی اور شراب نہیں بیچی جاتی؟ کیوں؟ یہ سارے انتظامات ناقص کیوں ہو جاتے ہیں؟ حکومت پورے اقتدار کے باوجود ان مجرموں کے سامنے ناکام کیوں ہو جاتی ہے؟ اس واسطے میرے دوستو! کہ حکومت اور پبلک کے درمیان میں جو وفاداری کا عہد ہے وہ صرف زبان کو حد تک ہے، پبلک کا عہد حکومت کے ساتھ دلوں کے اوپر حکومت کا عہد نہیں ہے، برخلاف اس کے خلافت الٰہیہ میں جب پبلک عہد کرتی ہے تو وہ ایک ایسی ذات سے عہد کرتی

ہے، ایک ایسی ہستی سے عہد کرتی ہے جو ظاہر چیزوں کو بھی دیکھتی اور جانتی ہے اور باطن چیزوں کو بھی دیکھتی اور جانتی ہے، وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے، خلافت الٰہیہ میں پبلک اللہ تبارک وتعالیٰ سے وفاداری کا عہد کرتی ہے اور تقویٰ الٰہی کے اوپر، اللہ کی خشیت اور ڈر کے اوپر خلافت الٰہیہ کی سلطنتوں کا دارومدار ہوتا ہے، لہٰذا ایک سچا متقی مسلمان اگر تنہائی میں بیٹھا ہوتا ہے، بالکل اکیلے میں ہوتا ہے اس وقت میں حکومت کا کوئی نمائندہ یا کوئی سپاہی اس کو پہچانے کے لیے موجود نہیں ہوتا، اس کے جرم کے اوپر کوئی دیکھنے والا موجود نہیں ہوتا، لیکن وہ جانتا ہے کہ میرے جرم کو کوئی انسانی آنکھ دیکھے نہ دیکھے لیکن ایک آنکھ ضرور دیکھ رہی ہے اور وہ ایک آنکھ اس کی آنکھ ہے جس کی آنکھ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ معاہدہ تو ضرور کر لیا تھا کافران قریش نے کہ دس سال کے اندر ہمارے اور آپ کے درمیان میں کوئی بدعہدی نہیں ہوگی لیکن چوں کہ ایک فریق ان میں کا کافر تھا، اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا، اللہ کے عالم الغیب والشہادہ ہونے پر اس کا یقین نہیں تھا، ان کے دلوں میں تقویٰ اور خشیت الٰہی کے جذبات موجزن نہیں تھے لہٰذا ان کی شرارت نے دو برس کے اندر رنگ دکھا دیا۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ قبیلہ بنو بکر قریشیوں کے ساتھ چلا گیا تھا اور خزاعہ کا قبیلہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آ گیا تھا، ان دونوں قبیلوں میں صلح سے پہلے آپس میں چل رہی تھی ہمیشہ سے، جب کہ صلح ہوئی تو کچھ دن کے لیے یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ صلح کے ساتھ رہے لیکن قبیلہ بنو بکر کی جبلی شرارت نے انہیں مجبور کیا اور انہوں نے خزاعہ والوں پر رات کو شب خون مارا، شب خون کہتے ہیں ایسی جنگ کو جو رات کو سوتے ہوئے کسی گروہ کے اوپر ٹوٹ پڑے، جب کہ نہ کوئی تیاری کر سکتا ہے نہ ان کے پاس ہتھیار لگانے کا موقع ہوتا ہے، ایک محلہ رات کو سو رہا ہے اور دشمنوں کا گروہ آئے اور محلے کو لوٹ لے جائے تو ظاہر ہے کہ اگر وہ وہاں پر پہلے سے چیلنج

دیتا، وارننگ دیتا کہ ہم وہاں پر لڑنے کے لیے آ رہے ہیں ہو سکتا تھا کہ محلے والے بھی تیاری کر کے برابر کی اگر تیاری نہیں ہوتی تو کم سے کم اتنا ہوتا کہ اگر دو ادھر کے مارے جاتے تو ایک ادھر کا بھی پٹ جاتا، لیکن سوتے ہوؤں پر جو حملہ کیا جائے اس کا تو کوئی علاج اور مداوا ہی نہیں ہے، رات کو ان دغا باز بنو بکر کے قبیلے نے شب خون مارا سوتے ہوئے خزاعوں پر اور قریشیوں نے باوجود اس کے کہ وہ عہد کر چکے تھے کہ ہم لڑائی کے اوپر کسی کی مدد نہیں کریں گے دس برس میں، لیکن ایک تو ان کو ہتھیار دیے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلحہ باندھ باندھ کر قبیلہ بنو بکر کی خفیہ طور پر مدد کی شب خون مارنے میں، بس خزاعہ والے جب اچھی طرح سے بے چارے پٹ چکے، لٹ چکے تو ان میں کا ایک آدمی کو اپنے آقا و مولیٰ یاد آئے اور اس نے وہیں مکے سے ایک نعرہ بلند کیا: یارسول اللہ! الغیاث، یارسول اللہ! الغیاث، اے اللہ کے رسول! ہماری مدد کو پہنچیے۔ اب میں ایک بات بتا رہا ہوں، یہ ایرے غیرے نتھے خیرے جس کو میں عین غین کے نام سے موسوم کرتا ہوں بات بات میں یہ کہا کرتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی کیا خبر، وہ تو اپنی پیٹھ پیچھے کی بات کو بھی نہیں جانتے، وہ تو دیوار پیچھے بھی اپنی کسی بات کو نہیں پہنچا پاتے، لیکن تاریخ کے اوراق نہیں، حدیث کے اوراق گواہ ہیں، قبیلہ بنو خزاعی کا پکارنے والا مکے میں پکار رہا تھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ام المؤمنین سیدتنا میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں بیٹھے ہوئے وضو فرما رہے تھے، یکایک آپ نے کہا: لبیک، پھر فرمایا: لبیک۔ لبیک کے معنی عربی زبان میں حاضر ہوا، کیا بات ہے، آتے ہی ہیں۔ ام المؤمنین حضرت میمونہ نے یہ لفظ جو سنا تو انہیں حیرت ہوئی، وہ یہ سمجھ نہیں پائیں کہ حضور لبیک کسے کہتے ہیں، پکارنے والا تو کوئی سامنے نہیں ہے، آواز تو کسی کی آ رہی نہیں ہے، حضور کو کوئی بلانے والا دکھائی تو دیتا نہیں تب حضور لبیک کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ نے لبیک کسے فرمایا؟ ارشاد فرمایا: میمونہ! قبیلہ بنو خزاعہ پر مصیبت آئی ہے اور ان کا پکارنے والا مجھے مدد کے لیے پکار رہا ہے، میں ان کو کہہ رہا ہوں، لبیک ٹھہرو، میں آتا ہوں، اب آپ خیال کیجیے کہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے پونے تین سو میل ہے، پونے تین سو میل، ادھر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدد کے لیے پکارا جارہا ہے اور پونے تین سو میل ادھر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی آواز سن رہے ہیں، تو پہلا معجزہ اور حضور والا کی پہلی قدرت واختیار تو یہ ہے کہ پونے تین سو میل کا فاصلہ حضور والا کے سننے میں آڑے نہیں آتا اور دوسرا معجزہ یہ ہے کہ حضور والا لبیک فرمارہے ہیں، میں آتا ہوں، میں آیا اور میں نے سنا، حضور والا کی یہ آواز پکارنے والا بھی سن رہا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری بات سن لی ہے، تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے اور دیکھنے کے لیے میلوں کے فاصلے کوئی چیز نہیں ہیں، میں آپ کو ایک حدیث پاک سناؤں جو دو لفظوں سے مشکوٰۃ اور طبرانی کی حدیث ہے، مشکوٰۃ میں تو یوں کہا ہے: ان اللہ طوی لی الارض فرأیت مشارقھا ومغاربھا، مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے زمین کو میرے لیے سمیٹ دیا تو میں اس کے پوربوں کو بھی دیکھ رہا ہوں اور اس کے پچھموں کو بھی دیکھ رہا ہوں، پھر بھی حدیث کے یہ الفاظ مجمل ہیں، لیکن طبرانی کی حدیث میں اس کو صاف کردیا اس میں ہے: ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ماھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کو میرے لیے اٹھادیا تو میں دنیا کو دیکھ رہا ہوں اور دنیا میں جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اسے بھی دیکھ رہا ہوں اور دیکھتا رہوں گا۔ صیغہ ہے مضارع کا اور ارباب وطالب علمان عربیت جانتے ہیں کہ مضارع کا صیغہ عربی زبان میں حاصل اور استقبال میں مشترک ہوا کرتا ہے تو مشترکاً بیان فرمارہے ہیں انا انظر الیھا والیٰ ماھو کائن فیھا الی یوم

القیامۃ کانا انظر الیٰ کفی ھٰذہ۔ میں دیکھ رہا ہوں زمین کی طرف اور دیکھتا رہوں گا، دیکھ رہا ہوں جو کچھ زمین میں قیامت تک ہونے والا ہے اور دیکھتا رہوں گا، کیسے؟ کانما انظر الی کفی ھٰذہ، جیسے کہ میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہو۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کہتے ہیں: اے سنیو! تم تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے قائل ہو، تم کہتے ہو کہ حضور والا حاضر ہیں اور ناظر ہیں، ان اس کے اوپر کیا دلیل ہے، اب مجھے بتاؤ، اس سے زیادہ موٹی دلیل اور کیا پیش کی جائے کہ حضور والا خود فرمارہے ہیں میں حاضر وناظر ہوں ساری زمین پر، پوری زمین کو دیکھ رہا ہوں اور زمین میں قیامت تک جو ہونے والا ہے اسے ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

مطالع المسرات فی شرح دلائل الخیرات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام سدرۃ المنتہیٰ سے چلے، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے اپنے آشیانے سے اڑے، آپ کو میں نے رات میں بتایا تھا کہ ساتواں آسمان زمین سے سات ہزار برس کا راستہ ہے اور ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک سات ہزار برس کا راستہ ہے تو زمین سے سدرۃ المنتہیٰ چودہ ہزار برس کا راستہ ہے، ایک گھوڑا تیز رفتار اگر چلا دیا جائے اور وہ دن رات ایک رفتار سے چلتا رہے، نہ کہیں رکے نہ کہیں پانی پیئے نہ دانہ لے، بس چلتا ہی رہے چوبیس گھنٹے تک، تو چودہ ہزار برس کے بعد سدرۃ المنتہیٰ میں پہونچے گا، لیکن جبرئیل سدرۃ المنتہیٰ سے ادھر چلے اور ادھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیل کی خوش بو بھی پہونچتی ہے اور حضور فرمارہے ہیں جبرئیل آرہے ہیں ہمارے پاس۔ میرے دوستو! چودہ ہزار برس کا راستہ جب میرے آقا ومولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایسا ہی ہوگیا جیسا کہ، بھئی! خوش بو کا معنی یہی تو ہے کہ یہاں خوش بو ہے میری ناک میں آرہی ہے، جیسے فٹ، ڈیڑھ فٹ کا

فاصلہ، ایسے ہی چودہ ہزار برس کا فاصلہ نہیں، مجھے کہنے دیجیے عرش معلیٰ جس کے فاصلے کے متعلق آج کوئی حد مقرر نہیں کر سکتے، عرش معلیٰ تک سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آنے اور جانے کے لیے صرف اتنا ہی تھا کہ دروازے کی زنجیر ہلتی رہی تھی اور بستر حضور والا گرم رہا تھا، جس بندے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ قدرت وقوت عطا فرمائی ہو، اس کے لے یہ کہہ دینا کہ وہ ہمارا جیسا معمولی بشر ہے معاذ اللہ رب العالمین، اس کو کہتے ہیں عیاری اور اس کو کہتے ہیں غداری۔ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنا اور جواب دیا اور اس کے بعد دوسرے روز عمرو بن سالم خزاعی ان کا پیامبر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، کہ میں ہیبت کے ساتھ کوئی معاہدہ کر کے اس پر بھروسہ نہیں کر سکتا، یہ خط آپ دیکھیے اور آپ غور فرمائیے۔

حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ خط کتنا نرم تھا، کتنا صلح آمیز تھا، کتنا حق اور حقیقت سے بھرا ہوا تھا۔ مگر ان مغروروں نے آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے کہہ دینا کہ ہمیں نہ معاہدے کی پروا ہے نہ ہم تمہاری کسی دھمکی میں آنے والے ہیں، تمہارے جو جی میں آئے وہ کرلو۔

اللہ اکبر!! سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم نے یہ بات سنی اور اس کے ساتھ قبیلہ بنو خزاعہ نے اپنا دوسرا سفیر بدیل بن ورقہ کو بھیجا، کہا جاؤ اور مفصل کیفیت ہمارے حضور کو دے آؤ، یہ آئے اور فہرست لائے اپنے ساتھ، اتنے قتل ہوئے، اتنا لوٹا گیا، اتنی عورتیں پکڑ لی گئیں، اتنے بچوں کو انہوں نے گرفتار کرلیا ہے، سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ، اب میں اس کا بدلہ لوں گا اور اب وہ وقت آگیا کہ مکے کے اوپر اسلام کا جھنڈا لہرا دیا جائے، ادھر تو یہ بات ہو رہی ہے، قریش نے جواب تو دلوا دیا، لیکن وہ جانتے تھے کہ یہ جواب ہمارا ہمارے لیے بڑا مضر ثابت ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے ابوسفیان سے کہا، ابوسفیان! جاؤ اور قبل

اس کے کہ یہاں سے کوئی پیغام پہنچے، تم معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کر دو، یعنی خود کو توڑ رہے ہو معاہدے کو اور خود اس کے بعد ڈر کر یہ کہتے ہو، کوئی مثال ہے، کہ میاں! اکڑتے کیوں ہو؟ تو بولے، شیر سے لڑیں گے، اچھا کہنے لگے کانپتے کیوں ہو؟ تو بولے ذرا ڈر لگتا ہے۔ تو وہی مثال ہے کہ پہلے تو اکڑ کے لکھ دیا کہ جو تمہارے جی میں آئے وہ کرلو، لیکن اب کانپنا شروع ہوئے تو ابو سفیان کو بھیجا کہ جاؤ معاہدے کو نئے سرے سے ترتیب دے دو، ابوسفیان آتے ہیں مدینہ منورہ، ظاہر ہے کہ ابوسفیان کافر ہیں اس وقت تک اور مدینے میں سب مسلمان ہیں، اب انہوں نے سوچا کہ مدینہ جا رہا ہوں تو میں ٹھہروں گا کہاں؟ ایک وقت کا کھانا کھانا ہوا تو کھاؤں گا کہاں؟ یاد آیا کہ میری بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ بیوی ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، ام المؤمنین سیدتنا ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، صحیح بات ہے کہ جب بیٹی موجود ہے وہاں پر تو مجھے دوسرا گھر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، چنانچہ یہ جیسے ہی مدینے پہونچے تو سیدھے اپنی بیٹی کے یہاں گئے بیٹی نے انہیں دیکھا، میرے دوستو! سنو، مسلمان کو سبق دیا ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہ اسلامی تہذیب میں دشمنان رسول کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے، جیسے ہی یہ پہونچے ام حبیبہ نے دیکھا باپ ہیں، دیکھو کئے حیثیتیں ہیں، نمبر ایک باپ ہے، نمبر دو بوڑھا باپ ہے، نمبر تین مسافر ہے، دور دراز سے تھک کر چلا آ رہا ہے، نمبر چار مکے کا اب سب سے بڑا سردار ہے، چار حیثیتوں کے ساتھ ان کے گھر پہونچ رہے ہیں، لیکن ان پر ان چاروں حیثیتوں میں سے کسی نے اثر نہیں کیا، انہوں نے یہ کیا کہ بستر جو رکھا تھا اسے موڑ دیا، لپیٹا اور لپیٹ کر اسے کونے میں رکھ کر خالی زمین باپ کے لیے چھوڑ دی، عجیب سا رویہ دیکھا یہ کہ بیٹی نے بستر اٹھا کر لپیٹ کر موڑ کر کے رکھ دیا، تو ابوسفیان نے جھنجھلا کر کہا، کیا ام حبیبہ! بستر ہمارے لائق نہیں تھا یا ہم بستر کے لائق نہیں تھے؟ دیکھو میرے دوستو! کان کھول کر سنو بڑے مزے کا جواب دیا ام حبیبہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا نے، ام المؤمنین نے ارشاد فرمایا: ھذا فراش رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و انت مشرک نجس، یہ بستر ہے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اور باپ تم جانتے ہو کہ میں بیوی ہوں محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی تو میرے گھر میں جو بستر ہے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اور تم مشرک اور ناپاک ہو، لہٰذا معنی یہ ہوئے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاک بستر کے اوپر تم بیٹھنے کے لائق نہیں ہو۔ (درود شریف)

دوستو اور بھائیو! آپ نے بات سمجھ لی، افسردہ خاطر ہو گئے ابوسفیان اور کہنے لگے، معلوم ہوتا ہے تیرا دماغ چل گیا ہے لڑکی، آج سے میں اب کبھی تیری صورت نہیں دیکھوں گا، ام حبیبہ نے بھی وہاں جواب دیا اور میں بھی خدا سے دعا کرتی ہوں کہ بابا اس حالت میں اب دوبارہ تمہاری صورت نہ دکھائے، یہاں سے چلتے ہوئے ابوسفیان ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے، کہنے لگے، ابن ابی قحافہ! بڑی مصیبت آگئی ہے، قریش تباہ ہو جائیں گے، ہاں غلطی ہوئی ان سے، کہ انہوں نے شب خون میں کچھ مدد دے دی ہے مگر میں حدیبیہ کے معاہدے کو نیا کرنے کے لیے آیا ہوں، پھر سے ہمارا معاہدہ ہو جانا چاہیے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سنو ابی سفیان! تم نے ایسا کام کر دیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بڑے ناراض ہیں، بڑے جلال میں ہیں، میری مجال نہیں کہ میں حضور سے تمہاری سفارش کر سکوں، مایوس ہو کر عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے، کہنے لگے ابوحفص! تم ہمارے بھائی کے لڑکے ہو، خطاب سے میری بڑی دوستی تھی لہٰذا تم اپنے رفیق اور اپنے ساتھی سے میری سفارش نہیں کر سکتے، کہ صلح حدیبیہ کو نیا کر دیا جائے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں تو خدا سے یہ دعا کر رہا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لیے مجھ کو قوت عطا فرما دے تو میں تیری اور تیرے ساتھیوں کی گردن مار دوں، میرے پاس آیا ہے، میں کروں گا

تیری سفارش؟ جا سیدھے سے نکل جاؤ، مجھے غصہ نہ دلاؤ، ورنہ اگر عمر بن خطاب کو غصہ آگیا تو تیری گردن سلامت نہیں رہے گی، چل دیے وہاں سے، سوچ کر پہنچے حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر، مرتضیٰ علی سے کہنے لگے، دیکھو علی! ہم اور تم ایک ہی شاخ کے دو پھول ہیں، تم اور ہم یک جدی ہیں، تم بھی بنو عبد مناف ہو، میں بھی بنو عبد مناف ہوں، تم میرے چچیرے ہو، میں تمہارا چچیرا ہوں، ایک بہت اہم بات لے کر آیا ہوں، کیا تم ہمارے سفارش نہ کر سکو گے؟ علی مرتضیٰ نے فرمایا: نہیں، آج کا رشتہ رشتہ نہیں ہے۔ میں تمہاری سفارش کرنے سے مجبور ہوں، مولیٰ علی سے کہنے لگے: کیوں نہیں، تم ہماری سفارش کر سکتے ہو، تمہارا بچہ حسین سامنے کھیل رہا ہے، اگر تم ان سے کہہ دو کہ یہ اپنے نانا سے میری سفارش کر دیں اور حدیبیہ کا معاہدہ نیا ہو جائے تو یہ بچہ ہمیشہ کے لیے مکے کے عربوں کا سردار مان لیا جائے گا، فاطمہ زہرا نے ارشاد فرمایا: سنو اے ابوحنظلہ! میرا بچہ ابھی ننھا سا بچہ ہے، ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ ابھی ان باتوں کے اندر میں اپنے بچے کو نہیں ڈالنا چاہتی، کہنے لگے، تو مجھے بتاؤ، آخر میں کروں کیا؟ مولیٰ علی نے فرمایا، دیکھو کرو کیا؟ یہ تو میں نہیں جانتا، مگر ہاں! تم کہتے ہو کہ بتاؤ تو بتائے دیتا ہوں، جاؤ، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں، تم مسجد کے کنارے کھڑے ہونا اور کہنا کہ میں نے حدیبیہ کی صلح کو نیا کر دیا، بس اتنا کہہ دینا، کہا: اس سے نفع پہنچے گا؟ فرمایا: نفع پہنچے یا نہ پہنچے یہ میں نہیں جانتا، مگر تم نے کہی تو میں نے یہ بات تمہیں بتا دی، ابوسفیان گئے، جانے کے بعد مسجد کے کنارے پکار کر کہنے لگے، میں نے حدیبیہ کی صلح کو نیا کر دیا اور یہ کہہ کر مکے کو روانہ ہو گئے، مکے میں جب پہنچے تو قریشیوں نے پوچھا، کہو جی! کیا کر آئے؟ کہنے لگے، کیا بتاؤں تمہیں، کیا کر آیا ہوں، داستان غم تو سنو، بیٹی کے یہاں گیا تو انہوں نے بستر لپیٹ کر مجھے کھلی زمین بیٹھنے کے لیے دے دی، وہ تو مجھے نجس مشرک کہہ رہی تھی، ابوبکر نے صاف

جواب دے دیا، عمر کے پاس گیا تو وہ تو کہو اللہ نے بچالیا، ورنہ وہ تو گردن ہی مار دیتے، علی مرتضٰی نے بھی انکار کر دیا، مگر میرے اصرار پر انہوں نے ایک ترکیب ضرور بتائی تھی، وہ ترکیب کر آیا ہوں میں۔ کیا ترکیب کر آئے ہو؟ کہا: میں مسجد میں جا کر جہاں پر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف فرما تھے میں اعلان کر آیا کہ معاہدہ نیا ہو گیا ہے، قریشیوں نے پوچھا، جب تم نے یہ کہا کہ معاہدے نیا ہو گیا، تو انہوں نے کچھ ہاں یا نہ کہا؟ کہا: انہوں نے تو کچھ نہیں کہا، تو قریشی کہنے لگے، آخر تم لمبے آدمی ہونا، علی نے تمہارے ساتھ کھیل کھیلا، علی نے تمہیں بے وقوف بنا دیا اور تم بے وقوف بن کے چلے آئے، اچھے بھلے آدمی! ایک بات تو سوچو، کہ معاہدہ دو طرف سے ہوتا ہے، تم نے کہا کہ میں نے معاہدہ نیا کر دیا، انہوں نے کچھ نہیں کہا تو معاہدہ کیسے ہوا؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا قریش کے اوپر کہ ان کے دل کو دگدھا پیدا ہو گئی، دھکنی لگ گئی ان کے دل کو کہ اب کیا ہونے والا ہے؟ معاہدہ ہوا نہیں ہے اور بات پوری پہنچ گئی ہے، جب ابوسفیان واپس جا رہے تھے تو راستے میں ان کو بدیل بن ورقہ خزاعی ملے، سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ماجرا بیان کر کے رخصت ہو رہے تھے، ابوسفیان کو خیال ہوا کہ یہ سارا واقعہ کہہ کر آ رہے ہوں گے، پوچھا: کیوں جی! تم کہاں سے آ رہے ہو؟ کہا: ایسے ہی پھرتا پھراتا ہوں، کہا محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے پاس سے تو نہیں، کہا: نہیں میں نہیں گیا تھا، جیسے ہی یہ چلے گئے ویسے ہی ابوسفیان جس جگہ فضیل نے اپنی اونٹنی بٹھائی تھی وہاں پہنچے، تو اونٹنی کی مینگنی کو انہوں نے ایسے مسل کر کے دیکھا، جب وہ ٹوٹی تو اس میں مدینہ کے کھجوروں کی گٹھلی نکلی، انہوں نے سمجھ لیا، کہ اگر فضیل بن ورقہ وہاں نہ گیا ہوتا تو اس کی اونٹنی کی مینگنی میں مدینے کی کھجوروں کی گٹھلی نہ نکلتی، اب انہیں پکا یقین ہو گیا کہ اب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمیں چھوڑنے والے نہیں ہیں اور حضور والا نے تیاری فرما دی، حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا

سے ارشاد فرمایا: عائشہ! ہمارے لیے توشہ تیار کرو، لیکن یہ نہیں بتایا کہ کیوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ گھر میں آئے تو انہوں نے اپنی صاحب زادی سے پوچھا، تم توشہ تیار کر رہی ہو، سامان درست کر رہی ہو؟ کیا کہیں تمہارے شوہر آقا میرے جا رہے ہیں؟ کہا: جا تو ضرور رہے ہیں مجھے حکم دیا ہے، فرمایا کہاں؟ کہا: واللہ بابا یہ مجھے نہیں معلوم کہ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ اور حضور والا نے دونوں ہاتھ اٹھائے: **اللھم خذ العیون و الاخبار عن القریش، یا اللہ العالمین**! آنکھوں اور خبروں کو قریش سے بند کر دے، یہاں تک کہ میں ان پر ایک ساتھ جا پڑوں یعنی ان کو یہ خبر نہ ہو پائے جب تک کہ میں ان کے اوپر نہ جا پڑوں، انہیں خبر نہ ہونے پائے کہ میں آ رہا ہوں تا کہ وہ اپنے بچاؤ کی تیاری نہ کر سکیں۔ دوستو! سوچو، دس ہزار لشکر کے ساتھ جا رہے ہیں، دو چار آدمی نہیں ہیں، اور کل تین سو میل کا فاصلہ ہے، مدینے اور مکے میں کل تین سو میل کا فاصلہ ہے، دس ہزار انسانوں کا لشکر نکلتا ہے لیکن اللہ تبارک و تعالٰی اپنے محبوب کی دعا کو قبول فرما لیتا ہے، ذرا سوچیے، پونے تین سو میل کو اگر آپ گنیں تو تقریباً جیسے یہاں سے گھنڈوہ، اتنا فاصلہ گنا جائے گا اور قریش کو خبر کب ہوتی ہے جب تقریباً برہان پور کے پاس پہنچ جاتے ہیں، یعنی صرف دس بارہ میل رہ جاتا ہے مکہ مکرمہ، تب قریش کو سن بن ملتی ہے اس وقت انہیں کچھ بھی تیاری کا موقع نہیں ملتا حالاں کہ وہ بڑی کوشش کرتے ہیں، ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقہ یہ نکلتے ہیں تلاش میں کہ کیا مدینے سے سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو نہیں آ رہے ہیں؟ دور سے دیکھتے ہیں کہ آگ جل رہی ہے، کہنے والا کہتا ہے کہ یہ بنو خزاعہ کی آگ ہے، ابوسفیان کہتے ہیں نہیں، بنو خزاعہ کی آگ نہیں ہے، یہ آگ تو کسی بڑے لشکر کی ہونی چاہیے اور اتنے میں حضرت سیدنا عباس بن عبد المطلب حضور والا کی خدمت اقدس میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اتنے بڑے لشکر کے ساتھ مکے کو جارہے ہیں تو ان کو بڑا دکھ ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اگر آج حضور مکے میں لڑکر داخل ہوئے تو قریشیوں کی خیر نہیں ہے، ان کا ایک ایک فرد تباہ کر دیا جائے گا، اور ایک ایک قریشی آج قتل کر دیا جائے گا، کاش قریشیوں کو یہ معلوم ہوجاتا کہ حضور والا ان کی طرف آرہے ہیں، وہ خود آتے اور آنے کے بعد حضور والا سے اپنے قصوروں کی معافی مانگ لیتے تاکہ ان کی جانیں بچ جاتیں، اس انتظار میں حضرت عباس کھڑے ہیں کہ کوئی دودھ والا مل جائے، کوئی گھاس لے جانے والا مل جائے تو میں اس کے ذریعہ سے قریشیوں کو خبر دلوادوں۔ ایک دفعہ ان کے کان میں ابوسفیان کی آواز آتی ہے، پکارتے ہیں یا اباحنظلۃ! کہتے ہیں یا اباالفضل! میں ہوں ابوسفیان، کہا: خدا تمہیں مارے، تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے پیچ میں کیسا درخت اُگ آیا ہے، یہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اگر آج محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جھنڈوں اور گھوڑوں کے ساتھ تمہارے اوپر آپڑیں تو قیامت تک تمہارا دین مکے کی زمین پر باقی نہیں رہے گا، لہٰذا آؤ میرے خچر پر میرے ساتھ بیٹھ جاؤ، میں تمہیں لے چلتا ہوں، آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اور عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور والا کے سفید خچر پر سوار ہیں، چناں چہ لے کر آتے ہیں، یہ خچر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمے کے پاس سے گزرتا ہے، وہ دیکھتے ہیں کہ آگے آگے تو چچا بیٹھے ہیں اور پیچھے یہ چادر سے منہ ڈھانپے کون بیٹھا ہے؟ حضرت عمر نے ذرا نشان سے دیکھا، کہنے لگے، اللہ اکبر! **انت عدو اللہ**، او خدا کے دشمن! تو بیٹھا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ بغیر کسی معاہدے اور عہد کے آج تو میرے پلے پڑ گیا، اب تجھے میں بغیر مارے نہیں چھوڑوں گا، حضرت عباس نے جب یہ بات سنی تو اپنے خچر کو وہیں باندھ کر بارگاہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عمر سے پہلے پہنچ گئے، اور اتنے میں حضرت عمر بھی پہنچ گئے، انہوں نے

حضور والا سے کہا: میں نے ابوسفیان کو اپنی امان میں لے لیا ہے اور بات یہ ہے اصل میں اے عمر! کہ آخر تو یہ بنو عبد مناف ہے، میرے قبیلے کا ہے، لہٰذا اس کو مارنے کو آپ کے لیے بڑی آسانی ہے، اگر یہی آپ کے قبیلے کا ہوتا تو آپ اتنی آسانی سے اس پر تلوار اٹھانے میں جلدی نہ کرتے، حضرت عمر بن خطاب نے کہا: اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا! میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ جنگ بدر میں جب آپ مسلمان ہوئے اور آپ کے مسلمان ہونے سے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل کو خوشی ہوئی ہے، واللہ! اگر میرا باپ خطاب مسلمان ہوجاتا تو مجھے آپ کے اسلام سے زیادہ اس کا اسلام پیارا نہیں ہوتا، اس لیے کہ آپ چچا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے، تو یہ بات صحیح نہیں ہے کہ میں اس لیے ابوسفیان کا پیچھا کر رہا ہوں کہ وہ بنو عبد مناف ہے، نہیں، بلکہ اس لیے کہ یہ بہت بڑا دشمن ہے، ابوجہل کے بعد دوسرا دشمن ابوسفیان ہے، لیکن میں نے اسے پناہ دی ہے حضرت عباس نے کہا، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھا، سعد! اسے اپنے خیمے میں لے جاؤ، رات بھر اپنے خیمے میں رکھو اور صبح کو لے کر آنا ہمارے پاس، صبح کو ابوسفیان لے جائے جاتے ہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ویحک یا اباسفیان الم یامنکم ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ** تجھ پر خدا کی مار ہو اے ابوسفیان! کیا ابھی تک تجھ پر یہ بات ظاہر نہیں ہوئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، کہنے لگا، ظاہر ہوگئی ہے بات کہ اگر ہوتا کوئی معبود اللہ کے سوا اور، تو آج سے زیادہ دکھ کون سا پڑا تھا میرے اوپر، آجاتا میری مدد کے لیے، ان کم بختوں کو میں پوج پوج کے بوڑھا ہوگیا، لیکن جب وقت پڑا تو ایک بھی نہیں آیا میری مدد کے لیے، حضور والا نے ارشاد فرمایا: **ویحک الم یامنک انی محمد عبدہ ورسولہ** تجھ پر خدا کی مار ہو کیا ابھی تو نے یہ نہیں پہچانا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، کہنے لگا: **وفیہ فی**

نفسی شئی اس میں ذرا کچھ معاملہ گڑ بڑ ہے، یہ تو میں سمجھ گیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے مگر یہ کہ تم اللہ کے رسول ہو، اسی معاملے میں ذرا دل میں شک واقع ہو رہا ہے، حضرت عباس نے کہا: ابھی یہ شک عمر کی تلوار سے دھل جائے گا، ابھی وہ آتے ہوں گے، رات انہوں نے معلوم نہیں کس بے چینی سے گزاری ہوگی، وہ آتے ہوں گے اور تیرے شک کو اپنی تلوار سے دھو ڈالیں گے، ارے کہہ تو سہی **اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله**۔ حضرت عباس کے وہ جلالی تیور اور حضرت عمر کی تلوار کا ڈر آخر کار ابوسفیان کو کہنا ہی پڑا، **اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله**۔ حضرت عباس نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امیہ مکے کا سردار ہے، اس کے دماغ میں ذرا سا فخر اور ذرا سا غرور ضرور ہے، لہٰذا اس کے لیے کوئی ایسی بات کہہ دی جائے کہ جو دوسروں کو نصیب نہ ہو اس کو نصیب ہو جائے تا کہ اس کو ایک خصوصیت مل جائے، ارشاد فرمایا: سنو، ابوسفیان نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا، ہمیں یاد ہے کہ احد کے میدان میں ہمارے پیارے چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انہوں نے اور ان کی بیوی نے شہید کرایا، ان کے ناک کاٹے، ان کا خون پیا، ان کا جگر چبایا، لیکن اس کے باوجود اب یہ کلمہ پڑھ چکے ہیں، کلمہ ڈھال ہے ہر عذاب کے لیے، لہٰذا ہم ان کو یہ خصوصیت دیتے ہیں کہ ابوسفیان کو امان ہے اور ابوسفیان کے گھر میں جو چلا جائے اس کو بھی امان ہے، ابوسفیان کو امان دے دی اور ابوسفیان کے گھر میں داخل ہونے والے کو امان دے دی، ارشاد فرمایا: اور سنو! مکے کے اندر جو کوئی اپنے گھر میں گھس کر بیٹھ جائے، باہر مقابلے کے لیے نہ نکلے اس کے لیے امان ہے اور جو کعبہ کے اندر حرم پاک کے اندر چلا جائے اس کو بھی امان ہے، اور یہ امان دینے کے بعد سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے لوگوں سے ارشاد فرمایا: اے لوگو! میں نے مکے والوں کو امان دے دی ہے لہٰذا مکے میں اگر کوئی تم سے

نہ لڑے تو کسی پر تلوار مت چھوڑنا، اور اس کے بعد حضور والا نے آدمی مقرر فرمائے، حضرت عبادہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو فوج دے کر ایک طرف سے مکے میں بھیجا، زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوج دے کر دوسری طرف سے بھیجا، خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوج دے کر تیسری طرف سے بھیجا اور خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوتھی طرف سے کعبہ مطہرہ کا قصد کر کے داخل ہوئے، جس اونٹنی پر سوار ہیں، قصوہ اس کا نام ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر مبارک کے اوپر عمامہ بندھا ہوا ہے سرخ عمامہ ہے یمنی چادر کا ہے، لیکن اس دن حضور والا نے اس کا شملہ نہیں لٹکایا تھا، شملہ کہتے ہیں وہ جو عمامہ کے پیچھے تھوڑا سا حصہ نکلا رہتا ہے اس دن اسے نہیں لٹکایا تھا، اسی لیے علما کہتے ہیں کہ شملہ لٹکانا، نہ لٹکانا دونوں جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ دونوں کاندھوں کے بیچ میں شملے کو لٹکا دیا جائے، پہاڑ کے اوپر حضرت عباس لیے کھڑے ہیں ابوسفیان کو، ایک قبیلہ گزرتا ہے، ابوسفیان کہتے ہیں، اچھا اچھا تو یہ قبیلے کے اندر تمہارے بھتیجے جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں، قبیلہ تو بنی اوس کا ہے، اچھا دوسرا قبیلہ؟ اس میں؟ کہا، نہیں، یہ تو بنو خزرج ہیں اور یہ تو فلانہ قبیلہ ہے اور یہ تو فلانہ قبیلہ ہے، یہ جو شان وشوکت دیکھی اور آخر میں دیکھا کہ مہاجرین کے جھرمٹ میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسے تاروں میں چمکتا چاند ہوتا ہے اس طرح سے داخل ہو رہے ہیں اور جب مکے میں حضور والا داخل ہوئے، کعبہ سامنے آیا تو حضور والا کو غالباً یاد آ گیا، ایک رات وہ تھی جب میں اسے ایک تنہا دوست کے ساتھ اپنے آبائی شہر سے نکالا گیا تھا اور راتوں رات غاروں میں چھپتے ہوئے ہم مدینہ منورہ تک پہنچے تھے اور الحمد للہ رب العالمین! آج وہ دن ہے کہ میں اپنے دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ دن کے اجالے میں تلواریں لیے ہوئے آج مکے میں دوبارہ داخل ہو رہا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے شکر کے

جذبات حضور والا پہ غالب آتے ہیں تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب کے حضور اپنا سر جھکا دیتے ہیں اور اونٹنی کے کوہان کے اوپر حضور والا سجدہ کرتے ہیں یہاں تک کہ حضور کا سر اقدس اونٹنی کے پالان سے جا لگتا ہے، میں نے تمہیں کہا تھا نا پرسوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چار سجدے، ان میں کا ایک سجدہ تھا وقت ولادت، جب حضور والا نے اپنی امت مانگی تھی، دوسرا سجدہ تھا بدر میں جب اپنے ساتھیوں کے لیے نصرت مانگی تھی، تیسرا سجدہ ہے فتح مکہ کا، جب کعبہ پر حضور جھنڈا گڑوا رہے ہیں اسلام کا اور چوتھا سجدہ ہوگا قیامت کے دن شفاعت کبریٰ کا۔ یہ حضور والا کے چار سجدے ہیں اور خدا کی قسم ساری امت کے سارے سجدے میرے آقا کے ان چار سجدوں کے اوپر قربان ہونے کے لائق ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر آتے ہیں، کعبہ مطہرہ میں تشریف لاتے ہیں، حضور کے ایک ہاتھ میں ایک بیٹ ہے، حضرت بلال حبشی ساتھ ہیں، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبے کا طواف کرتے ہیں اور اس چھڑی سے حجر اسود کو چھو کر اور اس کا استلام فرماتے ہیں، جب ساتوں طواف کر چکتے ہیں تب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عثمان بن طلحہ کو بلایا جائے، عثمان بن طلحہ شیبی جن کے ہاتھوں میں کنجیاں ہیں کعبہ مطہرہ کی، شیبی آتے ہیں، حضور والا ارشاد فرماتے ہیں: کنجیاں ادھر مجھ سپرد کرو، عثمان لپکتے ہوئے ہاتھوں سے کنجیاں سپرد کرتے ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: عثمان بن طلحہ! یاد ہے، کچھ دن گزرے، جب ہم ایک دن طواف کے لیے کعبے میں آئے تھے اور ہم نے تم سے کہا تھا، کعبہ کھول دو، ہم کعبے کے اندر دو رکعت نماز پڑھنا چاہتے ہیں، تم نے کہا تھا، کہ میں کعبہ آپ کے لیے نہیں کھول سکتا، اس لیے کہ قریش نے منع کر دیا ہے، محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لیے کعبہ نہیں کھولا جا سکتا۔ لیکن میں نے اس دن تم سے کیا کہا تھا، میں نے تم سے کہا تھا

عثمان! یاد رکھنا، ایک دن یہ کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی، دیکھا تم نے آج یہ کنجیاں میرے ہاتھ میں ہیں، میں جس کو چاہوں دے دوں، آج کعبہ میں وہ گھس سکے گا جس کو میں اجازت عطا فرمادوں گا، اللہ اکبر! حضور والا نے کعبہ مطہرہ کو کھولا، اندر تشریف فرما ہوئے تو دیکھا کہ وہاں لکڑی کے کبوتر ٹنگے ہوئے ہی، فرمایا: معاذ اللہ رب العالمین، جاندار کی تصویر اور کعبہ مطہرہ؟ اب جو نظر آیا حضور والا کو چاروں طرف تو دیکھا معاذ اللہ کسی دیوار پر حضرت ابراہیم کی تصویر ہے، کسی دیوار پر حضرت اسماعیل کی تصویر ہے، کسی پہ حضرت عیسیٰ کی ہے، کہیں پر حضرت مریم کی ہے، ارشاد فرمایا: خدا کی مار ہو ان لوگوں پر کہ انبیا کی تصویریں ان کمینوں نے یہاں پر لگا دیں، حالاں کہ انبیا نے اس کا انہیں حکم نہیں دیا تھا، دھو ڈالا جائے کعبے کو، ساری تصویریں دھو ڈالی گئیں، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جو لکڑی تھی حضور والا نے ایک بت کی طرف اس لکڑی کو جھکایا اور فرمایا **جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا**، حق آیا، باطل بھاگا، اور باطل تو ہمیشہ بھگوڑا ہی ہوتا ہے، بس چھڑی دکھاتے جاتے تھے حضور نے کسی بت کو چھڑی ماری نہیں، کسی تاریخ کے واقعے میں ثابت نہیں ہے، صرف اشارہ فرماتے تھے اور بت اس چھڑی سے اوندھے ہوئے چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ جب سارے بت اوندھے ہوگئے، حضور والا نے حضرت سیدنا عمر بن بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمیا: اب ان بدبختوں کو لے جا کر مکے کے کنویں میں ڈال آؤ، چناں چہ حضرت عمر بن خطاب بھر بھر کے لے جاتے تھے اور انہیں لے جا کے مکے کے کنویں میں ڈال آتے تھے، کعبہ مطہرہ صاف ہوگیا، آج کعبہ اپنی زبان سے کہہ رہا تھا: **والحمد للہ الذی طھرنی عن روث الاصنام**، الحمد للہ آج میرے مالک کے قدم آگئے اور میں بتوں کی نجاست سے پاک ہوگیا، جب کعبہ کو پاک وصاف کر لیا تو حضور والا نے دو رکعت نماز کعبے کے اندر پڑھی اور اس کے بعد تشریف لانے کے بعد

کعبے کی دیوار سے حضور والا نے ٹیک لگائی، مسند بچھائی گئی اور تمام سرداران قریش ہاتھ بندھے ہوئے، پیچھے مشکیں کسی ہوئیں، سامنے لا کے کھڑے کر دیے گئے، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے مکے کے عزیزو! اب تمہارا کیا خیال ہے؟ میں تمہارے ساتھ آج کیسے پیش آؤں گا؟ گردنیں جھک گئیں، آنکھوں میں ندامت کے آنسو آ گئے، اکڑی ہوئی گردنیں نیچے کو ڈھلک گئیں اور سب نے روتی ہوئی، روندھی ہوئی آواز میں کہا: **انت اخ کریم ابن اخ کریم لا نرجو منک الا الخیر**، آپ ہمارے بزرگ بھائی ہیں، بزرگ بھائی کی اولاد ہیں، آج ہم آپ سے اچھائی کے سوا کچھ امید نہیں رکھتے، ارشاد فرمایا: تم نے یہ مان لیا نا کہ تم گنہ گار تھے، تم خطا پر تھے، تم نے مجھے از حد ستایا تھا، سنو، جب تم یہ اعتراف کر چکے ہو تو آج سے میں تم سے وہ کہہ رہا ہوں جو کل یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ستم گار بھائیوں سے کہا تھا، **لا تثریب علیکم الیوم، اذھبوا انتم الطلقاء** آج تمہارے اوپر کوئی پکڑ نہیں ہے، چھوڑ دو انہیں کہ آزاد ہیں، اللہ اکبر! خدا کی قسم!! آج ساری دنیا آزادی کی رٹ لگا رہی ہے، آزادی کی رٹ لگاتے ہیں، حریت پکارتے ہیں، فریڈم پکارتے ہیں، لیکن خدا کے واسطے انصاف سے بتاؤ، آج تک کسی نے ملک کو فتح کر کے اپنے مفتوحوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ کیا ہو، اور اس کے ساتھ اگر آپ نے پوری تاریخ اسلام پڑھی ہے تو آپ کو میں تاریخ اسلام میں بتا چکا ہوں کہ کیا نہیں کیا تھا انہوں نے! کیا یاد نہیں ہے! کہ گندی اوجھڑی ڈالی تھی سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر، کیا یاد نہیں ہے کہ طائف کے میدانوں میں اتنے پتھر مارے تھے کہ حضور کے جوتے خون سے بھر گئے تھے، کیا یاد نہیں ہے کہ حضور والا کی گردن میں معاذ اللہ رب العالمین چادر باندھ کر گلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی، کیا یاد نہیں ہے کہ تین سال میں شعب ابی طالب میں قید کر کے شوشل بائکاٹ کیا تھا، کیا یاد نہیں ہے کہ حضور والا کے راستے میں

کانٹے بچھائے تھے، کیا یاد نہیں ہے کہ عین کعبہ میں تھپڑ، گھونسوں اور لاتوں سے مارا تھا، کیا یاد نہیں ہے کہ حضور والا کو گالیاں دی تھیں، کیا یاد نہیں ہے کہ حضور والا کے پیچھے تالیاں بجائی تھیں، کیا یاد نہیں ہے کہ حضور والا کے قرآن کے سامنے ڈھول بجائے تھے، اللہ اکبر!! یہ دشمن ہیں، جنہوں نے اپنی دشمنی میں کوئی کمی اٹھا کے نہ رکھی اور یہ میرے آقا ہیں رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ارشاد فرماتے ہیں: **لا تثریب علیکم الیوم، اذھبوا انتم الطلقاء** تمہارے اوپر آج کوئی پکڑ نہیں ہے، ان کے ہاتھوں کو کھول دو، آج یہ آزاد ہیں، جیسے ہی ہاتھ کھولے گئے، جیسے ہی وہ آزاد ہوئے، ایک زبان سے پکار اٹھے **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ**۔

یہاں پر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا، احد میں جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی اک ذرا سی نافرمانی کر کے مسلمانوں پر شکست وارد ہوئی تھی تو ستر مسلمان احد میں شہید ہو گئے تھے، حضور والا نے وہاں سے قسم یاد فرمائی تھی کہ اگر قریش پر کبھی میرا ہاتھ پڑا تو میں بھی ان کے ستر آدمیوں کو قتل کر کے چین لوں گا، اللہ اکبر! اب ایک بات سن لیجیے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں مکے کی نچلی جانب سے مکے میں داخل ہونے کے لیے بھیجا گیا تھا، انہوں نے وہاں پر قتال شروع کر دیا، لڑائی شروع کر دی اور جناب والا وہ تلوار چلی سیف اللہ کی، حضور والا کی بارگاہ میں شکایت آئی کہ حضور والا نے تو منع کیا ہے مکے پر ہاتھ نہ اٹھاؤ اور خالد تو ہمیں جڑ سے کھودے پھینکے دے رہے ہیں، ایک آدمی کو بلایا، فرمایا: جاؤ، خالد سے کہنا: **ارفع عنھم السیف**، ان سے تلوار اٹھا لو، وہ آدمی جاتے ہیں اور واپس آ جاتے ہیں اور پھر آدمی آ جاتا ہے کہ حضور! وہ تو اس سے دوگنی تلوار چلا رہے ہیں، پھر آدمی کو بلایا کہا: بلاؤ خالد کو، حضرت خالد بن ولید حاضر آئے، کہا: کیوں، ہم نے تمہیں منع کر بھیجا تھا لیکن پھر بھی تم نے تلوار چلانا نہ روکا؟

عرض کیا: یارسواللہ! مجھے تو آپ کی ممانعت نہیں پہونچی ہماری ممانعت نہیں پہونچی؟ کہاں ہیں وہ آدمی جو گئے تھے منع کرنے کے لیے، بلایا انہیں، فرمایا: کیوں، تم نے کہا تھا خالد سے، کہنے لگے حضور والا کیا عرض کروں، میں جا رہا تھا، حضور کا وہی کلمہ یاد کیے ہوئے، ارفع عنھم السیف، راستے میں مجھ ایک آدمی ملا، جس کا سر تو لگ رہا تھا کہ وہ گنبد ہے اور اس کے دونوں پیر ایسے لگ رہے تھے جیسے درختوں کے دو چار پہاڑ ہوں اور اس نے مجھے گھور کر دیکھ کر یہ کہا، خبردار جو تم نے کہا ارفع عنھم السیف، جا خالد سے کہہ دے۔۔۔۔۔ یعنی تلوار اٹھاؤ نہ ان کے اوپر سے بلکہ تلوار رکھ دو ان کے اوپر، لہٰذا حضور! ڈر کے مارے میں نے وہی کہہ دیا جا کر، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسکرا اٹھے فرمایا: اچھا جاؤ، جتنے اب تک قتل ہوئے انہیں جا کے گن آؤ کہ کتنے ہیں؟ گنے تو وہ پورے ستر تھے، ارشاد فرمایا: احد کے میدان میں میں نے قسم کھائی تھی کہ اگر قریش پر میرا ہاتھ پڑ گیا تو میں ان کے ستر ضرور قتل کروں گا، آج قریش پر میرا ہاتھ پڑا، لیکن میں نے انہیں امان دے دی تھی، مگر میرے رب نے میری قسم کو پورا کرنے کے لیے اس فرشتے کو بھیج کر کہلوا دیا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کعبے کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا، آج اقوام متحدہ جینوا کے معاہدے کے اوپر فخر کرتی ہے، ایک اہم چارٹ کے اوپر فخر کیا جاتا ہے کہ ہم نے آج انٹرنیشنل طور پر دنیا کو آزادی کا ایک چارٹ دیا ہے، جھوٹ بولتے ہو تم، جھوٹ کہتے ہو تم کہ تم نے دنیا کو آزادی کا چارٹ دیا ہے بلکہ دونوں طرف سے جیسے کیکڑا یا مکڑی اپنے جالے کے اندر مکھی کو پھانس کر چاروں طرف سے جال چھاتی ہے، اسی طرح آج دنیا کی اقتصادی حکومتوں نے چاروں طرف سے انسانیت کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے یہ دھوکے کے جال تیار کیے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ محمد رسول اللہ نبی الامن والامانۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ

کے دروازے پر کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے ہیں: او آزادی کے نام لینے والو! تم نے جو آزادی دی ہے اپنے قوموں کو وہ جھوٹی آزادی دی ہے، آج تمہاری آزادی میں اونچ نیچ کے بھاؤ ہیں، آج تمہاری دی ہوئی آزادی میں غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے اور سرمایہ دار سرمایہ دار تر ہوتا چلا جا رہا ہے، غریب کا پیسہ سولہ آنے سے بارہ آنے پر آ رہا ہے اور تمہارے سرمایہ داروں کا پیسہ سولہ آنے سے بیس آنے جا رہا ہے، لیکن تمہارے بھید بھاؤ ختم نہ ہوئے، تم سارے قانون بنا چکے ہو لیکن آج بھی گاؤں کے اندر برہمنوں کے کنویں سے اچھوت پانی نہیں پی سکتا، برہمنوں کے بھگوان کو اچھوت اپنا بھگوان نہیں مان سکتا، برہمنوں کے قبیلے سے اچھوت پرساد نہیں لے سکتا، آؤ، دیکھو، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، محسن آدم انسانیت جو چارٹ تیار کرتے ہیں، جو قرطاس امن تیار کرتے ہیں، اس میں ارشاد فرماتے ہیں، سنو!! آج کعبہ اس کے لیے ہو گیا جس کے لیے کعبہ تھا، لہٰذا سارے سود، سارے قتل، سارے خون جواب سے پہلے کیے گئے تھے وہ اب میرے قدموں کے نیچے ہیں، اب ان کا کوئی بدلہ نہیں چکایا جائے گا، اور اس کے بعد سنو، آخری بات یہ کہہ رہا ہوں، اے قریشیو! تم میں اونچ نیچ، نسب، حسب جو تمہارے یہاں نخوت اور کبر تھا آج میں نے اسے ختم کر دیا۔ اس لیے کہ: الناس ابناء آدم و اٰدم من تراب۔ لوگ سارے کے سارے آدم کے بیٹے ہیں اور آدم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا تھا، سنو: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔ اے لوگو! سنو، یہ جو ہم نے قبیلے قبیلے بنا دیے ہیں کوئی میمن ہے، کوئی سقہ ہے، یہ سب اس لیے ہیں تاکہ تم آپس میں امتیاز رکھو، باقی ان کے اوپر چھوٹائی، بڑائی، چھوت، اچھوت، شدھ، اشدھ کا کوئی دارومدار نہیں ہے، عظمت اور بڑائی، ذلت اور شرافت کا برتاؤ یہ ہی: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ، جو تم میں زیادہ تقویٰ شعار ہے، زیادہ دین

دار ہے زیادہ پرہیزگار ہے، جو دین کا پابند ہے، جو خدا سے زیادہ ڈرتا ہے، جو زیادہ پاکیزہ دل ہے، جو زیادہ پاکیزہ عمل ہے وہ اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ ہے، یہ کہہ کر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سارے بھید بھاؤ کو ختم فرما دیا، اور آقائے دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ کے اوپر اسلام کا جھنڈا لہرا کر وہاں کچھ دن آپ نے اور تشریف رکھے اور کعبہ کے مکمل انتظام کرنے کے بعد مدینہ منورہ کو واپس آ گئے۔

آپ کو معلوم ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکے کو فتح کرنے کے بعد ہی جب مدینہ منورہ کو تشریف لائے ہیں، اس وقت ہی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان پر کلمات رخصت آ گئے تھے، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسا کوئی اپنا کام پورا کر کے اب رخصت ہونے کی تیاری کر رہا ہو، بار بار کہتے تھے، بار بار فرماتے تھے، اب ہم تم میں نہیں رہیں گے، اب ہم تم سے جانے والے ہیں، ہمارا کام پورا ہو چکا ہے، اب ہم تم کو اللہ کے سپرد کر رہے ہیں، یہاں تک کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز برسر منبر اعلان فرمایا: کہ اللہ تبارک نے اپنے ایک بندے کو موت وحیات کے درمیان اختیار دے دیا ہے، مجھے بتائیے، آپ جانتے ہیں، موت کسی کے اختیار میں ہے، بولو جی!! موت ہے کسی کے اختیار میں؟ کہ چاہے آئے چاہے نہ آئے، اللہ اکبر! لوگ کہتے ہیں یہ دیو کے بندے، من کے اندھے، گندے، یہ خبثا کہا کرتے ہیں کہ وہ کسی چیز کے مختار نہیں، لیکن میں بتا رہا ہوں آپ کو حدیث صحیح بتا رہی ہے کہ اللہ نے انہیں موت اور زندگی کا اختیار دیا، یعنی انہیں اختیار دے دیا کہ چاہیں تو آپ قیامت تک اس زمین کے اوپر سب کی نظروں کے سامنے ایسے ہی حیات کے ساتھ تشریف فرما رہیں جیسے ابا بکر وعمر رضی اللہ تالیٰ عنہما کے ساتھ میں ہیں، تو حضور والا نے اعلان فرمایا کہ ایک بندے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زندگی اور موت میں مختار کر دیا، چاہے تو وہ دنیا کے اندر ایسے ہی رہے اور چاہے تو وہ وفات پا

کے اللہ کے پاس چلا جائے، لیکن اس نے اپنے رب کی بارگاہ کو قبول کر لیا، اعلان کرتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے، کسی نے کہا: صاحب! آپ کیوں روتے ہیں؟ اس لیے حضور تو کسی بندے کا ذکر فرما رہے ہیں، ارشاد فرمایا: نہیں، یہ حضور والا اپنا ہی ذکر فرما رہے ہیں، اس لیے کہ نبی کا کام ہوتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے اس کے دین کا راستہ صاف کرنا، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا کام پورا کر چکے ہیں، کعبہ کو حضور والا نے بتوں سے صاف کر دیا، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعبہ جس لیے بنایا تھا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس مقصد کی طرف کعبہ کو پھر واپس کر دیا، اب حضور والا ہم میں زیادہ دن تشریف فرما نہ رہیں گے۔

لیجیے، فتح مکہ ہم نے اپنی تحقیق کی روشنی میں بیان کر دیا، اب ذرا درود شریف کا نعرہ بلند کر دیجیے۔



میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

پھر بہار آئی، ہوئے سامان پھر میلاد کے
عرش سے آنے لگے تحفے مبارک باد کے
غنچے چٹکے، گل کھلے، چلنے لگی بادِ نسیم
رنگ لائے چہچہے دل کھل اٹھے ناشاد کے

درود شریف کا نعرہ بلند کیجیے۔

میں میلاد پڑھ رہا ہوں آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔ اللہ اکبر! ایک حدیث قدسی کا مفہوم بیان کروں، مولیٰ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کنت کنزا مخفیا، میں ایک مخفی خزانہ تھا، اس کے جلال و جمال پر وہ خط میں تھے، میں نے جب یہ چاہا کہ اپنی جلال ربوبیت کو ظاہر کروں، میں نے جب یہ چاہا کہ اپنی شان الوہیت کو ظاہر کروں تو اپنا آئینہ جمال سامنے رکھ کر میں نے کہا: کن محمداً، محمد ہو جا، اللہ اکبر! اس بات کو کیا سمجھتے ہو؟ اپنا آئینہ جمال سامنے رکھ کر میں نے کہا: کن محمداً، یعنی اپنی تجلی کمال سے میں نے کہا: کن محمداً، وہ نور ایک ستون کے طور پر بڑھا اور بڑھ کر میرے آگے اس نے سجدہ کیا، میں نے اس نور پاک کو تقسیم کر کے اس کے ایک حصے سے قلم کو پیدا کیا اور اس سے کہا: لکھ، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں جو میری فرماں برداری کرے گا میں اسے جنت میں داخل کروں

گا، جو میری نافرمانی کرے گا میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا، قلم نے یہ مضمون لکھا، فرمایا: اب ایک لاکھ تراسی ہزار نو سو ننانوے یا جتنے بھی آئے ان کے لیے بھی یہی مضمون لکھتا چلا جا، قلم ہے کہ لکھتا چلا جا رہا ہے، نوح نجیب اللہ کے لیے لکھتا ہے، ابراہیم خلیل اللہ کے لیے لکھتا ہے، موسیٰ کلیم اللہ کے لیے لکھتا ہے، عیسیٰ روح اللہ کے لیے لکھتا ہے، علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ جب سارے انبیا کے لیے یہ ایک مضمون لکھ چکا تب آخر میں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے لیے قلم نے لکھا اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کوئی میری فرماں برداری کرے گا میں اس کو جنت میں داخل کروں گا، جو کوئی میری نافرمانی کرے گا، چاہتا تھا کہ لکھے کہ میں اسے جہنم میں ڈالوں گا، یکا یک ندائے باری ہوئی: تأدب یا قلم! تادب یا قلم! اے قلم! ادب کر، اے قلم! ادب کر۔ اس خطاب باعتاب کو سن کر قلم بیچ میں سے شق ہو گیا اور ہزار برس تک سرزن رہا جلال باری سے، ہزار برس کے بعد ید قدرت نے دوبارہ اس پر خط رکھا اور ارشاد فرمایا: امۃ مظلمۃ رب غفور، امت خطا کار ہے لیکن بخشنے والا پروردگار غفار ہے، اب قلم نے یہ لکھا: امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔

ایک بات میں عرض کروں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسری مخلوق قلم ہے، اللہ کا قلم ہے، آپ جانتے ہیں، اس کی بڑائی کتنی ہے؟ ایک انسان گھوڑے پر سوار ہو کر اگر قلم کے اس سرے سے چلنا شروع کرے تو اس کے اس سرے پر ایک ہزار برس کے بعد پہنچ پائے گا، اللہ کا قلم ہے۔

فاؤنٹن پین تھوڑی ہی ہے کہ جیب کے اندر ٹھونس لیا، اللہ کا وہ قلم ہے کہ جس نے ازل سے ابد تک ساری تفصیلیں لکھی ہیں، لیکن اللہ کے قلم نے جب حسب معمول امت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں لکھنا چاہا کہ وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے، مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے اسے خطاب کیا، اس کو ڈانٹ دیا، سوچے بیٹھ کر، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے قلم کو امت

محبوب کے معاملے میں عتاب کرتا ہے تو آج کے ان دیو کے بندوں، جو ڈیڑھ ڈیڑھ گز پٹیاں باندھ کر آتے ہیں، بخاری پڑھتے ہیں، بخار نہیں آتا، مشکوٰۃ میں کتاب الثبوت پڑھتے ہیں، اللہ اکبر! معاذ اللہ رب العالمین! آج ان کے قلموں کے اوپر وہ سنٹھے کے قلم ہو یا مار کر کے فاؤنٹن پین ہوں جب ان سے توہین لکھتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بتایئے اس قلم اور اس کے لکھنے والے پر مولیٰ تبارک وتعالیٰ کا عتاب نہیں؟ عتاب تو ضرور ہوگا بلکہ عذاب الٰہی نازل ہونے والا ہے، اور اگر انہوں نے اپنی ان توہینوں سے دنیا میں توبہ نہ کی تو یاد رکھیے ان کو عذاب ابدی سے سابقہ پڑے گا، اس دن یہ معلوم ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کے ان محبوب کی توہین کرنے کا انہیں کیا بھگتنا ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: یا جابر! ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ، اے جابر! بے شک اللہ نے تمام نبیوں کے نور سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا فرمایا، دوسری حدیث میں ہے اول ما خلق اللہ نوری۔ سب سے پہلے اللہ نے جو چیز پیدا کی وہ میرا نور ہے، تیسری حدیث میں ہے، کل الخلائق من نوری وانا من نور اللہ۔ تمام مخلوق میرے نور سے ہے اور میں اللہ کے نور سے ہوں، فرماتے ہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم:

نور مبارک کے اللہ نے دس ٹکڑے کیے، نو ٹکڑوں سے عرش وکرسی، لوح وقلم، جنت ودوزخ، چاند وسورج اور ملائکہ بنائے اور دسویں ٹکڑے سے وہ پیاری پیاری روح بنائی اور اسے روح محمدی کا خطاب عطا فرمایا، اللہ اکبر!! عالم ارواح میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روحوں کو سبق دیا کرتے، جو روح کامل ہوجاتی اسے کسی نبی کی روح بنا کر دنیا میں ہدایت کے واسطے بھیجا گیا حضور معلم الارواح بھی ہیں اور سید الانبیاء بھی ہیں، صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم، اللہ کو جب یہ منظور ہوا کہ اپنی ربوبیت کو ظاہر کرے اور اس دنیا میں نسل آدم کو پھیلائے تو جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا، ایک مشت خاک لا کے دو، مشت خاک آئی،

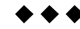
پتلا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تیار کر دیا گیا، عرش کے سامنے یہ پتلا رکھا ہوا ہے، روح سے ارشاد فرمایا گیا: اے روح! اس پتلے کے اندر داخل ہوجا، بتایئے، روح عالم ارواح میں، پتلا عالم خاک میں، تاریک تھا، بالکل اندھیرا تھا، روح نے عرض کیا، یارب العالمین! اس اندھیری کوٹھری کے اندر میں جانے کے لیے تیار نہیں ہوں، فرمایا: ہم سمجھ رہے ہیں، اے جبریل! جاؤ، عرش کے کنگوروں میں ہمارے محبوب کا نور امانت رکھا ہوا ہے، اسے وہاں سے لے آؤ اور آدم کی پیشانی میں اس نور کو امانت رکھ دو، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی جیسے ہی نور پاک سے چمکی، روح ہزار جان سے قربان ہو کر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قالب پاک کے اندر آئی، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنکھیں کھولیں، سر اٹھایا، سر اٹھا کے انہوں نے عرش کو دیکھا، تو اس پر لکھا تھا، **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، عرض کرنے لگے، الٰہ العالمین! کون ہیں یہ محمد، جن کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے، ارشاد فرمایا اے آدم! یہ وہ ہیں جن سے میں خلقت کی ابتدا کروں گا، اور انہیں پہ نبوت کو ختم کروں گا، اے آدم! اگر میں ان کو نہ پیدا کرتا تو میں تجھے نہ پیدا کرتا، یہ زمین نہ پھیلاتا، یہ آسمان نہ اٹھتا، انہ لاقرب الخلق الیّ وہ تمام مخلوق میں سب سے برگزیدہ بزرگ ہیں میرے نزدیک، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے اس نور پاک کی برکت سے مسجود ملائکہ بنایا اور اس کے بعد مقتضائے حکمت الٰہیہ حضرت آدم زمین پر آئے، نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوگیا، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جب وفات کا وقت قریب آیا، آپ نے اپنے سب سے بڑے صاحب زادے حضرت سیدنا شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بستر کے پاس بلایا، فرمایا: شیث! اب ہم دنیا سے جا رہے ہیں، ہم وصیت کرتے ہیں کہ عماد تقویٰ اور عروۂ وثقیٰ کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دینا، حضرت شیث نے عرض کیا: بابا جان! عماد تقویٰ اور عروۂ وثقیٰ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: دیکھو، جب تم لا الٰہ الا اللہ کہنا محمد رسول اللہ ضرور کہنا، کیوں کہ میں نے عرش معلیٰ کے پائے، سدرۃ المنتہیٰ کے پتے، حوروں کے سینے اور فرشتوں کی پیشانیوں پر

لکھا دیکھا ہے، جہاں لا الہ الا اللہ مذکور ہے محمد رسول اللہ ضرور ہے، یہ وہی نام ہے کہ تین سو برس کے بعد مجھے یہ نام یاد آیا اور اس کی برکت سے میری لغزش اجتہادی کو اللہ نے بخش دیا، حضرت شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ نور پاک مرتبہ مرتبہ منتقل ہوتا ہوا، انبیا سے انبیا میں چلتا ہوا، پاک رحموں سے پاک صلبوں میں چلتا ہوں چشم و چراغ حضرت سیدنا عبد المطلب میں منتقل ہوا، حضرت عبد المطلب کہتے ہیں کہ میں ایک رات بستر استراحت پر محو خواب تھا، یکا یک تقدیر آنکھیں ملتی ہوئی جاگ اٹھی، میں نے خواب دیکھا کہ ایک درخت میری پیٹھ سے اُگا ہے، آناً فاناً وہ اتنا بڑا ہوا کہ آسمان تک پہنچا اور اس کی شاخیں مشرق و مغرب میں پھیل گئیں، قریش اس کے نیچے بیٹھے ہیں، سایہ لے رہے ہیں اور کچھ بد بخت قریش اپنے ہاتھ میں کلہاڑی لے کر اسے کاٹنے کی فکر میں ہیں، جب وہ قریب جاتے ہیں تو ایک شخص ان کی پیٹھیں توڑ دیتا ہے اور ان کی آنکھیں نکال لیتا ہے، جیسے ہی آنکھ کھلی ہے۔ایک کاہنہ سے اس خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے تشریف لے گئے، اس نے کہا: اے عبد المطلب ! اگر تمہارا یہ خواب سچا ہے تو تمہاری پیٹھ سے ایک نور چمکنے والا ہے، جس کی چمک مشرق و مغرب کو گھیر لے گی، جو اس کا ساتھ دے گا، کامیاب ہوگا، جو اس سے علاحدہ ہوگا، ناکام ہو جائے گا، پھر یہ نور پاک حضرت عبد اللہ کو منتقل کر دیا گیا، حضرت عبد اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں جس سوکھے ہوئے درخت کے نیچے بیٹھ جاتا تھا، وہ ہرا ہو جاتا، جب میں چلتا تو آسمان سے ابر کا ٹکڑا میرے سر پہ سایہ کرتا تھا۔ کیوں نہ درخت سوکھے ہرے ہوں، ہیں بڑی بھاری امانت کے امین، یہ وہ ہیں جن کا نام لے کر سوکھے ہوئے دل ہرے ہوتے ہیں، روایت ہے کہ بعد بسیار جد و قدح حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقد نکاح حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کیا گیا اور پھر یہ نور پاک صلب پدر سے نکل کر رحم مادر میں جا گزیں ہوا اور آمنہ پاک ارشاد فرماتی ہیں کہ ہر مہینے میں ایک نبی اولوالعزم مہینوں میں سے اور ہر مہینے میں ایک رسول بڑے رسولوں میں سے تشریف لاتے اور مجھ کو میرے ہونے

والے بچے کی خوش خبری سناتے۔ یہاں تک کہ آخری مہینے میں حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہوئے اور انہوں نے ارشاد فرمایا: ابشری یا اٰمنة! اے آمنہ! تمہیں بشارت ہو، تمہارے پیٹ میں امت کا سردار ہے، جب یہ پیدا ہوں تو اس کا نام محمد رکھنا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ فرماتی ہیں مجھ کو کوئی اثر حمل کا معلوم نہ ہوا، جوں جوں دن قریب آ رہے تھے، آواز مرحبا چاروں طرف سے بلند بلند آ رہی تھی، اس سال قریش پہ بڑی مصیبت تھی، اس سے پہلے نہ تو ایک قطرہ پانی برسا تھا نہ زمین نے ایک دانہ اگایا تھا لیکن حضور والا جیسے ہی بطن مادر میں جلوہ گستر ہوئے سب کچھ سب عشرت ہو گئی، تہی دستی سے قوم سے ہاتھ اٹھایا، لیجیے ولادت کی شب آ گئی ہے، عرش جھوم رہا ہے، ستارے زمین کی طرف مائل ہیں، ہر دم شادی کے رسوم ہیں، ہر طرف مبارک کی باد کی دھوم ہے، شور مرحبا سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی، بشریٰ لکم کی صدائیں بلند ہیں، در و دیوار پر بہاریں لوٹ رہی ہیں، شیطان مقید ہیں، نسیم بہاری چلی ہے، شاخ شاخ سے گلے ملی ہے، بلبل ناشاد کے دل کھلے ہیں، گل فرط مسرت سے پھولے نہیں سماتے، کلیوں کی چٹک سے صلاۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ کی آواز آتی ہے، بجلیاں سورہ نور پڑھ رہی ہیں اور بوندیاں درود پڑھتی ہوئی آسمان سے اتر رہی ہیں۔

اے قسمت والو! ہوشیار با ادب با نصیب، بے ادب بے نصیب۔ یہ وقت وہ ہے کہ آفتاب رسالت، ہزاران جاہ وجلال افق سعادت سے چمکنے والا ہے، گل گلستان نبوت سات سو رنگینوں کے کھلا چاہتا ہے، وحوش و طیور چشم براہ و گوش بر آواز ہیں، دیکھو، چشم تصور میں دیکھو، انبیائے کرام کی صفیں ایک طرف ہیں، ملائکہ عظام کی لائنیں ایک طرف ہیں، دونوں طرف والے منتظر ہیں کہ کب وہ نوشاہ برات کے لیے دنیا میں تشریف فرما ہوں، اور کب یہ صلاۃ وسلام کی بارشیں ان کے حضور میں پیش کریں، ایک سماں ہے، دوشنبہ کا دن، صبح صادق کا سہانا، شبھ گھڑی کا وقت ہے، جبرئیل امین بصورت مرغ سفید بارگاہ میں آئے ہیں، آمنہ پاک فرماتی

ہیں، میرے دل میں آیا، یہ وقت وہ ہے جب کہ پاس پڑوس کی عورتیں آتی ہیں اور وہ ایسے وقت میں سہارا دیتی ہیں، فرماتی ہیں کہ میرا یہ کہنا تھا کہ میں نے دیکھا، میرا گھر حسین عورتوں سے بھر گیا، چار آکر میرے سرہانے کے قریب بیٹھیں ایک نے کہا: آمنہ! گھبرانا نہیں، میں سارے آدمیوں کی ماں حوا ہوں، دوسری نے کہا: آپ گھبرائیں نہیں، میں سارے عرب کی ماں ہاجرا ہوں، تیسری نے کہا: آپ گھبرائیں نہیں، میں عیسیٰ کی ماں مریم ہوں، چوتھی نے کہا: آپ گھبرائیں نہیں، میں فرعون کی بیوی آسیہ ہوں اور یہ چاروں کی چاروں میری خدمت میں لگ گئیں، حضرت آمنہ ارشاد فرماتی ہیں، وقت کی گھبراہٹ تھی میرے اوپر کہ حضرت جبرئیل امین نے ایک پیالہ دودھ کا پیش کیا، میں نے وہ دودھ کا پیالہ پیا تو تسکین ہوئی جبرئیل امین نے اپنا پر بڑھایا، میرے شکم پہ اپنا پر مار کے انہوں نے عرض کیا: اذھب یا سید المرسلین! رسولوں کے سردار تشریف لائیے، اذھب یا خاتم النبیین!۔ آخر الانبیاء جلوہ فرمائیے۔



بے مثال بشر

الحمدللہ رب العالمینو الصلوٰۃ علیٰ من علیہ الصلوٰۃ و اعلیٰ اٰلہ و اصحابہ الیٰ یوم النجاۃ،

امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔

صدق اللہ العظیم۔

برادران دین وملت! کل کا اپنا بیان ہم نے اس وعدے پر ختم کیا تھا کہ آنے والی رات میں بشریت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر روشنی ڈالیں گے، آج ہم ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا وہ وعدہ پورا کریں گے، اسی لیے آج میں نے صدر کلام میں جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے وہ وہی انما انا بشر مثلکم کی ہے۔

انما انا بشر مثلکم سے ہم بھاگتے نہیں ہے، انما انا بشر مثلکم کی آیت قرآنی کو ہم چھپانا نہیں چاہتے، قرآن کی چھ ہزار چھ سو چھپن آیتوں میں ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطہ، ایک ایک جزم وتشدید سب اللہ کی وحی سے نازل ہوا ہے اور کوئی دنیا میں ایسی قوت نہیں جو مولیٰ تبارک وتعالیٰ کے کلام الٰہی کو ادھر سے ادھر کر دے، قرآن کا ہی ایک امتیاز ہے

کہ آج قرآن پونے چودہ سو برس سے اس وقت دنیا میں پھولا پھلا پھر رہا ہے، چاہے سورج نکلتا ہے، جہاں چاند کی روشنی ہے، جہاں بلبلیں چہکتی ہیں، جہاں پھول مہکتے ہیں، جہاں ستارے دمکتے ہیں، اور جہاں سیارے جھلکتے ہیں، وہاں قرآن کی آواز پہنچی ہوئی ہے، قرآن صرف مسلمانوں کی کتاب نہیں، قرآن صرف محمدیوں کی کتاب نہیں، قرآن ھدیٰ للناس ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ۔ سارے عالم کو ہدایت دینے کا دیا بن کر آیا ہے قرآن پاک۔

میں بے چارہ کیا حیثیت رکھتا ہوں، ایک معمولی طالب علم سے زیادہ میرا علم ہی کیا ہے، میں تو تمہیں یہ کہہ رہا ہوں کہ قرآن پاک کو اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معاذ اللہ! بفرض باطل، صحابہ اگر یہ چاہتے کہ قرآن پاک میں سے کچھ چھپا لیتے، واللہ نہ چھپا سکتے، کیوں کہ قرآن پاک میں خود تحدی فرمائی ہی: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور قرآن کی حفاظت کرنے والے ہم ہی ہیں، اگر آپ سب پوچھتے ہیں کہ آج مسلمان کے پاس کیا باقی رہ گیا ہے، لٹے ہوئے مسلمان کے پاس خصوصاً اس کفرستان ہند میں مسلمان کے پاس لے دے کے اگر کچھ باقی ہے تو قرآن ہے، جاہ گئی، حشمت گئی، تخت و تاج گیا، خدم و حشم گئے، ہماری دنیا کی سب قوت زیست گئی، ہمارے ہاتھوں میں اگر باقی ہے، جس کی طرف ہماری آخری نظریں لگی ہوئی ہیں وہ صرف قرآن ہے، اور قرآن ہے۔

میرے پیارے دوستو! انما انا بشر مثلکم، قرآن کی ایک آیت ہے، لہٰذا قرآن کی آیت نہ چھپائی جاسکتی ہے، نہ اس پر پردہ ڈالا جاسکتا ہے، مگر ہاں یہ بات ضرور ہے کہ قرآن کی آیت پڑھنے کے وقت، قرآن کی آیت پڑھنے کے بعد، قرآن کے نام سے قرآن کی آیت پڑھ کر، اور اس کے بعد اس کے معنی اپنے دل سے ایسے گڑھنا کہ جو نہ جبرئیل لے کر آئے، نہ صاحب قرآن نے بتائے، نہ ابا بکر کو سکھائے گئے، نہ فاروق اعظم نے سیکھے، نہ جامع قرآن نے

بتائے، نہ علی مرتضیٰ سے سننے میں آئے، نہ حسنین نے وہ سیکھے، نہ ابوحنیفہ نے سیکھے، نہ شافعی کو آئے، نہ مالک نے سیکھے، نہ احمد بن حنبل نے سیکھے، نہ غوث اعظم کو آئے، نہ خواجہ اجمیر کو آئے، نہ شہاب الدین سہروردی نے سیکھے، نہ خواجہ نقش بند نے سیکھے، ایسے معنی قرآن کی آیت پڑھ کر بتائے جائیں تو اس کو مسلمان تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفعت ذکر مبارک کو سننے اور سنانے کے لیے میں نے تم سے کل یہ کہا تھا کہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقت حال کیا ہے؟ واللہ یہ ہے کہ ہم نے نہیں پہچانا، ہم نے کیا نہیں پہچانا، خود حضور نے فرمادیا: ابوبکر تم نے نہیں پہچانا جیسا کہ میں ہوں۔

مجھے ایک بات یہاں یاد آگئی، اندھوں کا شہر تھا، سارے کے سارے بے چارے اندھے تھے وہاں، مولوی سے لے کر چودھری تک سب اندھے تھے وہاں، ان لوگوں کے شہر میں ایک مرتبہ ایک ہاتھی آگیا، شہرت ہوئی ہاتھی آگیا ہے، تو اندھے بے چارے دوڑ پڑے کہ چلو بھیا، تنک ہتھیا دیکھ آئیں، دوڑ کر جب آئے تو سب کے سب اندھے، سارے کے سارے نابینا، ہاتھی کو دیکھیں کیسے؟ اتنے میں ایک بے چارہ اندھا آگے بڑھا، تب اس نے ہاتھی کی سونڈ پر ایسے ہاتھ پھیرا، اس نے ٹٹولا ہاتھی کی سونڈھ کو اور کہنے لگا بھیا! ہم جان گئے، ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسا موٹا رسا، اس وقت دوسرا اندھا وہاں اس کے پیر ٹٹول رہا تھا تو ہاتھی کے پیر اس نے اپنی گود میں بھرے، اوپر سے نیچے تک، کہنے لگا، تم غلط کہت ہو، رسوا نا ہی، ہتھیا ایسا ہوت ہے جیسے کھمبا، جیسے ستون، تب تیسرا بے چارہ فیل وان سے کہنے لگا، اے بھیا! تنک ہم کا اوپر کھینچ لو، تو فیل وان نے اسے اوپر کھینچ لیا، تو وہ بے چارے اس کے کان دیکھ رہے تھے، کان کی چوڑائی، لمبائی دیکھنے کے بعد انہوں نے کہا، تمہو غلط کہت ہو، ہتھیا نہ کھمب جیسا ہوتا ہے، اور نہ رسوا جیسا، ہتھیا تو ایسا ہے جیسا کہ پنکھا ہوت ہے، تب بے چارہ چوتھا اندھا آگے بڑھا، وہ ذرا لمبے قد کا تھا، اس نے کھڑے ہو کر ہاتھی کو پورا ٹٹولا، یہاں سے وہاں تک، اور جب پورا ٹٹول لیا تو بولا تم تینوں

جھوٹ بولت ہو، ہتھیا تو ایسا ہوت ہے جیسا کہ دیوار، اندھوں کا شہر تھا، پہلی دفعہ ہاتھی آیا تھا، کاش کہ ان کی آنکھیں ہوتیں تو وہ ہاتھی کی حقیقت کو سمجھ سکتے، اب جس نے جتنا دیکھا، جو جتنا سمجھ سکا، جس کی عقل جہاں تک پہنچ سکی اس نے ہاتھی کو وہی کہا، ایک بے چارہ سونڈھ تک پہنچا تو اس نے سونڈھ دیکھ کر یہی سمجھا کہ ہاتھی ایک رسا جیسا ہوتا ہے، ایک نے اس کے پیر دیکھے تو اس نے یہ سمجھا کہ ہاتھی کھمب جیسا ہوتا ہے، ایک نے اس کے کان یکھے تو کہا ہاتھی پنکھا جیسا ہوتا ہے، ایک نے ہاتھی کی باڈی دیکھی، جسم دیکھا تو اس نے کہا کہ ہاتھی دیوار جیسا ہوتا ہے، تو ہاتھی کی حقیقت کو کسی نے نہیں پہچانا، اپنی اپنی عقل تک سب پہنچے، بلاتشبیہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے بارے میں ساری مخلوقات نابینا ہے، سب اندھے ہیں، حقیقت محمدیہ کو سمجھنے کے لیے سب اندھے ہیں، بس اتنی بات ہے کہ جس نے جتنا دیکھا، جس کی عقل جتنی پہنچی، جس کے دماغ میں جتنا آیا اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا ہی خیال کیا، اتنا ہی اس نے سمجھا، اب اگر اس سمجھ کے اوپر وہ اندھا یوں لڑے ایک انکھارے سے کہ جس نے سچ مچ ہاتھی دیکھا ہے وہ کہے کہ وہ رے انکھیارے تو جھوٹ بولت ہے، ہم نے تو دیکھ لیا تھا ہاتھی، وہ تو رسی جیسا ہوتا ہے، اس اندھے سے کہا جائے گا کہ بھلے آدمی! تم جس سے لڑ رہے ہو وہ تمہاری طرح اندھا نہیں ہے، وہ انکھیارا ہے، آنکھ والا ہے، اس نے آنکھوں سے ہاتھی دیکھا، تو نے بغیر آنکھ کے خالی ٹٹول کے ہاتھی دیکھا ہے، تو ان اندھوں سے کہہ دو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کے بارے میں ہم اہل سنت سے مت ٹکراؤ ہم نے بحمدہ تعالیٰ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بصیرت سے دیکھا ہے، اور تم اندھوں نے خالی بصارت سے دیکھا ہے، لہٰذا تم نے صرف معمولی بشر سمجھا ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ: **محمد هو بشر لا كالبشر، هو كالياقوت في الحجر**، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر ہیں، مگر ہر بشر جیسے نہیں ہیں وہ تو ایسے ہیں کہ جیسے یاقوت ہوتا ہے پتھروں کے اندر، پتھروں میں جیسے ڈائمنڈ ہوتا ہے، پتھروں میں جیسے اوبی ہوتا ہے،

پتھروں میں جیسے نیلم ہوتا ہے، پتھروں میں جیسے پکھراج ہوتا ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر میں ایسے ہی ہیں۔

اب مجھے بتائیے، جوہری بازار آپ تشریف لے جائیں اور اس کے بعد ایک جوہری سے آکر کہیں کہ مجھے تین ماشے کا ایک نیلم چاہیے جو اپنے ہونے والے داماد کی انگشتریٔ دامادی میں دینا چاہتا ہوں، جوہری آپ کو اپنی تجوری سے نکال کر لفافے پھیلا دے گا اور اس کے بعد کہے گا کہ لیجئے اگر آنکھ ہے آپ کو تو چن لیجیے اس میں سے اصل نیلم بھی اس میں ہیں اور دیکھیے لفافے میں ان کا ڈپلی کیٹ اور مصنوعی نیلم بھی ہیں۔ آپ اگر پرکھنے والے ہیں تو آپ نے اس میں سے ایک نیلم اٹھا کے پرکھا، کہا کہ بس بھائی، آب وتاب، رنگ وناپ میں یہ بہترین نیلم ہے، اسے آپ اپنے کانٹے سے تول دیجیے اور اس کی قیمت بتا دیجیے، نیلم تولا گیا، معلوم ہوا، تین ماشے تین رتی ہے، بھاؤ کے حساب سے اس کا اس نے حساب لگایا، کہا کہ صاحب! سترہ سو روپے کا نیلم ہے یہ، آپ نے پرس نکالا، سترہ سو روپے گنے، اس نے رسید لکھی، ایک صاحب وہاں بیٹھے ہوئے تھے، دیکھا انہوں نے، اے بھیا! یہ نیلم کیا ہوت ہے؟ وہ جوہری کیا جان پاتا کہ یہ صاحب عین غین ہیں، اس کی تو عادت پڑی ہوئی تھی، کہا بھیا، یہ پتھر ہوت ہے، اچھا، عین غین بے چارے چلے گئے، یہ تمہارے نل بازار کی سڑک بن رہی تھی، تو یہاں پر پارٹی نے ڈھیر سے پتھر لا کر ڈالے تھے چھوٹے چھوٹے، ان میں سے ایک پتھر کا روڑا اٹھا کے جوہری بازار پہونچے، وہی دوکان کے اوپر، میاں بولے، جوہری بھیا! کہا، ہاں، ہم اپنے داماد کی انگوٹھی کے واسطے پتھر لائے ہیں، تنک اس کو تول کر اس کی قیمت بتا دیو، جوہری بے چارہ سمجھا کہ پتہ نہیں، نیلم ہے یا یاقوت ہے کہ پکھراج ہے کہ بنا ہے اور نہ جانے کون سا پتھر ہے، کہا لا بھیا! اب جو لایا تو وہ سڑک والا روڑا تھا، اس نے کہا یہ بھائی! یہ پتھر میرے یہاں نہیں تولے جاتے، دیکھو جی، پتھر پتھر ایک برابر، پتھر پتھر ایک برابر، کل تم نے تین ماشے تین رتی کا ایک پتھر سترہ سو روپے کا دیا تھا، میں بھی اپنا یہ پتھر دوسری جگہ تولوا لایا

ہوں، یہ ڈیڑھ چھٹانک کا پتھر ہے۔لہٰذا کم از کم تین ہزار روپے رکھ دو یہاں پر، تو بھیا کیا کہے گا وہ جوہری، معلوم ایسا ہوتا ہے یار کہ تمہارے دماغ کی دو چار نسیں لوز ہوگئی ہیں، انہیں کسواؤ جا کر اور تمہارا راستہ ہندوستان میں بتائے دیتا ہوں، دو تین جگہ ہے، وہاں چھ مہینے کے لیے رہ جاؤ، ممبئی کے ہو تو تھانے میں جگہ ہے تمہاری، اگر بہار صوبے کے ہو تو رانچی میں جگہ ہے تمہاری اور یوپی میں دو جگہ ہیں، آگرہ میں بھی رہتے ہیں اور بریلی میں بھی رہتے ہیں، لہٰذا پہلے وہاں جا کر اپنا دماغ ٹھیک کرائے لیاؤ، بھلے آدمی! تم نے نیلم میں اور یہ سڑک کے روڑے میں فرق نہیں سمجھا، **بشر لا کالبشر، ھو کالیاقوت فی الحجر** محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر ہیں مگر بشروں جیسے نہیں ہیں، وہ ایسے ہیں جیسے یاقوت ہوا کرتا ہے پتھروں کے اندر۔(درود شریف)

ابھی میں تمہیں یہ بتاؤں گا، مجھے ایک بات بتاؤ، سوچ کر بتاؤ اچھی طرح سے کہ جتنی بھی آیتیں پڑھتے ہو تم سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام کے لیے اور اس میں بڑھ کر یہ کہتے ہو، دیکھو قرآن میں لکھا ہوا ہے کہ انبیا جو ہیں، بشر جیسے ہیں، ہمارے جیسے بشر ہیں، دیکھو قرآن میں لکھا ہے، دیکھو قرآنی آیت میں لکھا ہے، دیکھو فلانی سورت میں لکھا ہے، پورا قرآن آپ پڑھ کر دیکھ لیجیے وہ جتنی بھی آیتیں ہیں، وہ ساری کی ساری انبیائے کرام کی زبان پر ہیں، **قل انما انا بشر مثلکم**، کون کہہ رہا ہے، کون کہہ رہا ہے؟ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے، پیارے محبوب! بہت بڑی تمہاری عزت ورفعت ہے، بڑے تمہارے مرتبے ہیں، ان مرتبوں کو دیکھ کر کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان تمہیں خدا سمجھ بیٹھیں، انسان تمہیں اللہ سمجھ لیں، لہٰذا ان انسانوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے ان سے کہہ دو کہ میں خدا نہ ہونے میں تم جیسا ہوں، بس اتنی سی بات ہے، تو **انما انا بشر مثلکم** سارے کے سارے قرآن میں انبیا کی زبان پہ ہے، انبیا کی زبان میں ہے، لیکن اگر کہیں قرآن میں انبیا کو کسی امتی نے یوں کہا ہے کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو، میں چیلنج کرتا ہوں کہ سارے قرآن میں کسی مومن امتی

نے اپنے نبی کو نہیں کہا کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو، دعویٰ ہے ہمارا، باء بسم اللہ سے لے کر سین والناس تک ایک آیت کوئی ایسی ہمیں دکھاؤ، ہمیں ایک آیت چاہئے، ہمیں ایک حرف چاہئے، کسی مومن امتی نے یہ کہا ہو، امت اجابت میں کسی فرد نے یہ کہا ہو، حضرت آدم کی امت میں جو ایمان لایا ہو ان پر اس نے یہ کہا ہو، **یا آدم انت بشر مثلی**، اے آدم! تم ہمارے جیسے بشر ہو، حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو ایمان لے آئے، جو مسلمان ہوئے ان میں سے کسی نے کہا ہو، اے نوح! آپ ہمارے جیسے بشر ہیں، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی امت میں سے کسی مسلمان امتی نے یہ کہا ہو، اے ابراہیم! آپ ہمارے جیسے امتی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی امت میں سے کسی مسلمان امتی نے کہا ہو، اے موسیٰ! آپ ہمارے جیسے بشر ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں کسی مسلمان امتی نے یوں کہا ہو، اے عیسیٰ! آپ ہمارے جیسے بشر ہیں، اور امت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کسی ایک مومن امتی نے یہ کہا ہو، اے حضور! آپ ہمارے جیسے امتی ہیں، آپ ہمارے جیسے بشر ہیں، خدا کی قسم آپ کو سارے قرآن میں کہیں نہ ملے گا۔

تم تو کہو گے، واہ صاحب! آپ ہمیں جھٹلا رہے ہیں، مکر رہے ہیں، قرآن کے اندر ہے، ہے قرآن کے اندر کہ امتی کہہ رہا ہے اپنے انبیا سے کہہ رہا ہے، **ان انتم الا بشر مثلنا**، اے نبیو! تم ہمارے ہی جیسے بشر ہو، ارے ہاں ہاں، مانتا ہوں میں، کہہ رہا ہے امتی لیکن ذرا بڑھ کے دیکھ، قرآن عظیم فرما رہا ہے، **وقال الذین کفروا**، کافروں نے کہا اپنے رسولوں سے، تم ہمارے جیسے بشر ہو، امتیوں میں سے اپنے رسولوں کو ہمارے جیسا بشر کہنے والا کافر ہوا کرتا ہے، مسلمان نہیں ہوا کرتا ہے، کیوں یارو! ہمیں بہکاتے ہو، کیوں تم مسلمانوں کو قرآن عظیم پڑھ کر بس یہ کہ مسلمان قرآن سنتا ہے، قرآن ایسی چیز ہے کہ جس پر مسلمان کا دل دہل جاتا ہے، سر جھکا دیتا ہے، اور تم اس کے غلط معنی بتا کر مسلمانوں کو بہکانا چاہتے ہو، یہ ہے جناب والا سورۂ تغابن، نام

یادرکھنا، سورۂ تغابن اٹھائیسواں پارہ ہے، ارشاد فرماتا ہے: اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ، اے پیارے محبوب! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! یاد رکھا ہے تم نے سورۂ تغابن، اٹھائیسواں پارہ قد سمع اللہ، تاکہ بعد میں یہ نہ کہنا کہ آل مصطفی نے عبارت کافیہ ہمیں سنائی تھی، اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ، اے پیارے محبوب! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ جو آپ کو جھٹلا رہے ہیں، یہ جو آپ کی تکذیب کررہے ہیں، یہ جو آپ کو اپنا آقا ومولیٰ نہیں مان رہے ہیں، یہ جو آپ کو رسول تسلیم نہیں کررہے ہیں، کیا ان کے پاس پہلوں کا قصہ نہیں آیا، کیا انہوں نے پہلوں کا قصہ نہیں سنا، کیا پہلوں کی کہانی انہوں نے نہیں سنی؟ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ جو ان سے پہلے تھے اور کافر تھے، فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ اور ان پہلوں کی کہانیوں میں موجود ہے کہ انہوں نے اپنے کام کا عذاب چکھ لیا تھا، قوم نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے جب یہی کہا کہ ہمارے جیسے تم انسان ہو تو ان پر طوفان نوح آیا، حضرت سیدنا لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم نے جب اپنے نبی کی تکذیب کی تو ان کے پورے شہر کو آسمان تک لے جاکر الٹ دیا گیا، پتھروں کی بارش ہوئی ان پر، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب جھٹلایا تو فرعون کو اس کے ساتھیوں سمیت دریائے مصر میں غرق کردیا گیا، حضرت ہود کی قوم، حضرت صالح کی قوم، حضرت شعیب کی قوم، ان سارے انبیا کی قوموں نے جب اپنے انبیا کو جھٹلایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے کیے کا عذاب انہیں چکھا دیا، وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ اور دردناک عذاب دیا۔ ابھی ختم نہیں ہوئی آیت، مضمون ختم نہیں ہوا، فرماتا ہے: ذٰلِکَ بِاَنَّهٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّهۡدُوۡنَنَا فَکَفَرُوۡا وَتَوَلَّوۡا وَّاسۡتَغۡنَی اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ کہہ دیجیے ان سے کہ جو پہلوں کا حال ہوا کہ انہیں عذاب آئے، وہ تباہ وبرباد ہوئے، کیوں ہوئے؟ ذٰلِکَ بِاَنَّهٗ، کوئی سا قرآن اٹھالو، کسی کا ترجمہ ہو اس میں، قادیانی کا ہو، شیعہ کا ہو، غیر مقلد کا ہو، یا کسی سنی کا ترجمہ ہو یا کسی انگریز کا ترجمہ ہو، یا کسی پنڈت نے ترجمہ کیا

ہے، بہرحال دنیا کی ساری زبانوں میں قرآن کا ترجمہ ہوچکا ہے، کسی کا ترجمہ اٹھا کے دیکھ لو، فرماتا ہے، یہ اس لیے ہوا، ذٰلِکَ بِاَنَّهٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ۔ ان کے پاس ان کے رسول آئے، کیوں عذاب چکھا! اللہ فرماتا ہے، تمہاری قوم پوچھے گی یارسول اللہ! یا محمد رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! بتائیے ہمیں کہ اگلی امتوں نے کیوں عذاب چکھا تو ان سے فرمادیجیے ذٰلِکَ بِاَنَّهٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ، یہ اس لیے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول آئے، آیات بینات لے کر، دلیلیں لے کر آئے، رسول آئے دلیلیں لے کر، حضرت صالح آئے دلیلیں لے کر، حضرت لوط آئے دلیلیں لے کر، حضرت نوح آئے دلیلیں لے کر، ذٰلِکَ بِاَنَّهٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡهِمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ۔ جب یہ دلیلیں پیش کی گئیں ان کو، تو کیا ہوا؟ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّهۡدُوۡنَنَا، تو یہ قوم والے کہنے لگے، کیا بشر ہمیں ہدایت دے گا؟ کیا کہا کافروں نے؟ اَبَشَرٌ یَّهۡدُوۡنَنَا، کیا انسان ہمارے جیسا ہمیں ہدایت دے گا؟ فَکَفَرُوۡا، رسولوں کو اپنا جیسا بشر کہہ کے کافر ہوگئے فَکَفَرُوۡا، کافر ہوگئے وَتَوَلَّوۡا، اور اپنی پیٹھ کے پیچھے بھاگ گئے، وہ الٹے بھاگ گئے وَّاسۡتَغۡنَی اللّٰهُ اور اللہ ان سے بے پروا ہوگیا، ہزار ایسے ہوجائیں، لاکھ ایسے ہوجائیں، کروڑ اگر چھوڑ دیں سیدھے راستے کو، میں کہتا ہوں، سارا عالم چھوڑ دے معاذ اللہ سیدھے راستے کو، سارے عالم نے منہ پھیر لیا ہو سیدھے راستے سے بفرض، تو اللہ کو کوئی پروا نہیں، اللہ غنی ہے، وَّاسۡتَغۡنَی اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ اللہ بے پروا ہے، بے نیاز ہے، ستودہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ۔

ثابت ہوگیا، معلوم ہوگیا کہ اپنے انبیا کو جو انکار کرکے، کفر کرکے توہین کے لیے بشر کہتے ہیں، وہ مسلمان نہیں ہوتے، کافر ہوا کرتے ہیں، تم نے کبھی نہ سنا ہوگا، ایک بھی حدیث لاؤ، جس میں حضرت سیدنا ابا بکر صدیق عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرور عالم سے عرض کیا ہو کہ یارسول اللہ! آپ ہمارے جیسے بشر ہیں، ایک کوئی قول لاؤ عمر فاروق نے کہا ہو، عثمان غنی نے کہا ہو، علی مرتضیٰ نے فرمایا ہو رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، کسی ایک نے بھی نہیں کہا کہ یارسول اللہ! آپ

ہمارے جیسے بشر ہیں، کیا کہا رسولوں نے اس کے جواب میں؟ تمہیں یہ بھی معلوم ہے، آج بشریت ہی پر گفتگو چلے گی ان شاء اللہ تعالیٰ، کیا کہا رسولوں؟ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ پارہ بتاؤں اس کا؟ سورت بتاؤں؟ سورۂ ابراہیم پارہ ۱۳واں، وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ۔ میں تمہیں بار بار حوالے اس لیے دے رہا ہوں تاکہ تم میرے اوپر شک نہ کرو، شبہ نہ کرو، کہ ہم بے چارے جاہل تھے، مولوی صاحب کرسی پہ بیٹھ گئے، اور ہمیں بھیڑوں کی طرح جدھر چاہا ہانک دیا، نہیں، قرآن مسجدوں میں رکھا ہے، قرآن تمہارے گھروں میں ہے، تمہاری بیٹیوں کے جہیزوں میں قرآن جاتا ہے، قرآن بخاری نہیں ہے، قرآن ترمذی نہیں ہے، قرآن سنن ابو داؤد نہیں ہے، قرآن طبرانی نہیں ہے کہ تم کہو کہ ہم نے پڑھی نہیں تھی، ہمارے پاس تو ہے نہیں، کتب خانوں میں ملتی نہیں ہے، قرآن تو گھر گھر بسا ہوا ہے، عالم یہ ہے کہ قرآن آج پنڈتوں کے یہاں موجود ہے، قرآن آج پادریوں کے پاس موجود ہے، آریوں کے پرچارکوں کے یہاں قرآن رکھا ہوا ہے، جو میں نے تمہیں آیت بتائی، تیرھواں پارہ، سورہ ابراہیم، جب کہا انہوں نے اپنے رسولوں سے کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو، جواب دیا رسولوں نے، ان نحن الا بشر مثلکم، ہم تمہارے جیسے بشر ہیں، ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ، لیکن اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے فضل فرماتا ہے، تو اس کو معمولی بشریت سے اٹھا کر آگے بڑھا دیتا ہے، مجھے آپ بتایئے خدا کے لیے، ان نحن الا بشر مثلکم یاد رہ گیا ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ، کیا روٹی کے ساتھ کھا گئے؟ بلکہ اب تو بڑا آسان ہو گیا معاملہ، ایک شخص نے نماز پڑھتے پڑھتے چھوڑ دی، اچھا، آدھا نماز تھی، تو نماز بھی چھوڑ دی اس نے، تو لوگوں نے پوچھا، کہ او بدبخت! بوڑھا ہو گیا تو نماز پڑھتے پڑھتے، اب بڑھاپے میں تیرے اوپر کیا مصیبت نازل ہوئی؟ کہ تو نے نماز چھوڑ دی، کہنے لگا، بات یہ ہے کہ میں کل قرآن پڑھ رہا تھا، قرآن میں لکھا ہے کہ نماز کے قریب

بھی مت جاؤ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، وہ بے چارہ سننے والا تو دہل گیا اپنی جگہ پر، اچھا، قرآن میں لکھا ہے؟ کہا، ہاں، ہاں قرآن میں لکھا ہے، تمہارے مولوی آل مصطفی ہی نہیں بتاتے ہیں سورۂ اور پارہ میں بھی بتا سکتا ہوں سورت اور پارہ، کہا، اچھا بتاؤ سورت اور پارہ؟ کہنے لگا، پانچویں پارہ؟ سورۂ نسا میں لکھا ہے کہ اے مسلمانو! نماز کے قریب مت جاؤ، اب بے چارہ بڑا پریشان ہوا وہ مسلمان، کہنے لگا، لو، یہ مولوی صاحب تو دن رات کہا کرتے ہیں، نماز پڑھو، نماز پڑھو، ڈاکٹر وارث صاحب تو تیاری کر کے اٹھتے ہیں نماز پڑھانے کی اور یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں لکھا ہے کہ نماز کے قریب بھی مت جاؤ، تو اس نے کہا، نہیں صاحب! ایسے نہیں یقین ہم کو آئے گا، آپ ہمیں لا کر قرآن دکھایئے، کہا: ابھی لا کر قرآن دکھاتا ہوں، لایا اٹھا کر قرآن، سامنے رکھا، کہا، دیکھ، کیسے رکھی انگلی اس نے؟ یوں رکھی، یوں، تو آ گیا، یا ایھا الذین اٰمنوا الا تقربوا الصلوٰۃ، کو تو رکھا سامنے اور اس کے آگے رکھی انگلی، کہا، دیکھ اس میں، وہ بے چارہ جاہل تھا، مگر تنک قرآن پڑھا ہوا تھا، اس نے پڑھا، یا ایھا الذین اٰمنوا لاتقربوا الصلاۃ، کہا دیکھ نیچے ترجمہ لکھا ہے اردو میں، نیچے لکھا تھا اے مسلمان! نماز کے قریب مت جاؤ، تو اس کا دل قریب تھا کہ پھٹ جائے، فیل ہو جائے، پھر خود اس نے بھی سوچا، چلو اپنا بھی معاملہ بدلا، آج سے اپنی بھی نماز بند آج سے، اللہ کا فضل و کرم تھا کہ کئی ایک وہاں سنی مسلمان بھی پہنچے ہوئے تھے، انہوں نے غور سے دیکھا، پہنچ جاتے ہیں اللہ کے بندے ایسے وقت میں، ایک بات یاد دلاؤں، تمہیں یاد ہے کہ ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں جن کا نام ہے ملا دو پیازہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، تم آج کہہ رہے ہو کہ وہ تو ایک مسخرے تھے، نہیں، بزرگوں نے بتایا ہے کہ وہ پردہ ڈالے ہوئے تھے اپنے اوپر مسخری کا اور انہوں نے دو بادشاہتوں کو گمراہی سے بچایا، اکبر کو اور جہانگیر کو اور ایک کام تو ایسا کر گئے ملا دو پیازہ، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ اگر وہ کام نہ کر جاتے تو آج سارا ہندوستان سنی اسلام کے رنگ میں رنگا ہوتا، تو ملا دو پیازہ اس پھیر میں رہتے تھے کہ اکبر کو کوئی گمراہ نہ کرے اور راجہ

بیربل اس پھیر میں رہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح ان کو ہندویت کی طرف مائل کرلیا جائے، ایک دفعہ ایسا ہوا، بیربل نے ایک بڑی عمارت تیار کرائی، بڑا محل سرا، جب وہ بن کر تیار ہوگئی، تو اس نے کہا: مہابلی جہاں پناہ! آپ کے غلام نے ایک حویلی تیار کرائی ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس کا ادگھاٹن آپ کریں اور چل کر اس حویلی میں اپنے چرنوں سے اس کو پَوِتر کردیں، بادشاہ نے کہا: اچھا، چلو، چلیں گے، اکبر بادشاہ چلے، بیربل ساتھ تھے، جب دروازے پر پہنچے تو بیربل نے دربان سے کہا، دیکھ، اگر کہیں سے ملا دو پیازہ آجائیں تو خبردار اسے اندر آنے مت دینا، اس نے کہا: بہت اچھا حضور! نہیں آنے دیں گے، چلے گئے بیربل، چلے گئے شہنشاہ اندر دکھاتے پھر رہے تھے ادھر سے ادھر، ادھر سے ادھر، دو تصویریں آمنے سامنے بنی تھیں، ایک تصویر ان میں مہاتمی کی سی بنی تھی اور ایک بے چارے مسلمان کی بنی تھی، اس میں مہاتما جی کیا کر رہے تھے؟ آنکھیں بند، ایک ہاتھ میں مالا اور ایک ہاتھ پھیلا ہوا تھا اور وہ اطمینان سے چار زانوں چت بیٹھے تھے اور مسلمان بھائی کیا کر رہے تھے، ایک ہاتھ سے گوشت کا ایک ہڈا ٹٹول رہے تھے اور ایک ہاتھ سے استنجا کر رہے تھے، اچھا جناب والا! اتنے میں ملا دو پیازہ کو خبر ہوئی کہ بیربل پہنچ گیا نئی حویلی میں، آئے دوڑتے ہوئے، دربان نے کہا، ملا جی! آپ کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے، کہا، ارے بے وقوف! ایسا ضروری کام لے کر آیا ہوں کہ آج تو ڈھیر انعام ملے گا، اچھا وعدہ کرتا ہوں کہ آج اپنا انعام تجھے دے دوں گا، جانے دو اندر، آگیا جناب والا وہ کہے میں، کہا اچھا جاؤ ملا جی، انعام دلاؤ گے، کہا، سارے کا سارا، ملا جی پہنچ گئے اندر، اور عین اس وقت پہنچے تو کیا کہہ رہے تھے، بیربل، کہہ رہے تھے، مہابلی! ذرا ملاحظہ فرمایئے، یہ مہاتما ہمارے، گیان دھیان میں ہیں، ایک ہاتھ میں مالا ہے، ایک ہاتھ ایشور کے سامنے پھیلا ہوا ہے اور یہ صاحب مسلمان بھائی ہیں، ذرا ان کو دیکھیے، ملاحظہ کیجیے، کھانے کا کیا طریقہ ہے؟ کہ نوچ رہے ہیں ہڈا اور دیکھیے تو سہی اس کے ایک ہاتھ استنجے میں بھی ہے، ارے استنجا کر کے کھایا ہوتا، ملا

جی آگے بڑھے، کہنے لگے، مہابلی! میں ادب سے معافی مانگتا ہوں، معاملہ یہ نہیں ہے، معاملہ صرف اتنا ہے کہ مہاتما جی پڑھ تو رہے ہیں ایشور کا گیان، مگر دھیان لگائے ہوئے ہیں اس ہڈے کی طرف اور ہاتھ پھیلائے ہوئے ایسے کہہ رہے ہیں، تنک ہم کا دے دو، تو میاں بتا رہے ہیں، وہ تو نہیں، یہ ملے گا، یہ ملے گا، بس اتنا جو کہنا تھا، بادشاہ نے کہا، ٹھیک کہتے ہو تم ملا جی، صحیح کہا تم نے ملا جی! اتنے سے اس کا سارا کام بکھر گیا اور بیربل نے کہا: ہٹ کم بخت! تو کہاں سے آگیا؟ بادشاہ نے کہا: خبردار، انعام دینے کی بات کہی ہے، تم نے آج ہمیں چکرانا چاہا تھا، بولو، ملا! کیا انعام چاہتے ہو، کہا سرکار! آج تو میں منہ مانگا انعام چاہتا ہوں، مانگو کیا مانگنا چاہتے ہو؟ کہا، حضور! آج میں یہ چاہتا ہوں کہ دس جوتے میرے سر پہ مار دیے جائیں، ارے بے وقوف آدمی! یہ بھی کوئی انعام ہوا، میں نے سرکار عرض کر دیا تاکہ منہ مانگا انعام اچھا، بھئی تمہاری خوشی، اچھا دیں گے تمہیں دس جوتے انعام میں، کہا، مگر میرا وعدہ ہے سرکار کہ بیربل کا جو دربان باہر بیٹھا ہوا ہے آج اس سے وعدہ کر آیا ہوں کہ سارا انعام تیرے حصے میں، انعام سنتے ہو تم، سمجھ لیا تم نے، سمجھے نہیں تم، کہ ایسے موقع پر کوئی خدا کا بندہ پہنچ جاتا ہے، ہدایت دینے کے واسطے۔ تو جب پڑھا رہے تھے ملا جی، دیکھ وہ قرآن میں لکھا ہے، يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ اے مسلمانو! نماز کے قریب بھی مت جاؤ، اور انگلی رکھے ہوئے تھے نابکار، ایک سنی مسلمان پہنچا، اس نے دیکھا اور دیکھ کے وہ سمجھ گیا کہ یہ نابکار اسے بے نمازی بنانا چاہتا ہے، فوراً جا کے کہا: ابے یہ ہاتھ تو ہٹا یہاں سے، ہاتھ کہاں رکھ لیا یہاں پر، ہاتھ ہٹا یہاں سے، اب ہاتھ نہیں ہٹاتا، کہا، ہاتھ نہیں ہٹاتا تو انگلی قلم کردوں گا، ایک کا ایمان کھو رہا ہے، اب جو ہاتھ ہٹایا، تو پوری آیت اس میں یوں لکھی تھی: یاایھا الذین اٰمنوا لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکریٰ، اے مسلمانو! نشے کی حالت میں تم نماز کے قریب مت جانا، نشے کی حالت میں نماز نہیں ہوتی ہے، ارے کم بخت! تو تو کہہ رہا تھا کہ نماز کے قریب مت جاؤ، قرآن میں لکھا ہے، قرآن تو یہ کہہ رہا ہے کہ نشے کی حالت میں

نماز کے قریب مت جاؤ، تو اس طرح سے اگر تم نے قرآن پڑھانا شروع کیا تو پھر تو بھیا! بڑے لطف رہیں گے، دسوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں ہوگا، نہیں، قرآن ایسے نہیں پڑھایا جاتا، قرآن ایسے نہیں پڑھا جاتا، قرآن کو بڑی دیانت داری سے پڑھانا پڑے گا، قرآن کا معنی اپنے مطلب کے موافق تم نہیں گڑھ سکتے، قرآن کے معنی تمہاری اپنی تفسیر میں نہیں آئیں گے، قرآن کے معنی وہ ہیں جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ اور اہل بیت کو بتائے، صحابہ اور اہل بیت نے تابعین کو بتائے، تابعین نے ائمہ مجتہدین کو بتائے، ائمہ مجتہدین نے اولیائے کاملین کو بتائے، اولیائے کاملین نے علمائے واصلین کو بتائے، علمائے واصلین نے عامۂ مومنین کو بتائے، یہ قرآن سمجھنے کا راستہ ہے، وہ راستہ نہیں ہے، آپ نے غور کیا، اللہ اکبر، مجھے ایک بات تو بتاؤ خدا کے واسطے، اچھا، مان لیا صاحب، تمہاری ہم نے مان ہی لی، تم جو کہتے ہو، انما انا بشر مثلکم سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اور معاذ اللہ تمہیں بھی یہ کہنے کا حق ہو گیا کہ حضور ہمارے جیسے بشر ہیں، استغفر اللہ، مگر ایک بات تو بتاؤ، اگر یہ سب ہو جائے کہ حضور والا بشر ہیں ہمارے جیسے، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جو فضائل کریمہ ہیں وہ کیسے کٹ گئے اس بشریت سے۔ بشر مثلکم کو جب تک تم یوں نہ کہو کہ ہمارے جیسے معمولی بشر ہیں اس وقت تک تم فضائل محمدیہ کو قطع نہیں کر سکتے۔ اب پہلے میں تمہیں یہ بھی بتاؤں کہ بشر کے لغوی معنی کیا ہیں؟ میرے دوستو، بھائیو!! ایسا نہیں ہے کہ میں تمہارے دماغوں کو خواہ مخواہ اپنے عقائد کی طرف مائل کرنا چاہتا ہوں، نہیں، میں چاہتا ہوں کہ تحقیق و تدقیق کی روشنی میں روشن کروں تمہارے دماغ، تا کہ تم خود کہہ اٹھو کہ آپ نے جو کہا وہ صحیح کہا۔ میں اور تم دونوں ہندوستان میں، کیوں بھئی! ہیں نا ہندوستانی ہم دونوں، اچھا، تو ہماری تمہاری دونوں کی زبان کیا ہے؟ چاہے اسے ہندوستانی کہہ لو اور چاہے پرانی روش پر اردو کہہ لو، اگر چہ یہ بات ضرور ہے کہ غریب اردو آج کل ہندوستان میں سوتیلی بیٹی ہو گئی ہے، عجیب بات ہے، جس اردو نے آزادی کے لیے خون جگر دیا، سن ۵۷ سے

لے کر سن ۴۷ تک آزادی کے لیے اردو لڑائی لڑی یا نہیں لڑی؟ انقلاب زندہ باد، کہا، اخبارات چھپ رہے ہیں، شوکت علی اور محمد علی کی تقریریں ہو رہی ہیں، کاہے میں ہو رہی تھی، بولو جی، فارسی میں ہو رہی تھی، عربی میں ہو رہی تھی؟ تم نے ممبئی میں آزادی پر جب تقریر سنی تو کون سی زبان میں سن رہے تھے میرے یارو! اردو میں سن رہے تھے، اچھا بھئی! اردو میں تم نے آزادی سنی، تقریباً سو برس سے کچھ کم تک اور جب آزاد ہوا ہمارا دیش تو اردو نے یہ سوچا کہ بھئی سب کو اپنے کیے کا صلہ ملے گا، پھر اس نے خوشی منائی، چلو بھائی، اپنے ایوان بالا میں، اپنی بڑی قانونی اسمبلی میں، جہاں آئین بھارت پیش ہوا، تو اس میں چودہ زبانوں میں ہمارا بھی نام لکھ لیا گیا، اردو نے یہ سوچا، لیکن اس کے بعد سے جو اردو کو پچھاڑا ہے یار لوگوں نے اور کم بختوں نے، ارے یار! کم از کم سیدھی چھری چلائی ہوئی، تو ایک ہی دفعہ ذبح ہو جاتی، سیدھی نہیں، بلکہ الٹی چھری سے اردو حلال کی جا رہی ہے، قصور کیا ہے اردو کا؟ کہ اردو الٹی سے سیدھی کی طرف جاتی ہے کیوں کہ قرآن بھی ادھر سے ادھر لکھا جاتا ہے، اس واسطے اردو قرآن کی زبان ہے، اے سبحان اللہ!!! قرآن کہتا ہے میں عربی مبین میں ہوں، آج مکے اور مدینے میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ بھی قرآن کی زبان نہیں ہے، مکے مدینے کی آج جو عربی ہے وہ بھی قرآن کی زبان نہیں ہے، اور تم یہ کہتے ہو کہ اردو قرآن کی زبان ہے، لہٰذا اپنے کو ناپسند ہے اور قصور کیا ہے اردو کا؟ کہ اردو مسلمان کی زبان ہے لہٰذا ہمیں پسند نہیں ہے، پہلے تو یہ کہنا ہی غلط ہے کہ اردو مسلمان کی زبان ہے، اردو ہندو کی زبان کی ہے، اردو مسلمان کی زبان ہے اردو تیلگو کی زبان ہے اردو تامل کی زبان ہے، اردو ہندوستان میں ہر قوم کی زبان ہے، لیکن مان لیا جائے، تسلیم کر لیا جائے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے تو صاحب چار کروڑ مسلمان کو گونی میں باندھ کر، گٹھری میں باندھ کر لا کے سمندر میں ڈال دونا، ڈال دو چار کروڑ کو جس دن لا کر ڈال دو گے، اس بحر عرب کے اندر اور وہ بھی ایسی گونی میں کوئی ابھرنے نہ پائے تب اس کے بعد تم یہ کہہ سکتے ہو، چوں کہ اردو کی

نسبت مسلمانوں کے ساتھ ہے لہٰذاہ ہمیں ناپسند ہے، مان لیا کہ مسلمانوں کی زبان ہے تو کیا مسلمان ایسے قصوروالے ہیں کیا مسلمان ایسے مجرم ہیں تو آج اردو زبان ہی کیا؟ کل تم یہ کہو گے کہ ہمیں ناپسند ہے کیوں کہ مسلمانوں کے دین کی کتاب ہے، پرسوں کہو گے کہ ہمیں مسجدیں ناپسند ہیں، کیوں کہ مسلمانوں کی دین کی جگہیں ہیں، نرسوں کہو گے ہمیں درگاہیں ناپسند ہیں، کیوں کہ مسلمانوں کے بزرگوں کی مدفن ہیں، آخرکار یہ کہہ دوگے کیوں کہ مسلمان ناپسند ہیں، ہم نہیں چاہتے، مسلمانوں کو، تو میاں! یہ ناک یہاں سے کیوں پکڑتے ہو، ارے ایں کہہ کر کیوں؟ سیدھی ناک پکڑ لو یوں کہہ کر۔ سیدھی سیدھی بات کہہ دو، او مسلمانو! او لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے پڑھنے والو! ہم تمہیں نہیں چاہتے، ہم تمہیں ناپسند کرتے ہیں ہماری بھارت کی بھومی سے تم نکل جاؤ، خدا کی قسم!! ذرا ایک دفعہ کہہ کے دیکھو تو دیکھو کیا مزہ آتا ہے۔

پھر دیکھو کیا مزا آتا ہے، ایک دفعہ کہہ دو، تو اگر بھارت کی زمین پر دوسری کربلا نہ تیار ہوجائے تو سید کی گردن قطع کردینا، کیا کہنا ہے تمہارا؟ کیا بات کہی ہے؟ تمہیں سمجھنا پڑے گا مسلمان کو، مسلمان بڑا وفادار ہے، یادرکھو جو اپنے پیدا کرنے والے کا وفادار ہے وہ کسی کا غدار نہیں ہوتا، جو محبوب خدا سے محبت کرتا ہے، وہ کسی سے ناجائز عداوت نہیں کرتا، کیا کہنا، مسلمان معلم ہے اس جہان میں، اس نے اس جہان میں تہذیب سکھائی ہے، ہم نے تمہیں پڑھایا ہے، ہم نے تمہیں سکھایا ہے، ہم نے تمہیں آدمی بنایا اور اگر بن جاؤ تو آدمی سے انسان بنانے کی کوششیں کی ہیں، تو جناب والا! وہ بے چاری تمہاری اردو آج ہمارے سامنے آواز بلند کررہی ہے اور مسلمانوں نے نہیں بلکہ دونوں قوموں کے انصاف پروروں نے مل کر بیس لاکھ دستخط ہمارے صدر ہند کے پاس پیش کردیے ہیں لیکن تقریباً پانچ سال ہونے کو آئے کہ وہ دستخط پڑے ہوئے سڑرہے ہیں، چار برساتیں گزرگئیں ان پر، بیس لاکھ تحریریں، بیس لاکھ انسانوں کے ہاتھ چلے ہوئے قلم یہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اردو کو زندہ رہنے دیجیے اردو زندہ رہے گی،

یادرکھو کہ اگر ہندی مرے گی تو اردو مرے گی اور اگر اردو کو تم نے مارنا چاہا تو ہم ڈوبتے ہوئے ہیں، ڈوبتا ہوا جس کی ٹانگ پکڑ لیتا ہے ساتھ میں لے ڈوبتا ہے، یادرکھنا ہمیں ڈبونے کی اگر کوشش کی تو۔

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے

آسانی سے ہمیں نہیں ڈبویا جاسکتا۔

تو میں یہ تم سے کہہ رہا ہوں، اردو میں ایک لطیفہ یاد آگیا، اپنے بے چارے چچا غالبؔ اردو معلیٰ کہتے ہوئے چلے گئے قبر میں اور صاحب! دیوان غالب لکھ گئے۔ دیوان غالب میں انہوں نے بیٹھے بیٹھے ایک شعر چھٹکادیا، شعر تو بڑے مزے کا تھا، بیمار تھے غالب فرقت یار میں، وہ یار نہیں یار، ڈولی یار نہیں، غالب کا یار دوسرا کوئی یار تھا، اپنے یار کے فراق میں دبلے ہوگئے تھے، بیمار پڑے تھے بستر پر، اب گئے تب گئے، یکایک دربان نے آکر کہا، نباض، بہادر خوش ہوجایئے، کہا، کیوں! کہا: آپ کا یار آرہا ہے، مزاج پرسی کے لیے، اتنے میں دیکھا کہ معشوق بانداز خرام چلا آرہا ہے، مرتے ہوئے غالب نے جو درشن کیے، جو دیکھا، ان کے اوپر رونق آگئی، چہرہ تروتازہ ہوگیا، یار نے آکے دیکھا، تو تیوری چڑھا کے کہنے لگا، جھوٹے ہیں سارے کہنے والے، ہمیں بہکا دیا تھا کہ غالب مر رہے ہیں، غالب کا جنازہ اٹھنے والا ہے، غال نیم بسمل ہیں، غالب دم توڑ رہے ہیں، اچھے خاصے تو پڑے ہوئے ہو یار! دیکھو تو سہی، تمہارے اوپر کیسی تازگی ہویدا ہے، چلو نا جو ہے خواہ مخواہ میں نے وقت ضائع کیا، تو غالب نے وہیں پڑے پڑے کہا ؎

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

سرکار! یہ بات نہیں ہے، میں تو مرہی رہا ہوں، مگر یہ کرم آپ کا ہے، آپ کی آمد نے تن

بے جان میں جان ڈال دی، آپ کا ذرا مکھڑا دیکھ لیا، آپ کے چہرے پر ایک نظر ڈال دی تو بیمار کے چہرے پر تو تازگی آگئی ہے، شعر یہ تھا، شعر یاد ہو گیا کہ نہیں۔

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

اردو کا شعر تھا، نہ ہندی کا تھا نہ فارسی کا تھا، اب جناب یہ شعر غالب کے تقریباً سو برس بعد دلی سے چلتا چلاتا لکھنؤ پہنچا اور اپنے یوپی کے راج رشی مسٹر ٹنڈن جی مہاراج کی خدمت میں باریاب ہوا، ٹنڈن جی مہراج نے سنا، پڑھا، اور ایسے منہ بچوڑ لیا جیسے کہ گھٹائی کھالی ہو، ماتھے پہ تیوری ڈال لی، کہنے لگے جاؤ اردو کا شعر ہمارے سامنے سے لے جاؤ، اپنے کو اردو کا شعر پسند نہیں ہے، دیکھو، ہندی کا راج ہے، ہندی راج بھاشا ہے اور ہم جس طرح کہ بیمار ضدی ہو تو اس کے گلے میں زبردستی دوا کی گولی ٹھونسی جاتی ہے ایسے ہم ہندی کو ہندوستان والوں کے پیٹ میں زبردستی ٹھونس دیں گے، تو ہم اصلاح کرتے ہیں غالب کے شعر کی، اچھا، کردیجیے اصلاح، ہمارے رواج میں اصلاح کہتے ہیں حجامت کرنے کو، انہوں نے اصلاح ہی کردی، کیا اصلاح کی؟ کہنے لگے ؎

ان کے درشن سے جو آجاتی ہے مکھ پر شوبھا

پہلا مصرع یاد رکھو اس کا:

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق

اب پڑھو یہ مصرع:

ان کے درشن سے جو آجاتی ہے مکھ پر شوبھا
وہ سمجھتے ہیں کہ روزی کی دَشا اُتّم ہے

کوئی بے چارہ وہاں بیٹھا ہوا تھا زندہ دل، فوراً اس کے ہاتھ اٹھائے، الفاتحہ، یا اللہ! یہ جو

شعر ٹنڈن جی مہاراج نے حجامت کیا ہوا پڑھا ہے اگر غالب یہاں سے سن گئے ہیں تو اس شعر کا ثواب انہیں بخش دے، تاکہ اپنی قبر میں وہ بھی یاد کریں کہ ہم سے ستر برس کے بعد ہمارا ایک نادیدہ شاگرد پیدا ہوا، جن کا نام تھا راج رشی ٹنڈی جی، انہوں نے ہمارے شعر کی حیدرآباد کی زبان میں اصلاح کردی، کاش سیدھے استرے سے کی ہوتی، تو خالی بال جاتے، الٹے سے کی تو بال کے ساتھ کھال بھی چلی گئی۔

ہاں، تو اب میں آیا پھر اپنی جگہ پر، کہ قرآن جیسی فرقان حمید اردو میں نہیں، اور ہم تم دونوں اردو والے ہیں، چاہے ہندوستان والے ہیں، تو پھر قرآن کاہے میں ہے؟ عربی مبین میں ہے، سچ کہتا ہوں، آج تم مکے مدینے میں چلے جاؤ، وہاں تم قرآن کی عربی بولو، تو ایسے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں: ان تتکلموا فی القرآن عربیا، تم قرآن کی عربی میں باتیں کرتے ہو، حضرت شیر بیشۂ اہل سنت، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو صحت قائم دائم عاجل عطا فرمائے، پچھلے حج میں میں اور وہ ساتھ ساتھ تھے، صبح کو انہوں نے طواف کیا، طواف کے بعد دو رکعت مقام ابراہیم پر پڑھنا واجب ہے، لیکن فجر کی زبان کے بعد نوافل نہیں پڑھے جاسکتے، لہٰذا وہ مقام ابراہیم کے پاس بیٹھے تھے اور انتظار کررہے تھے کہ سورج نکل آئے، نیزہ بھر چڑھ جائے تو میں وہ دونوں نوافل پڑھ لوں، اور تمہیں معلوم ہے کہ اٹھتے بیٹھتے ان کا ایک ہی کلمہ ہے، یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اللہ اسی پر ہمیں زندہ رکھے اور اسی پہ ہمیں موت عطا فرمائے، تو کہیں انہوں نے کہہ دیا یارسول اللہ! اس وقت وہاں پر چند گھوڑے، چند خچرے ادھر سے ادھر پھر رہے تھے، انہوں نے سنا، آپ کو معلوم ہے، جب یہاں سے ہم گئے ہیں حج کو، تو ہندوستان سے تار دیا گیا حکومت سعودیہ کو کہ تیار ہوجانا، حشمت علی آرہے ہیں، آل مصطفی آرہا ہے، شمس الاسلام آرہے ہیں اور سعد اللہ مکی آرہے ہیں، یہی کل چار دشمن ہیں تمہارے ہندوستان میں تو اب جناب والا حشمت علی کو دیکھا انہوں نے، کہا، ایسا ہے شمس الاسلام نکل گئے ہندوستان کو، آل مصطفی روانا ہو گیا لہٰذا

ہاتھ ڈال دو، کیا کہا تم نے؟ کہا: یارسول اللہ، تو پکڑ لے گئے قاضی کے یہاں، بڑے مزے کی بات ہے کہ قاضی بیٹھے تھے اوپر مکے کے، جب مولانا حشمت علی خاں صاحب، شیر بیشۂ اہل سنت دامت برکاتہم چڑھنے لگے سیڑھیوں پر تو وہ دیوار کی طرح بالکل سیدھی تھی اور حضرت بالکل ضعیف بھی ہو گئے ہیں، چڑھتے ہوئے پھر انہوں نے کہا، یارسول اللہ! چڑھانے والوں نے کہا، ارے یہی تو معاملہ ہے، یہی تو جرم ہے آپ کا، فرمایا: یہ چاہ رہا ہوں کہ انہیں گواہوں کی حاجت نہ ہو، اگر یارسول اللہ کہنا جرم ہے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ انہیں گواہ لانے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے، مجرم اپنے جرم کا اقبالی مجرم ہے، اس لیے پھر کہے دے رہا ہوں یارسول اللہ۔ اللہ اکبر!!

اچھا جناب والا! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ وہاں پر جب قاضی صاحب سے باتیں ہوئیں مولانا حشمت علی خاں صاحب کی تو قاضی نے باتیں کیں آج کی عربی میں جو مکے اور مدینے میں بولی جاتی ہے، مولانا نے ارشاد فرمایا: **ایھا القاضی! تکلم بلسان عربی مبین فانی اجیبک**، قاضی جی! قرآن کی عربی میں بات کرو تو میں تمہیں جواب دوں گا **تتکلم بلسان قوی**، تم گاؤں کی عربی میں بات کرتے ہو اس لیے میں نہیں سمجھتا، **تکلم بلسان عربی مبین**، قرآن کی عربی میں بات کرو، اور آج میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ قرآن کی عربی اور اصل عربی جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے، جو قریشیوں کی زبان تھی، جو ابابکر صدیق کی زبان تھی، جو عمر فاروق کی زبان تھی، جو عثمان غنی کی زبان تھی، جو مرتضیٰ علی کی زبان تھی، وہ زبان صرف قرآن سے زندہ ہے ورنہ مکے، مدینے میں وہ زبان آج زندہ نہیں ہے۔ اچھا!! تو قرآن ہے عربی مبین کے اندر، ظاہر بات ہے کہ قرآن کے ہر لفظ کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ہم کو دامن پکڑنا پڑے گا لغت عربی کا، مثلاث مثلاً انگریزی کا ایک طالب علم ہے، ایک تار آیا تو اس نے تو صرف یہ سمجھا تھا کہ موت کو **Death** کہتے ہیں انگریزی میں اور اس کا **Past Form** یا مشہور ماضی **Dead** آتا ہے، لیکن تار میں لکھا ہوا تھا: **Expired** تو وہ سمجھنے لگا کہ ہونا، موت

ہوتی تو، **Dead** لکھتے وہ اور اس میں اسپائر لکھا ہے، بے چارہ نیا طالب علم تھا، وہ بھی آج کل کی انگریزی کا، جو ایسے سمجھائی جاتی ہے کہ بے چارے کو سیدھا لکھنا نہیں آتا، سیدھا پڑھنا نہیں آتا، تب اس نے اپنے کباٹ میں سے انگلش کی ڈکشنری نکالی، ڈکشنری کھول کر اس نے یہ دیکھا، کیا موت کے معنی میں **Expired** بھی استعمال ہوتا ہے انگلش میں؟ تو اس نے دیکھا کہ بے شک موت کے معنی ہیں، مر گیا کا ترجمہ **Expired** انگریزی کا محاورہ نہیں ہے، شہر کی انگریزی نہیں ہے، گاؤں کی انگریزی ہے، شہر کی انگریزی موت کے معنی میں یہی ہے۔

تو بھائی! کیوں کہ ہندوستانی تھا لہٰذا انگریزی کے محاورے میں اسے انگلش ڈکشنری کا دامن پکڑنا پڑا تو بھائی! میری بات سمجھ رہے ہو یا نہیں؟ اگر نہ سمجھو تو بھیا یہ میں اردو میں باتیں کر رہا ہوں، کچھ تلنگی نہیں بول رہا ہوں، مراٹھی نہیں بول رہا ہوں، مجھے آتی بھی نہیں ہے بھائی، اچھا صاحب! اب اس صورت میں اگر آپ کو کسی لفظ میں شبہ پیدا ہو جائے اور وہ لفظ ہو عربی کا، تب آپ کو بھی اسی بچے کی طرح عربی لغت کا دامن پکڑنا پڑے گا، عرب کی ڈکشنری کا دامن پکڑنا پڑے گا، اور آپ کو دیکھنا پڑے گا عربی لغت کے اندر اس کے معنی کیا ہیں؟ فیصلہ کرے گی عرب کی لغت، نہ دیوبند کا مولوی فیصلہ کرے گا نہ بریلی کا مولوی فیصلہ کرے گا، نہ قادیان کا مولوی فیصلہ کرے گا، نہ دلی کا مولوی، نہ لکھنؤ کا مولوی، نہ عراق کا مولوی، نہ توران کا مولوی، نہ ہندوستان کا مولوی، نہ پاکستان کا مولوی، عربی کے صحیح لفظ کے صحیح معنی کے لیے فیصل اور حکم لغت عربی ہے، عربی کی ڈکشنری ہے، بات آئی سمجھ میں، اب آجاؤ، بشر مثلکم پر بے زبر بَ، ش زبر شَ، رے دو پیش رٌ، بشر یہ بھیا تیلگو کا لفظ نہیں ہے، اردو کا نہیں ہے، سنسکرت کا نہیں ہے، انگلش کا نہیں ہے، پشتو کا نہیں ہے، فرنچ کا نہیں ہے، جرمنی کا نہیں ہے۔ یہ ہے عربی مبین، قرآن کا لفظ اسی میں جھگڑا ہے نا، بشر میں جھگڑا ہے نا، آؤ کیوں جھگڑتے ہو ہم تو بڑے کھلے دل والے ہیں۔ (ختم شد)



شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الحمدللہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد!

فاعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَ کُمْ تَطْھِیْرًا

(سورہ احزاب ۲۲ ـ آیت: ۳۳)

صدق اللہ العلی العظیم و بلغنا رسولہ المولیٰ الکریم و نحن علیٰ ذٰلک لمن الشاھدین و الحمدللہ رب العالمین یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔

(درود شریف)

میں اپنی بہنوں سے مخاطب ہوں، کیا آج رات آپ کو بار بار یہ تنبیہ کرنا پڑے گی؟ مکمل خاموشی کے ساتھ بیٹھیں، ایک دم خاموش ہوکر۔

برادران دین وملت، عزیزان اسلام!

آج شبِ عاشورائے محرم ہے، یعنی محرم الحرام کی دسویں شب اور کل محرم کا دسواں دن ہوگا یعنی عاشورۂ محرم۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مکہ معظّمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ

تشریف لائے، تب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مدینہ کے آس پاس کے رہنے والے لوگ عاشورۂ محرم کا روزہ رکھتے ہیں اور اس دن خوب خوشیاں مناتے ہیں، دریافت کیا گیا تو معلوم یہ ہوا کہ حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام آج عاشورہ کے دن اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجۂ عذاب سے نجات دلا کر ارض مقدس کی طرف روانہ ہوئے، لہٰذا خوشی میں ہم روزہ رکھتے ہیں اور اس خوشی میں ہم عاشورہ کی عید مناتے ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نحن احق باخینا موسیٰ، موسیٰ علیہ الصلوٰہ والسلام کی خوشی میں شریک ہونا یہ میرے لیے زیادہ لائق ہے، میں اپنے بھائی موسیٰ کی خوشی میں شریک ہوں، یہ میرے لیے زیادہ بہتر ہے، چناں چہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ عاشورۂ محرم کا روزہ رکھا جائے۔

عاشورۂ محرم کا روزہ جب تک رمضان کے روزو کی فرضیت اتری نہیں تھی، رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، اس وقت تک عاشورہ کا ایک روزہ فرض تھا، یہود کو جب یہ خبر پہنچی کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے عاشورے کا روزہ لے لیا، تو یہ تو بڑی عجیب وغریب بات ہے صاحب!! ناچنے لگے، کودنے لگے، اور کہنے لگے، دیکھا نا، آخر تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو نہ ملا کوئی روزہ تو ہمارے ہی روزے کو ہتھیا لیا، ان کے اترانے اور طعنے کی خبر پہنچی اور حکم دیا کہ اب صرف عاشورے کا روزہ نہیں، بلکہ ایک روزہ پہلے سے ملا کے رکھا جائے یعنی نو اور دس۔ عاشورہ اور نویں محرم کا یہ روزہ اس وقت تک فرض رہا جب تک کہ رمضان کے روزے نہیں اترے تھے، رمضان کے روزے جب اترے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی، لیکن ان کا سنت ہونا باقی ہے، عاشورے کا یہ دن بڑی عجیب بات ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک بہت سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دلچسپی کا باعث رہا ہے، لیجیے سناتا ہوں میں آپ کو، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ عاشورے کے روز قبول ہوئی، نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی عاشورے کے روز طوفان

سے بچ کر کوہ جودی پر ٹھہری، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عاشورے کے دن نمرود کی آگ گل زار کی گئی، ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عاشورے کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحت کامل عطا فرمائی، عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام عاشورے کے دن کافروں سے بچا کر زندہ آسمان میں اٹھائے گئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے، حضور والا کے پیارے اور مقدس پوتے سیدنا حسین نے عاشورے کے روز اپنا اور اپنے پورے گھر بار کا امتحان راہ خدا میں دے کر عاشورے کے دن کو امر بنا دیا، عاشورے کا دن زندہ ہے، اور زندہ رہے گا، عاشورے کے دن مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ اور مسلمان کیا کرتے ہیں؟ دونوں سوال علاحدہ علاحدہ ہیں، میں جب یہ قضیہ چھیڑتا ہوں تو بات یہ ہے کہ آج کل جنتا کا زمانہ ہے، اور جنتا سے بھی ہمیں لگتا ہے ڈر، کیوں کہ جنتا کا معاملہ ایسا ہے جیسے بھیڑوں کا غلہ، ایک بھیڑ نے منہ نیچا کیا اور چلی، ساتھ جتنی بھیڑیں ہیں وہ یہ نہیں دیکھتیں کہ آگے کھڈا ہے کہ خندق ہے کہ آگ ہے کہ کانٹے ہیں کہ پانی ہے کہ غلہ ہے؟ کچھ نہیں، اگر پہلی بھیڑ کنویں میں آ گئی تو آنکھیں بند کر کے ایک دوسرے کے بعد گر جائیں گی، یہ ہے جنتا کا معاملہ، جنتا کا معاملہ یہ ہے کہ ہم نے جس چیز کو اچھا سمجھ لیا بس وہ اچھی ہے، ہم ایسا کرتے ہیں، اب ہم نہیں سنیں گے، ایک طرف جنتا کا معاملہ یہ ہے اور ہمارے لیے بڑی مشکل آ پڑی ہے کہ آقائے دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اذا ماتت السنة و شاعت البدعة فيظهر العالم علمه**، جب سنت مرجائے اور جب بدعت پھیلنے لگے تو عالم کو چاہیے کہ اپنے علم کو ظاہر کردے اور دوسری حدیث میں فرماتے ہیں: **الساکت عن الحق شیطان اخرس**، جو حق سے اپنی زبان کو بند کرتا ہے وہ گونگا شیطان ہے، تو اب بتائیے کہ ہم اگر چپ رہیں تو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان سے گونگے شیطان بنتے ہیں اور اگر بولیں تو صاحب ہماری یہ جنتا یہ کہتی ہے کہ مولوی صاحب کے کپڑے اتار کر بھنڈی بازار کے چوراہے پر ننگا کھڑا کردو، کیوں کہ ہمارے خلاف کیا، اب بات اس میں کیا ہے

کہ لاؤڈ اسپیکر سے نماز ہو، ریڈیو پر رویت ہلال ہو یا شب عاشورہ میں تعزیے کے آگے ناچ کود، ہو سب اس کے اندر آ جائیں، ہم چاہتے ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر لگوانا جائز ہے نماز کے اندر، بے چارہ عالم، حدیث، قرآن پڑھتے پڑھتے تھک گیا، ہوگا آپ کے یہاں ایسا لیکن ہم چاہتے کہ ہمارے یہاں لاؤڈ اسپیکر لگنا چاہیے، ہم چاہتے ہیں کہ ہماری مسجد میں ضرور لگنا چاہیے، چاہے مسجد ہو صرف صفوں کی، چار صفیں آتی ہوں مسجد میں، جس میں لاؤڈ اسپیکر کی کوئی ضرورت ہی نہ ہو، اور امام کی اتنی بڑی آواز ہو جتنی میری آواز ہے، اس کے بعد لوگوں نے کہا کہ صاحب! آپ لاؤڈ اسپیکر نہیں لگاتے نماز میں؟ میں نے کہا، دیکھو، لاؤڈ اسپیکر کا معنی ہے آواز کو بلند کرنے والا، لاؤڈ اسپیکر کا شرعی مسئلہ اپنی جگہ پر ہے، جہاں تک آواز بلند کرنے کا معاملہ ہے تو تم ایسا کرو کہ رمضان کے مہینوں میں میری مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ بلند آواز لے کر، میں رات کو پڑھوں قرآن اور تم بیٹھ کر لکھو رات بھر قرآن، اگر قرآن کا کوئی لفظ لکھنے سے رہ جائے لاؤڈ اسپیکر لگا دو اب، لیکن لاؤڈ اسپیکر جنتا ہے۔ جنتا جب آ جاتی ہے تو کہتی ہے کہ ہماری مرضی کے خلاف اگر قرآن میں ہے تو ہم قرآن نہیں مانتے، اگر حدیث میں ہے تو ہم حدیث نہیں مانتے، اگر غوث اعظم نے کہا تو غوث اعظم کو نہیں مانتے، اگر ابوحنیفہ نے کہا تو ابوحنیفہ کو نہیں مانتے، ہم کو تو بس اپنے سے کام ہے۔

اچھا صاحب! تو اب عاشورے میں کیا کرنا چاہیے؟ نفل، صدقہ، درود، تلاوت قرآن، ادعیہ ماثورہ، اور اپنے گھر میں روزانہ سے زیادہ کچھ پکا کر اور اپنے اور اپنے بال بچوں کو کھلانا، اور نویں اور دسویں دو دن ملا کر روزہ رکھنا، میں آج یہ کہہ کر آپ کو بتاؤں گا کہ یہ رات جو آج ہے تو آج کی رات کیسے گزر رہی ہے؟ یہ تو خدا کا شکر ہے کہ بہنیں اندر بیٹھی ہیں، پردہ سامنے پڑا ہے، خاموش بیٹھی ہیں، قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ سن رہی ہیں۔ لیکن ان بہنوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، جو چست لباس پہنے ہوئے، بدن کا گوشہ گوشہ جھلکتا ہے، قرآن نے کہا تھا: وَ لَا

يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَامَلَکَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ۔ (سورہ نور ۲۴۔آیت: ۳۱)

اپنی زینت اور اپنے سنگار کو اپنے شوہروں، شوہروں کے باپ، اپنے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، اپنے بھانجے، اپنے بھتیجے اور اپنے گھر کی خاندانی خادمائیں، ان کے سوا اپنی زینت کسی پر ظاہر مت کرو۔ (القرآن الکریم)

قرآن ہی نے کہا تھا کہ جب عورت ایسا زیور پہنے جو زیور بج رہا ہو تو پیر کو دھمک کے ساتھ زمین پر نہ رکھے، تاکہ غیر اس کی آواز نہ سننے پائے، یہ قرآن منسوخ نہیں ہوا، یہ قرآن تمہارے ہاتھوں میں ہے، قرآن تم پڑھتے ہو، یہ اٹھارواں پارہ ہے، سورۂ نور ہے، یہی قرآن تم تراویح میں سنتے ہو، یہی قرآن تمہاری مسجدوں میں پڑھا جاتا ہے، یہی قرآن تمہارے یہاں ایصال ثواب ہوتا ہے، یہی قرآن تمہارے مکتبوں میں بچوں کو پڑھایا جاتا ہے، لیکن جب اس پہ عمل کا معاملہ آتا ہے تو سب بھول جاتے ہو، اور آج کی رات مجھ سے مت کچھ سنو، جب کہوں گا، برا مان جاؤ گے، جاؤ، جاکے سڑک دیکھ کر آؤ، جاؤ، جاکے محلے کی گلیاں دیکھ کر آؤ، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے عید ہے، شادی کے کپڑے ہوئے، بہنیں، بیٹیاں، مائیں وہ ایسے گھوم رہی ہیں گویا کہ آج سیدنا امام حسین شہر بانو یا ربابہ کو آج بیاہ کے لائے ہیں، تمہیں معلوم ہے کہ آج کی رات خیمہ اہل بیت پہ کیا گزر رہی تھی، ایک رات کی مہلت لی تھی سیدنا امام حسین نے کہ آج عاشورے کی متبرک رات ہے، ہم جانتے ہیں کل ہمارا جو حشر ہونے والا ہے، آ کری مرتبہ ایک دفعہ مجھے اپنے رب کے سامنے، مجھے اور میرے گھرانے کو اپنے دل کی فریاد پہنچا لینے دو، امام ابو اسحاق اسفرائنی اپنے مکتب میں لکھتے ہیں کہ خیمۂ اہل بیت کے اندر حضرت زینب کا مصلیٰ بچھا ہوا تھا، اور حضرت

زینب کے مصلے کے پیچھے پردہ نشینان اہل بیت، ازواج مطہرات، بہنیں اور بیٹیاں، بھانجیاں اور بھتیجیاں، مصلوں پر بیٹھی ہوئیں، تلاوت قرآن، نماز، درود اور وظیفہ اور ذکر الٰہی ایسے کر رہی تھیں کہ معلوم ہو جیسے خیمے میں کسی نے شہد کی مکھی کا چھتہ چھیڑ دیا ہو، شہد کی مکھی کا چھتہ اگر چھیڑ دیا جائے تو جیسے وہ گھوں، گھوں، گھوں، بھن بھن، بھن، بھن بھنبھنانے کی آواز آتی ہے ان سے ایسے ہی خیمہ اہل بیت، اہل بیت کے ذکر و تہلیل سے گونج رہا تھا، باہر سید امام عالی مقام کا مصلیٰ بچھا تھا، اور اس مصلے کے گرد شہزادے، بھائی، برادر، بھانجے، بھتیجے، بیٹے وہاں پر اللہ اللہ کر رہے تھے، سکینہ کو یہ معلوم تھا کہ کل صبح کو یتیمی کا داغ مجھے لگنے والا ہے، علی اکبر جانتے تھے کہ کل ہمارا گلا کٹ ہی جائے گا، قاسم کو یہ پتہ تھا کہ کل ہماری شہادت واقع ہو جائے گی لیکن کل کی آنے والی مصیبتوں نے ان کے لیے اور تو سب کچھ بھلا دیا تھا، لیکن اللہ کو نہیں بھلایا تھا، اور اس کٹھن وقت میں بھی وہ اپنے رب کو یاد کر رہے تھے، میں آپ سے ایک بات بڑے ادب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کل قیامت کے روز اگر حضرت سکینہ نے اپنے نانا جان کا دامن تھام کر یہ فریاد کی کہ نانا جان! جس رات کی صبح میں ہمارے اوپر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹنے والے تھے، ہمارے سر سے بھائی، چچا، برادر اور والد ماجد کا سایہ اٹھنے والا تھا، اس صبح کی رات میں نام لیا جاتا تھا ہماری یاد کا اور آپ کی امت کی بہنیں، بیٹیاں شادی کے کپڑے پہنے ہوئے عید مناتی ہوئی گلی گلی پھر رہی تھیں، ہماری بہنوں اور بیٹیوں کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟ اگر وہ جواب ہے تو ایسا کرو کہ یہ محرم گزر گیا، اللہ زندہ رکھے تمہیں تو اگلے محرم سے پہلے ایک ہینڈ بل پر وہ بیان شائع کرو، اور ساری ممبئی میں بانٹ دو، تاکہ کل قیامت کے دن کہنے کو تو مل جائے۔ یادگار حسین منانے کے لیے کون آپ کو نہ کہتا ہے، اگر ان کی یادگار نہیں مناؤ گے تو کیا کسی کافر مشرک کی یادگار مناؤ گے، ان کی یادگار نہیں مناؤ گے تو کیا کسی بد دین کی یادگار مناؤ گے؟ ان کی یادگار ہمارے ایمان کی یاد ہے، اگر یادگار منانے کا یہ طریقہ کہ پانی رکھ دیں سر بازار، سبحان اللہ، تاکہ لوگ پیاسے آئیں اور

اپنی پیاس بجھائیں، معلوم نہیں آج کل وہ سبیلیں جاتی ہیں یا نہیں؟ ہم تو سیر کو نکلے نہیں رات میں، اب سے دس بارہ برس پیشتر جب نئے نئے آئے تھے ممبئی میں، یہ بکھیڑو نیا نیا گرفتار ہوا تھا ممبئی کے پنجرے میں، تو ایک دفعہ گئے تھے رات کو سیر دیکھنے، تو ہم نے دیکھا صاحب! کہ بھنڈی بازار کی ترکاری پر مٹکا رکھا ہوا ہے، ایک سبیل میں ہم نے دیکھا کہ وہاں چینل بنا ہوا ہے اور اس میں سے ریل گاڑی گزر رہی ہے، تو ہم نے سوچا، یا اللہ! کربلا میں فرات کے کنارے یہ بھنڈی اور مٹکا کہاں سے پہنچا، پھر بعد میں خیال ہوا کہ یہ چینل اسی میں سے ریل کیسے گزری تھی کربلا میں؟ تو بہت سی ہم نے کتابیں اٹھائیں، تاریخ طبری اٹھائی، مشہد ابواسحاق اٹھایا، اخبار الاخیار، **الاصابة فی احوال الصحابه**، **عمدة المطالب** بڑی بڑی ہم نے تاریخ کی، سیر کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں، لیکن بھنڈی، مٹکا، چینل اور ریل گاڑی ہمیں نہ ملی۔ نہ تو ہم حق کہنے میں جھجکتے ہیں اور نہ ہم ناحق کہنا جانتے ہیں، تعزیہ کی تاریخ امیر تیمور لنگ کلاں سے شروع ہوئی، امیر تیمور کو سرکار حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑی محبت تھی، ہر سال وہ کربلا جاتا تھا زیارت کے لیے، کاروبار سلطنت میں گڑبڑی ہونے لگی، تو اس سے امیروں نے کہا، لگتا ایسا ہی ہے، کربلا کا سفر آسان تھوڑے ہی ہے، بڑا مشکل سفر ہے، کئی کئی مہینے لگ جاتے ہیں تو آپ ایسا کیجیے کہ روضۂ مبارک امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک شبیہ بنوا لیجیے اور وہ محل میں ایک محفوظ جگہ رکھوا دیجیے، کبھی اگر فرصت ہو تو کربلا ہو آیئے اور نہیں تو اس شبیہ مبارک کو دیکھیے اور اپنے دل میں یاد حسین کرتے رہیے، چناں چہ تیمور شاہ کلاں نے وہ شکل بنوائی روضہ اقدس کی، یہ تھی تعزیے کی ابتدا، اب ابتدا تو یہ تھی اور انتہا آج ہے، جب یہاں سے ہم فرصت پا کر گئے تو یہ برا مان جاتے ہیں ہمارے بھائی کہ وہابیوں کو آپ نے شہہ دی، ارے وہابیوں کو ڈال دیا جہنم میں، مگر آپ سوچیے کہ آپ کو کیا کرنا ہے؟ ہم یہاں سے جب گئے فارغ ہو کر تو ہماری گلی کے آگے دس پندرہ آدمی، لنگوٹی لٹکائے ہوئے زیر بند پہنے ہوئے، باقی پورے بدن سے ننگے، ہاتھوں میں اتنے

اتنے بڑے ڈنڈے، سنو میرے دوستو! یادگار حسین منا رہی ہے، اس پر زبان اگر کھولوں تو کہتے ہیں کہ آل مصطفی کی زبان کھینچ لو، ٹھیک ہے آل مصطفی کی زبان کھینچ سکتے ہو لیکن مصطفی کی زبان نہیں کھینچ سکتے، وہ اگر فرما گئے ہیں تو کبھی زہر بجھے گا نہیں، آج میں بھی کہوں گا، کل دوسرا کہے گا، تو ڈنڈے پہ ڈنڈے مارے جا رہے تھے، ان میں سے کسی کو ہوش نہیں تھا، شراب کے دھپکے اٹھ رہے تھے اور صاحب یادگار حسین منائی جا رہی تھی، بہت سوچا ہم نے، قرآن کے تیس پاروں کا میں حافظ ہوں، صحاح ستہ میں نے دورے میں پڑھی ہے، میں نے پوری فقہ حنفی کی درس کی کتابیں استاذ سے پڑھی ہیں، لیکن یادگار حسین منانے کا یہ طریقہ میری سمجھ میں نہیں آیا، اتنے اتنے بڑے ڈنڈے، سارے بدن سے ننگے، شراب میں ڈوبے ہوئے، پتہ نہیں بھائی، وہ کون سی زبان تھی، جس زبان میں وہ ڈنڈے بجائے جا رہے تھے اور یادگار حسین منائی جا رہی تھی، یہ ہے یادگار حسین، کیا بات ہے؟ بات یہ ہے اصل میں کہ زمانۂ جاہلیت، یہاں کی قومیں ہندو سے مسلمان ہوئیں تو وہ جو ہندویت کا ان میں شائبہ تھا وہ اب بھی نہیں گیا، وہ اب بھی باقی ہے سوسائٹی کے اندر، اب بت باقی نہیں رہ گئے ہیں تو اپنے دل میں ایک بت بنا لیتے ہیں اور یادگار قائم کر لیتے ہیں، مجھے بتاؤ، یہ نماز تھی، یہ نفل تھی، یہ روزہ تھا، یہ حج تھا، یہ زکوٰۃ تھی، یہ خیرات تھی، یہ تھا کیا؟؟ یہ مرثیے تھے، یہ سوگ تھے، یہ بیان تھا، یہ تھا کیا کہ ڈنڈے بجائے جا رہے تھے، کسی قیمت پر یہ تعزیہ داری جائز نہیں ہے، شراب پی کر، ڈنڈے بجا کر، ننگے ہو کر، تعزیے کے آگے ناچنا یہ کسی بھی شریعت میں جائز نہیں ہے، آپ محب حسین ہیں، صحیح طور پر کربلا معلیٰ کا نقشہ بنائیے، روضہ اطہر کا، اپنے گھر میں تبرک کی جگہ رکھ دیجیے، تبرک تو ہے آپ کے یہاں مکے مدینے کا، بغداد کا، اجمیر کا، کربلا کا بھی رکھ لیجیے اور اس کو دیکھ کر یاد کیجیے کہ اس کی جو اصل ہے کربلا میں، وہاں پر ایک ایسی ہستی، اپنی مٹی کے اس دوشالے کے نیچے آرام کر رہی تھی جس نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر سرزمین کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر فرات کے کنارے اپنا سب کچھ

رضائے الٰہی میں قربان کر دیا تھا، یہ تعزیے داری سبحان اللہ، یہ تعزیے داری ماشاء اللہ، یہ تعزیہ داری حب ایمان، یہ تعزیے داری ایمان کو جلا دینے والی، یہ تعزیے داری میرے سر، آنکھوں پر، لیکن جب تعزیے سے آپ منت مانیں، جب تعزیے کے اوپر آپ لے جا کر فاتحہ کریں، تعزیہ فاتحہ کے لائق نہیں ہے، اگر آپ کو نصیب ہو، آپ کربلا جائیں اور وہاں پر سیدنا امام حسین کے مزار اقدس پر فاتحہ پڑھیں، آپ اپنے گھر میں فاتحہ پڑھیں، فاتحہ رکھیے، فاتحہ پڑھیے، یاد حسین میرے سر، آنکھوں پر، یاد حسین کا تبرک قسمت والوں کو ملتا ہے، یاد حسین کا تبرک کھا کر سحر و آسیب دور ہوتے ہیں، یاد حسین کا تبرک کھا کر جن، بھوت بھاگتے ہیں، شفائے کامل نصیب ہوتی ہے، دلوں میں نور آتا ہے، آنکھوں میں سرور آتا ہے، یاد حسین کو کیا کہنا ہے، سبحان اللہ، ماشاء اللہ۔ میرے نظریے میں تعزیے کا یہ معاملہ ٹھیک نہیں ہے، جب مجھ سے کسی نے پوچھا، تعزیہ کہاں تک جائز ہے؟ اور تعزیہ کہاں تک ناجائز ہے؟ تو میں نے ان سے کہا کہ تعزیے کی جو شرعی صورت ہے وہ یہ ہے، یہاں تک تعزیہ جائز ہے اور اس کے آگے جو لغویات ہیں اس میں تعزیہ ناجائز ہے، تعزیہ یہ کہ آگے باجا بجانا، تعزیے کے آگے ناچنا یہ سب حرام ہے، یہ سب بدعت ہے، یہ سب ناجائز ہے۔

میرے دوستو! کیا ہمیں ابھی بھی ہوش نہیں آیا ہے، کیوں تم غیروں کو ہنساتے ہو؟ آج وندے ماترم کے اوپر ابھی تمہارے یہاں شور مچنے والا ہے، ابھی اس پر احتجاج کر رہے ہو، کہہ رہے ہو کہ ہمارے لڑکے اور ہمارے بچے اسکولوں میں وندے ماترم نہیں پڑھیں گے، ہم زمین کو سجدہ نہیں کریں گے، لیکن سوچیے بیٹھ کر، اللہ اکبر!!!۔ لہٰذا اپنی اصلاح کرو، اپنی حلال کمائی سے سیدنا امام عالی مقام کے لیے ایصال ثواب کیجیے۔ آپ قرآن عظیم پڑھیے، آپ نوافل و تلاوت و صدقات کیجیے اور بارگاہ حسین میں شربت نصیب ہو تو، حلوہ نصیب تو، آپ اسے پکائیے فراخ دلی کے ساتھ اور اس پر فاتحہ کیجیے اور کہیے الٰہ العالمین! یہ ہمارا پڑھنا ہماری جسمانی عبادت

ہے اور یہ جو ہم نے پکا کے رکھا یہ ہماری مالی عبادت ہے، ہم اسے تیرے نام پر کھلا رہے ہیں تو ہمیں اس کا ثواب عطا فرما، تو جو ثواب ہمیں عطا فرمائے، وہ ہماری طرف ہمارے آقا و مولیٰ، ہمارے مرشد و شیخ سیدنا امام حسین اور ان کے ساتھیوں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو پہنچے، یہ ہے بہترین طریقہ حضرت سیدنا امام حسین کے فاتحے کا۔ تم کہتے ہو کہ میں فاتحے کے خلاف ہوں، سبحان اللہ! عمر گزر گئی ہماری فاتحے کی موافقت میں دعا کرتے ہوئے، عمر گزر گئی ہمارے فاتحے کے مخالفین کو جواب دیتے ہوئے، ہم فاتحہ کے مخالف ہیں؟ نہیں، ہم فاتحے کے مخالف نہیں ہیں، ہم تمہارے اس طریقے کے مخالف ہیں جو تم فاتحے کے نام پہ برتتے ہو، وہ طریقہ وہی ہے، مجھے بتائیے کہ آپ پورب کی طرف ہندوستان میں کھڑے ہو جائیں، آپ رکوع کریں، سجدے کریں، میں آپ کو منع کروں، اے!! ہندوستان ہے، قبلہ پچھم کو ہے، تو آپ کہیں: دیکھو صاحب! آل مصطفی نماز کو منع کر رہے ہیں، بتائیے، اس سے بڑی کوئی حماقت ہے یا نہیں، تو میں کیا جواب دوں گا، میں کہوں گا کہ میں نے نماز نہیں منع کی ہے، یہ جو پورب کی طرف منہ کر کے آپ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے یہ نماز منع کی ہے، نماز کا یہ غلط طریقہ ہے کہ پورب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں، ہندوستان میں قبلہ پچھم کی طرف ہے، پورب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے ہندوستان میں نماز نہیں ادا ہوگی، نماز کی مخالفت نہیں ہے، نماز کے غلط طریقے کی مخالفت ہے، یہ تعزیے کی مخالفت نہیں ہے، تعزیے کا میں مخالف نہیں ہوں، تعزیے کا خلاف نہیں کرتا، تعزیے میں مجھے شک کی گنجائش نہیں ہے، آپ جس طرح تعزیے کو برتتے ہیں، وہ ہے ہمارے لیے کلام کی بات۔

آج کی رات بڑی عبادت کی رات ہے، عبادت کرو اور سوچو کہ امام نے تمہارے لیے کیا کیا، بے شک میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ خالی اوپر کے منہ سے یہ کہہ دیتے، جان بچانے کے لیے سہی اور وہ شرعاً جائز بھی تھا، شرعاً ناجائز نہیں تھا، شرع نے اس بات کی اجازت

دی ہے کہ جان پر اگر آ پڑے تو اپنی جان بچانے کے لیے تم ناجائز کو جائز کہہ سکتے ہو، میں نے مسئلہ بتایا کھانا کھا رہے ہو، نوالہ اٹک گیا، اب صاحب گت ہو رہی ہے، پانی بھی نہیں ہے دودھ بھی نہیں ہے چائے بھی نہیں ہے، صرف مشروب ہے شراب حرام ہے، شراب حرام قطعی ہے، اس کی حرمت ضروریات دین میں سے ہے، تب جان بچانے کے لیے اجازت ہے، ایک گھونٹ شراب پی کر حلق کے اندر اٹکا ہوا نوالہ پیٹ کے اندر اتار لو، اب اس کے بعد یہ نہیں کر سکتے کہ پوری بوتل اتار لو، کہ اب نوالہ اتر گیا ہے اور پھر آپ نے پوری بوتل اتار لی کہ مولوی صاحب نے تو کہہ ہی دیا ہے، ارے! مولوی صاحب نے تو ایک ہی گھونٹ کہا تھا، جب تک کہ حلق میں نوالہ اٹکا ہو، نوالہ جب پیٹ میں چلا گیا تو کیا اٹکا ہوا ہے کہ پوری بوتل اتار لی۔

عرض یہ کرنا ہے آپ سے، کہنا یہ ہے کہ امام عالی مقام اگر اس وقت ابن زیاد سے یہ کہہ دیتے: اچھا، لو بھئی! نہیں مانتے ہو، اب مری جان پہ بن آئی ہے، اللہ سے عرض کر دیتے، الٰہ العالمین! تو دانا بینا ہے، میں نے اپنے تئیں بہت کچھ کیا، مگر انہوں نے مجھے گھیر لیا ہے، اب مری جان پر آ پڑی ہے، لہٰذا مجھے معاف کر دے، ہاں لو بھئی! میں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی، صرف منہ سے کہہ دیتے کہ میں نے بیعت کر لی ہے، میں آپ سے سچ کہتا ہوں، یزید انہیں اپنے سر پہ اٹھا لیتا، اگر دربار یزید میں وہ پہنچ جاتے تو اپنے داہنے تخت کے اوپر سونے کی کرسی بچھا دیتا ان کے لیے، وہ فرماتے کہ پوری خلافت بنو امیہ کا ایک سال کا ریونیو باز گزاری ہمیں دے دو تو حاضر کر دیتا، جو مانگتے یزید دے دیتا، لیکن تمہیں معلوم ہے، تین دن کا بھوکا پیاسا، سیدنا امام عالی مقام، اللہ اکبر! مجھے بات کہہ لینے دیجیے، آپ کو معلوم ہے سیدنا علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یزید کا رشتہ آپ کو نہیں پتہ، وہ رشتہ چھوڑ دیجیے جو کل میں نے آپ کو بتایا تھا، وہ تو اوپر سے چلا آ رہا تھا، نہیں، علی اکبر یزید کی پھوپھیوں کے حقیقی نواسے ہیں، یزید نے اپنی ایک لڑکی تیار کر رکھی ہے تمہارے ساتھ نکاح کرنے کے لیے، جو بڑی حسین اور خوب صورت لڑکی ہے، حضرت علی اکبر

نے کیا جواب دیا؟ حضرت علی اکبر نے ارشاد فرمایا: فاطمہ کے لال کی عوام مرجانہ کے بیٹے کی عوام سے میرے لیے زیادہ بہتر ہے، مجھے تیری عوام کی ضرورت نہیں ہے، مجھے تیری عوام نہیں چاہئے۔

سبحان اللہ، سبحان اللہ، شمر امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوتیلے بھائیوں کا ماموں ہے، عباس، عبد اللہ، عثمان، جعفر، ابوبکر، یہ پانچ بھائی ہیں، اللہ اکبر! مرتضیٰ علی کے یہ پانچ بیٹے ہیں، عباس، ابوبکر، جعفر، عبد اللہ اور عثمان یہ پانچ بیٹے ہیں ایک ہی بیوی سے، اور ان کا ماموں ہے شمر، شمر بن جوشن، اسی نے اپنے ان بھانجوں کا نام لے کر پکارا عباس کہاں ہو؟ ابوبکر کہاں ہو؟ عثمان کہاں ہو؟ عبد اللہ کہاں ہو، جعفر کہاں ہو؟ کہنے لگا، ارے نادانو! کہاں تم حسین کی باتوں میں لگے ہو، وہ تمہیں قتل کرانے کے لیے لائے ہیں، دیکھو، میں تمہارا ماموں ہوں، یہ ہے میرے پاس امان نامہ، میں نے تمہارے لیے عبید اللہ ابن زیاد سے امان لے لی ہے، آؤ ہمارے پاس، اتنے میں پانچوں بھائی سامنے آ کے کھڑے ہو گئے، شمر نے کہا کہ آ جاؤ، قتل سے بچ جاؤ گے، میں تمہیں بچانے کا امن نامہ لے چکا ہوں، سب سے بڑے ہیں حضرت عباس علم بردار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ارشاد فرمایا: ابے احمق! کس کے پاس سے کس کے پاس بلا رہا ہے تو ہمیں؟ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کے پاس سے مرجانہ کے بیٹے کے پاس بلا رہا ہے، ہمیں تیری عوام نہیں چاہیے، اور یہ فرما کر اپنے بھائیوں سے کہا: ابوبکر! عبد اللہ! جعفر! عثمان! تم لوگ جاؤ، اور ایک ایک کر کے میرے سامنے شہید ہو جاؤ، جاؤ، جا کر ایک ایک کر کے ہمارے سامنے شہید ہو جاؤ، کیوں، میں نہیں جاؤں گا، جب تک تم زندہ رہو، تم چاروں جب تک زندہ رہو گے میں نہیں جاؤں گا، مجھے ڈر ہے کہ میں گیا اور شہید ہو گیا۔ تو یہ تمہارا نابکار ماموں تمہاری کچی طبیعتوں کو بہلا دے گا، پھسلا دے گا اور تم ہمارا ساتھ چھوڑ کر چلے جاؤ گے، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرے سامنے جا کے شہید ہو جاؤ، میں اس کے بعد جاؤں گا۔

آپ نے ملاحظہ کیا، آپ نے سوچا، کیا جذبۂ ایثار تھا، کیا جذبۂ خلوص تھا ان کا، اللہ اکبر!!

میں آپ سے کہتا ہوں، کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی نے ایسے صحابی نہیں پائے جیسے صحابی تھے امام حسین کے، صحابہ رسول کو مستثنیٰ کرنے کے بعد ایسے صحابہ انبیا نے بھی نہیں پائے جیسے صحابہ تھے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے، کیا کیا مقام پر امام حسین نے فرمایا: بچو! دیکھو، جب تک میں سامنے ہوں، یزید تمہارے اوپر ہاتھ نہیں ڈالے گا، ابن زیاد تمہارے اوپر ہاتھ نہیں ڈالے گا، عمرو بن سعد تمہارے اوپر ہاتھ نہیں ڈالے گا، لہٰذا آپ لوگ رات کے اندھیارے میں میرے اہل بیت کا ہاتھ پکڑ لیں اور جس طرف سے ہو سکے چل دیں، نکل جایئے، میں سامنے کھڑا ہو جاؤں گا، یزید کے لشکر کے سامنے میں کھڑا رہوں گا، وہ سمجھیں گے کہ حسین موجود ہیں تب آپ کا پیچھا نہیں کریں گے، آپ بچ کے نکل جایئے، کیا کہا انھوں نے؟ ان سب نے ایک آواز سے کہا، سبحان اللہ، حضور والا! ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں، اپنی جانیں بچا کے لے جائیں، ٹھیک ہے آج جانیں ہماری بچ جائیں گی لیکن ایک نہ ایک دن عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آئیں گے نا، ایک نہ ایک دن ہماری جان تو نکال لیں گے ہی نا، قیامت کے دن کیا ہوگا؟ کل قیامت کے دن آپ کے نانا جان کی بارگاہ میں جب ہم پیش کیے جائیں گے اور ہمارے نامہ اعمال میں یہ لکھا ہوگا کہ کربلا کے میدان میں حسین کو تنہا چھوڑ کر یہ لوگ اپنی جانیں بچا کے نکل گئے تھے، فرمایئے، اس دن ہمارے لیے سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کیا جواب ہوگا، جس سے ہم اپنی ندامت کو بچا سکیں گے، نہیں حضور! نہیں حضور! جب تک کہ ہماری جانوں میں جان ہے، جب تک کہ ہم میں کا ایک فرد بھی باقی ہے، اس وقت تک اے امام! آپ کے سینے پہ داغ نہیں آسکے گا، اس وقت تک آپ کو زخم نہیں لگے گا، جب تک کہ ہم زندہ ہیں، ہمارے مرجانے کے بعد جو چاہے اللہ وہ کرے۔

ایسے وفادار، اتنے وفادار، نویں تاریخ کا مکھڑا غروب ہونے کو ہے، یکا یک عمرو بن سعد نے اللہ اکبر! آپ کو معلوم ہے، یہ کون ہے عمرو بن سعد؟ والد ماجد کا نام سنا تم نے ابھی سعد بن

وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کیا تم نے عشرۂ مبشرہ کا نام سنا، وہ دس صحابہ جنہیں جنت کا مژدہ دنیا ہی میں دیا گیا، نہیں سنا ہے تو اب سن لو: حضرت ابا بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سعد بن زید، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، یہ ہیں وہ دس جن کو دنیا میں ہی جنتی فرمادیا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، یہ وہ سعد بن ابی وقاص ہیں کہ اُحد کے میدان میں جب بھگدڑ پڑ گئی ہے اور سب لوگ سرور عالم کو چھوڑ کر گئے ہیں تو یہ آگے آگئے اور حضور والا کے آگے آکر کھڑے ہو گئے، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے ترکش میں سے تیر نکال کے ان کی کمان میں پہناتے اور فرماتے: **ارم سعد! فداک ابی و امی**، اے سعد! پھینکو تیر، مارو تیر، تم پر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں، اُدھر سے تیر آرہے تھے، سعد اپنے سینے پر جھیل رہے تھے لیکن سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کوئی تیر جانے نہیں دیتے، ان کا یہ نابکار، ناخلف بیٹا جس کا نام ہے عمرو بن سعد، اللہ اکبر! امام حسین نے فرمایا: کہو ان سے، آج عاشورے کی رات ہے، تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰہ والسلام نے آج کی رات کا بڑا احترام کیا ہے، میں موت سے ڈرتا نہیں ہوں، بھاگوں گا نہیں، مجھے ایک رات کی مہلت دے دو تاکہ اس آخری رات میں اپنے رب کو ایک دفعہ اور یاد کر لوں، عمرو بن سعد نے کہا: نہیں، مہلت نہیں دی جاسکتی، شمر بن جوشن نے کہا: عبید اللہ ابن زیاد کا حکم ہے، یا تو آپ بیعت یزید کریں یا آپ کو جنگ کرنے پر مجبور کر دیا جائے؟ مہلت کا ہمیں حکم نہیں دیا گیا، شعبان قندی ان میں کا ایک تھا، اس نے پکار کر کہا: بڑے افسوس کی بات ہے، عرب کے بت پرست کفار، ان کے مقابلے میں اگر تم جہاد کو جاتے اور وہ بھی تم سے ایک رات کی مہلت مانگتے تو تم ضرور دے دیتے اور آج نواسۂ رسول تم سے ایک رات کی مہلت مانگ رہا ہے، جب کہ بہتر آدمی ۲۳؍ ہزار کی فوج میں گھرے ہوتے ہیں، ۲۳؍ ہزار فوج اشقیا اور ۷۲ آدمی سیدنا امام حسین کے، کل ۸۲ آدمی، ۷۲ جوان مرد اور دس بچے، بچیاں

اورعورتیں، حسینی سپاہ اور حسینی جم گھٹا اور حسینی افراد کی تعداد کتنی ہے؟ بس ۸۲ آدمی، جس میں دس عورتیں، بچے ہیں اور ۷۲ جنگی جو مرد ہیں، ۲۳ ہزار میں گھرے ہوئے ہیں، جب چاروں طرف سے لعنت، ملامت کی آواز آئی تو مجبور ہو کر انہیں ایک رات کی مہلت دی، ادھر تو یہ ہو رہا ہے کہ تلواریں مانجی جا رہی ہیں، نیزوں کے اوپر پانی چڑھایا جا رہا ہے، تیر زہر میں بجھائے جا رہے ہیں، گھوڑے ملے جا رہے ہیں، ڈھالوں پر تیل لگایا جا رہا ہے، اور اپنی زرہوں کو سنبھال کر صاف کیا جا رہا ہے، لشکر اشقیا میں اکھاڑے کھدے ہوئے ہیں، زور آزمائی ہو رہی ہے، گویا کہ لڑائی کی پوری تیاری ہو رہی ہے، امام حسین کے یہاں کوئی فکر نہیں ہے، نہ تلوار پر صفائی ہو رہی ہے، نہ تیروں پر زہر چڑھایا جا رہا ہے، نہ ڈھالوں پر تیل لگایا جا رہا ہے، میں نے اس کا نقشہ تمہیں پیچھے بتا دیا کہ خیمے سے لے کر باہر تک اور باہر سے لے کر خیمے تک اللہ ہی اللہ، اللہ ہی اللہ، اور دس عاشورۂ محرم کا سورج کانپتا، لرزتا نمودار ہوا، امام عالی مقام نے فجر کا مصلیٰ تہہ کر دیا۔

یکایک ابن سعد نے آگے بڑھ کر اپنی کمان میں پہلا تیر لگایا اور کھینچ کر اس کو لشکر امام کی طرف پھینک دیا، اور لوگوں سے کہا دیکھو، عبید اللہ بن زیاد اور امیر المؤمنین یزید سے تمہیں کہنا پڑے گا، کہ حسین پر سب سے پہلا تیر میں نے چلایا، ذرا سوچو بیٹھ کر، ایک وہ باپ ہے کہ نانا جان کو تیروں سے بچا رہا ہے، جو نانا جان کے دشمنوں پر تیر چلا رہا ہے، ایک یہ بیٹا ہے جو نواسے پر پہلا تیر پھینک کر لوگوں کو گواہ بنا رہا ہے، اسے کیا کہا جائے؟ کہا جائے کہ وہ سعید ازلی تھے اور یہ شقی ازلی ہے، جب لڑائی کا آغاز کر لیا اس نے تو امام عالی مقام اٹھے، وہ بڑی لڑائیاں لڑے ہوئے تھے، مجاہدہ تھے، انہیں لڑائی کا ہر ایک گُر معلوم تھا، چناں چہ انہوں نے سب سے پہلے یہ کیا کہ اپنے خیمے کی پشت پر ایک بڑی خندق کھودی اور اس کے بعد اس میں کچرا، لکڑیاں اور پتے ڈال کر آگ لگا دی، تا کہ دشمن پیچھے سے خیمے پر حملہ نہ کرنے پائے، اس کے بعد امام عالی مقام نے اپنے لشکر کا میمنہ اور میسرہ کو درست کیا، حریث بن مجاہد اور زہیر بن قین دو سردار ہیں آپ کے جو

میمنے اور میسرے کے اوپر مرتب کر دیے گئے، امام عالی مقام نے اپنے لشکر کا علم حضرت عباس علم بردار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا اور اس کے بعد امام عالی مقام خیمے میں تشریف لے گئے، خیمے کی مستورات کو صبر پیہم کا اشارہ دیا، اس کے بعد عمامہ رسول سر پر باندھ کر باہر آ گئے، حمد ہے خدا کے لیے، درود ہے نبی کے لیے، اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانے اور جس نے نہ پہچانا ہو وہ جانے کہ میں حسین ابن علی ہوں، میں فاطمہ زہرا کا بیٹا ہوں، میں محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نواسہ ہوں، میں اپنے آپ نہیں آیا ہوں یہاں، تمہارا بلایا ہوا آیا ہوں، یہ دیکھو، یہ ہے میرے پاس وہ تھیلا جس میں تمہارے خطوط بند ہیں، میں ان سب خطوں کا یہ تھلا لے کر آیا ہوں، یہ فرما کر آپ نے آواز دینا شروع کی، فلاں بن فلاں کہاں ہے؟ فلاں بن فلاں کہاں ہے؟ میرے دوستو! شیعان علی بننے والے یہ نمک حرام، شیعان علی بننے والے یہ غدار، اپنے آپ کو شیعہ کہنے والے یہ بے وفا، انہوں نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر، قسمیں کھا کر اعلان کر دیا کہ ہم نے کوئی خط آپ کو نہیں بھیجا، ہم نے کوئی خط آپ کو نہیں بھیجا، بعض نے کہا: ہاں ہم نے بھیجا تھا خط، مگر ہم اس وقت حالت کو پورا جانتے نہیں تھے، اب حالت ہمارے اوپر کھل گئی ہے، لہٰذا اب ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ آپ اپنے چچا کے بیٹے یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، مجھ سے اگر کوئی پوچھتا ہے کہ قاتلان حسین کون؟ تو میں کہتا ہوں شیعان علی، سڑے ہوئے شیعان علی، جھوٹے شیعان علی، غدار شیعان علی، مکار شیعان علی، جنہوں نے حضرت مولیٰ علی کو عمر بھر دکھ دیا، جنہوں نے سیدنا امام حسن مجتبیٰ کو دکھ دیا اور جنہوں نے سرکار امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غداری کے ساتھ، نمک حرامی کے ساتھ، احسان فراموشی کے ساتھ، بے مروتی کے ساتھ، بے وفائی کے ساتھ، جھوٹی قسمیں کھا کر ڈیڑھ سو خطوط لکھ کر بلوایا اور جب حضور والا ان کی باتوں پر دھیان رکھ کر تشریف لے گئے تو اللہ اکبر!!!! کانوں پر ہاتھ رکھ کر ان سارے وعدوں سے مکر گئے، اس کا تو فیصلہ آج نہیں، قرآن تو کہہ چکا ہے، وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون، عن قریب

ظالم دیکھیں گے کہ کس پہلو پر لٹائے جائیں گے۔ آج نہیں، سنو میں سچ کہتا ہوں تم سے، جہاں یزید ہوگا، جہاں عبید اللہ ابن زیاد ہوگا، جہاں عمرو بن سعد ہوگا، جہاں فلاں اور فلاں اور فلاں ہوں گے، وہاں وہ سارے بے ہودے جنہوں نے خط لکھے سیدنا امام عالی مقام کو یہ کہہ کر کہ ہم آپ کے ہیں اور آپ کے باپ کے شیعہ ہیں اور ایک ہی رسی میں، اگر یزید جہنم میں گیا تو یہ خط لکھنے والے بھی یزید سے پہلے جنت میں نہیں جائیں گے، یہ خط لکھنے والے نام نہاد شیعان علی پہلے جنت میں نہیں جائیں گے، کیا بات ہے صاحب؟ سبحان اللہ، امام اپنے نانا کے یہاں بیٹھے، اپنے نانا کے روضے پر بیٹھے اللہ، اللہ کر رہے ہیں، امام نے تو تم سے نہیں کہا تھا کہ ہمیں تخت وسلطنت دلواو یزید کی، امام نے تو نہیں کہا کہ ہمارے لے تیر تلوار خرید کر رکھو، میں آرہا ہوں تمہاری سہایتا کے لیے۔ رسول کے بیٹے کو تم نے دھوکہ دیا، تم نے فاطمہ زہرا کی مانگ اتار لی، اب مگر مچھ کا مسئلہ ہے، کہ جب شکار کر لیتا ہے تو شکار کھاتا جاتا ہے اور آنکھ سے آنسو بہاتا جاتا ہے مگر مچھ کے سے آنسو اگر آج بہہ رہے ہیں تو ہمیں اس کے اوپر کوئی ہمدردی نہیں ہے، ہم اس مکاری کو اچھی طرح سے سمجھتے ہیں، سیدنا امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اور ان کے جد کریم پر لاکھوں درود وسلام، امام عالی مقام نے اپنا وہ مقام بتا دیا یہ کہہ کر، دیکھو، آج میں اکیلا رہ گیا ہوں، جب چادر میں پانچ چھپے تھے، کل نبی کی چادر میں پانچ چھپے تھے، خود نبی تھے صلی اللہ علیہ وسلم، میرے باپ علی تھے، میری ماں فاطمہ تھیں، میرے بھائی حسن تھے اور میں حسین تھا، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میں ہم پانچ تھے، یہ پنج تن پاک تھے، آج نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پردہ کر چکے ہیں، آج مرتضیٰ علی کی وفات ہو چکی ہے، آج فاطمہ زہرا دنیا سے جا چکی ہیں، آج حسن مجتبیٰ دنیا میں ظاہرو باقی نہیں ہیں، آج چادر میں کا میں آخری باقی رہ گیا ہوں، میرا لقب ہے خامس آل عبا، چار والوں میں کا آخری پانچواں باقی رہ گیا ہوں، اکیلا ہوں، میرے ساتھ کوئی نہیں ہے، مگر حق میرے ساتھ ہے، سچائی میرے ساتھ ہے، دکھ میرے ساتھ ہے، صدمے

میرے ساتھ ہیں اور یاد رکھو، ٹھیک ہے، میں مارا جاؤں گا، صحیح ہے کہ میرے پانچ بچے بھی مارے جائیں گے لیکن یاد رکھو کہ کچھ جنگیں فتح ہوتی ہیں، زندہ رہ کر، اور کچھ جنگیں فتح ہوتی ہیں مرنے کے بعد۔

امام عالی مقام ظاہر میں دنیا سے شہید ہو گئے لیکن ان کی شہادت نے یزید کے تابوت میں قیامت تک کے لیے کیل ٹھونک دی، قصائی محلے کے اس مجمع میں تا حد نظر انسان دکھائی دے رہا ہے، ان انسانوں کا سروے کرو، اور ان میں سے جا کر ڈھونڈو، اے بھیا! جمان بوچر اسٹریٹ میں ۱۳۹۳ھ میں اللہ اکبر!!! اور اگر میں ہاتھ اٹھوانے پہ آؤں تو جن کے نام میں حسین لگا ہوا ہے تو آدھا مجمع تمہیں ہاتھ اٹھا کے بتائے گا کہ ہمارے نام کے ساتھ حسین کا نام لگا ہوا ہے، اسے کہتے ہیں زندگی اور اسے کہتے ہیں موت۔ آج اس یزید کے طرف وار پیدا ہو گئے ہیں، ایک کتاب چھپی تھی نا ''خلافت معاویہ ویزید'' آدمی پیدا ہو گئے ہیں امیر المؤمنین سیدنا یزید علیہ السلام کہنے والے، ان میں کا ایک ہے عامر عثمانی دیو بند والا، دیو بند کا جو رسالہ نکلتا ہے خارجیوں کا، تجلی، دیو بند، اس کا ایڈیٹر عامر ہے، یزید ہونا چاہیے۔ عجیب بات ہے، عجیب معاملہ ہے کہ صاحب سب کچھ یزید لیکن نام نہیں رکھتا یزید کا، ارے بھائی! ایک تو نام رکھ لو، یادگار کے طور پر، محمود غزنوی نے سمنات پر حملہ کیا، تو پاکستان والوں نے جدت یہ کی کہ وہاں جو لڑکا اس سال پیدا ہوا سب کا نام انہوں نے محمود رکھ دیا، کیوں؟ محمود کے ساتھ ایک روایت وابستہ ہے، لیکن یزید کو علیہ السلام کہنے کے باوجود اب تک تم میں کوئی یزید کا نام نہیں رکھ سکا، اس کے معنی یہ ہیں کہ یزید اپنی اور اپنی پوری سن کی موت مر چکا ہے اور تم لاکھ چاہو کہ اسے بیساکھی لگا کے کھڑا کرو جو میں نے اس گھوڑے کے متعلق تمہیں بتایا تھا کہ پیر اپنی جگہ ہیں، ناک اپنی جگہ پر ہے، کان اپنی جگہ ہے، آنکھیں اپنی جگہ پر ہیں، ارے کم بخت یہ بتا کہ گیا کیا ہے؟ ارے بس یہ مر گیا ہے، بس ذرا مر گیا ہے، ایسا مر گیا ہے یزید کہ آج یزید کا نام

لینے سے شرم سے گردنیں جھک جاتی ہیں۔

خدا کی قسم!!! یزید کے کرتوت وہ ایسے کالے کرتوت ہیں کہ آج کوئی کمینہ سا کمینہ انسان اپنی قوم میں یزید کے کرتوت سننے کے بعد اس کی تعریف نہیں کرسکتا، یزید کی برائی انگریز مورخوں نے کی، یزید کی برائی ہندو مورخ نے کی، یزید کی برائی عیسائی مورخ نے کی، یزید کی برائی سکھ مورخ نے کی اور حسین کی اچھائی؟ کیا پوچھتے ہو آپ؟ کیا پوچھتے ہو کہ صرف آل مصطفی حسین کی اچھائی بیان کررہا ہے، آل مصطفی اگر حسین کے گن گاتا ہے تو کوئی بڑی بات نہیں، کہ آل مصطفی تو بیٹا ہے، بیٹے کو اپنے باپ کے گن تو گانا ہی چاہیے،نہیں، دور کی بات ہے، حسین کے گن تو گاندھی جی گاتے تھے، حسین کے گن جواہر لال نہرو نے گائے، حسین کے گن راج گوپال اچاریہ نے گائے، حسین کے گن مہاراجہ گوالیار نے گائے، حسین کے گن بڑے بڑے شعرا نے گائے، حسین بین الاقوامی طور پر ایک ایسا پیشوا ہے، ایک ایسا رہنما ہے، وہ صرف مسلمانوں کا رہنما نہیں ہے، وہ صرف مسلمانوں کا پیشوا نہیں ہے بلکہ زندہ کردار میں وہ تمام عالم کا پیشوا ہے، اور اس نے یہ سبق دے دیا ہے، اس نے یہ بتادیا ہے کہ جب جب حق باطل کے مقابلے میں آجائے، باطل کے ساتھ پورے ہتھیار ہوں، باطل پورا تیار ہو، جھوٹ پورا تیار ہو اور سچ بالکل نہتا ہو، اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ دب نہ جائے، باطل سے دب نہ جائے، فوراً یاد کرے، اور بھی ایسی ہی ایک کہانی ہو چکی ہے، اگر سچائی کے راستے میں تمہارا ننھا سا بیٹا قربان ہو رہا ہو تو اس پر آنسو نہ بہانا، اس پر سینہ مت پیٹنا، اس پر سر مت پیٹنا، سچائی کے راستے میں اگر حق کے اوپر ایک تمہارا جوان، کڑیل نوجوان، شباب میں ڈوبا ہوا اٹھارہ سال کا بیٹا اگر وہ شہید کردیا جائے تو رونا مت، بے صبری مت کرنا، میرے علی اکبر کو یاد کرلینا، میرے قاسم کو یاد کرلینا، اگر تمہارا ایک ایسا پہلوان جس کا چہرہ خوب صورتی میں چاند کہا گیا ہو اور وہ اگر شہید ہو جائے تو رنج مت کرنا، صبر کرلینا اور میرے عباس علم دار کو یاد کرلینا، اگر تمہاری قوم کا ایسا رہنما، تمہاری قوم کا

ایسا پیشوا، تمہاری قوم کا ایسا سردار، تمہاری قوم کا ایسا سرپرست جس نے پوری قوم کو سنوار دیا ہو، جو تمہاری پوری قوم کا سہارا ہو اگر شہید کردیا، اس کی پسلیاں ہڈیاں چور چور کردی جائیں، رنج مت کرنا، ہمیں یاد کرلینا، یہ ہے وہ سبق جو سیدنا امام حسین نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے دیا ہے۔

میرے دوستو! فولاد کے حروف گھس جاتے ہیں، پتھروں کے حروف گھس جاتے ہیں، لیکن حسین نے فرات کے کنارے اپنے خون کے جن حرفوں میں اپنی داستان حق لکھی ہے وہ آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی ویسی ہی تازہ ہے جیسے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تازہ تھی! بولو جی! سچ ہے یا جھوٹ! آج میں تو سچ کہتا ہوں، مسلمان قوم نہیں، صرف مسلمان نہیں بلکہ آج سچ والا اگر آپ انصاف کریں تو وہ حسین کے بل بوتے پر زندہ ہے، جب کبھی بھی اسے موقع آتا ہے، جب کبھی وہ گِھر جاتا ہے تو وہ سوچتا ہے،، کیا ہوا؟ مرہی تو جاؤں گا، قتل ہی تو کردیے جائیں گے، اتنا تو حسین کے ساتھ بھی ہوا تھا، حسین بھی تو شہید ہو گئے تھے، حسین بھی تو قتل ہو گئے تھے، حسین کی بھی تو پسلیاں، ہڈیاں ایک کردی گئی تھیں، ان کا بھی تو سر کاٹ لیا گیا تھا، ان کے بچے بھی تو روند دیے گئے تھے مگر حسین شہید ہو گئے، حسینیت نہیں شہید ہوئی، حسین شہید ہو گئے حسین کا مشن شہید نہیں ہوا، حسین آج تم میں نہیں ہیں لیکن حسین کا کیرکٹر اور حسین کا کردار آج بھی زندہ ہے، رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔

میرے دوستو اور میرے بھائیو!! یہ نہ سمجھ لینا کہ آج یہ جو عین غین پیدا ہو گئے ہیں، ارے مجھے تو بڑا صدمہ آتا ہے صاحب! ایک طرف تو یوں کہو کہ امام حسین کی نیاز کا شربت، جیسے گھوڑے کا پیشاب، امام حسین کی نیاز کا کھچڑا جیسے گائے کا گوبر، بڑی بے تکی بات ہے کہ ایک گلاس شربت کو تو گھوڑے کا پیشاب کہہ کر اس لیے رد کردیا کہ اس پر غیر اللہ کا نام لگا ہوا ہے، کیا مسئلہ ہے صاحب! ان مفت کے مفتیوں کو اللہ جانے کس نے بغیر باگ کے چھوڑ دیا، بغیر نکیل کے یہ مفت کے مفتی نہ جانے کہاں سے چھوڑ دیے گئے، کہنے لگے اس پہ غیر اللہ کا نام لگا ہوا ہے، اللہ

کے سوا کسی دوسرے کا نام لگا ہوا ہے، حسین کی نیاز کا یہ شربت، لہٰذا یہ حرام ہے، نجس ہے، ہے، اچھا بھئی! جب حسین کا نام لگ گیا تو وہ مردار ہو گیا۔ بھئی یہ جو بریانی کھائی دعوت میں، یہ بریانی کیسی کھا رہے ہیں؟ کہا: ہمارے بیٹے کی شادی کی بریانی ہے، واہ! سبحان اللہ ماشاء اللہ! حسین کا نام لگا شربت پر تو وہ حرام و مردار اور آپ کے بیٹے صاحب کا نام لگا بریانی پر تو وہ لقمۂ حلال، فوراً بولا، وہ تو غیر اللہ کا نام ہے، کہا: آپ کو نہیں معلوم ہے۔

یاد ہے آپ کو، شاہ سعود آئے تھے ایک دفعہ ہندوستان میں، فیصل سے پہلے وہابیوں کا یہ امام ہے، اور وہابیوں کا جو بادشاہ ہے، جس کی حکومت نجد میں ہے، وہ اپنے آپ کو امام الوہابیہ لکھتے، لکھاتے، لٹریچر میں شائع کرتے ہیں جن کا مذہب وہابیت ہے، وہ ہندوستان آئے، ہمارے ہندوستان کے وہ وہابی جو ہیں تو بالکل وہی، لیکن نام سے چھٹکتے ہیں، ارے صاحب! بڑی بڑی محرابیں بنائیں اور ان کے لیے نرم نرم نذرانہ لے کے گئے، ہماری کھڑک مسجد سے اتار پر ایک دوکان ہے مٹھائی والوں کی، صاحب! بڑے لمبے لمبے آدمی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، نذریں چڑھائی گئیں، ایک دن ہم ادھر سے نکلے تو ہم نے دیکھا کہ ان کے بورڈ کے اوپر لکھا ہوا ہے ''سعودی برفی'' ہمارے دل میں شبہ پیدا ہوئی، چلے گئے تو پہچان گیا، ہاں ہاں مولانا صاحب! تشریف لائیے تو ہم نے کہا یہ بتائیے، آپ کے یہاں کوئی دودھ کی اچھی مٹھائی ہے، کہنے لگے، یہ فلاں برفی ہے، یہ فلاں برفی ہے اور یہ قلاقند ہے اور یہ نئی ایک چیز ہم نے تیار کی ہے، سعودی برفی، میں نے کہا، سعودی برفی، ارے توبہ توبہ، وہ تو ایک دن نجس، مردار، حرام، بالکل لحم خنزیر، ارے مولانا! سنیے مولانا، وہ تو ہم نے امتیاز کے لیے لگا دیا ہے، میں نے کہا: اب آپ نے صحیح بات کہی، تو اگر اس برفی پہ امتیاز کے لیے نام آپ نے لگایا ہے تو بڑے پیر کے مرغے پر بھی بڑے پیر کا نام لگا ہوتا ہے، یہ امتیاز کے لیے ہوتا ہے، اور سیدنا احمد کبیر رفاعی کے بکرے پر جو نام لگا ہوتا ہے، مزاروں کے بکروں پر جو نام لگا ہوتا ہے، وہ بھی امتیاز کے لیے ہوتا

ہے، جب ذبح ہوتے ہیں وہ تو باسم عبد القادر کہہ کر ذبح نہیں ہوتے، باسم رفاعی کہہ کے ذبح نہیں ہوتے، باسم المزار کہہ کے ذبح نہیں ہوتے، بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح ہوتے ہیں، مجھ سے کہنے لگا، مولانا! آپ مٹھائی لینے کے لیے نہیں آئے تھے، آپ یہ کہنے کے لیے آئے تھے، میں نے کہا بات تو سچ ہے، یہی کہنے کے لیے میں آیا تھا، کہ اپنے لیے سب جائز اور ہم بے چاروں کے لیے سب ناجائز، تب دوسرے دن اس نے اس کا نام بدل کے اس کی جگہ لکھ دیا ''اچھی برفی'' اس نے سوچا کہ ابھی آل مصطفی آیا ہے، پھر دوسرا کوئی ابن مصطفی آئے گا، کوئی غلام مصطفی آئے گا، پھر کوئی عبد المصطفیٰ آئے گا، پھر ایسا کیا کہ قصہ ہی ختم ہو گیا اور لکھ دیا اچھی برفی۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ!، مجھے آپ بتائیے خدا کے واسطے کہ مولوی صاحب نے حکم دیا کہ حسین کی نیاز جو شربت وہ حرام ہے، کیوں حرام ہے؟ غیر اللہ کا نام لگا ہوا ہے، اب مجھے بڑی سنجیدگی و متانت سے ایک بات بتاؤ، یہ جمنا بوچرا سٹریٹ ہے، ہمارے یہاں غالباً ابھی مجھے نہیں معلوم، مگر ہمارے یہاں نظام الدین پٹیل نے ایک پیٹی رکھوا دی تھی کہ ایک ساتھ نیاز حسین دینا گراں گزرتا ہے، سال بھر نیاز حسین نکالا کرو، اور محرم میں وہ نیاز حسین جمع ہو جائے تو اپنی محفلوں کو جائیں گی، اچھا تو مجھے یہ بتاؤ، یہ جو پیسہ لیتے ہیں، دو آنے، چار آنے، دس آتے، روپیہ، سوا روپیہ، یہ جو محلہ محلہ محرم کمیٹیاں وصول کرتی ہیں، کس نام پہ وصول کرتی ہیں؟ بولو جی! کس کے نام پر؟ اسلام کے نام پر کون لیتا ہے؟ حسین کے نام پر نا، بولو جی، محرم الحرام کی مجلس کے نام پر نا، اب اگر پٹھان واڑی میں محرم کمیٹی ہے، تو اس نے بھی اسی نام پر وصول کیا ہوگا، اس کا جو پرمٹ آیا ہوگا پولس سے، وہ بھی تو اسی نام سے آیا ہوگا نا، محرم الحرام کی مجلس، اچھا! اب مجھے بتائیے، مکمل طور پر نام حسین، لیکن، مولوی صاحب کے سامنے گلاس شربت کا پیش کیا گیا، بولے، نیاز کا ہوگا؟ کہا، ہاں صاحب! کہا: ہم نیاز کا شربت نہیں پیتے، وہ بے چارہ اٹھا لے گیا، اب جیسے مولوی صاحب اترنے کو تھے، سکریٹری نے ایک کور مولانا صاحب کے سامنے پیش کیا، مولانا نے اسے

کھول کر دیکھا تو آٹھ، نو دس گیارہ، بارہ ہرے ہرے کرارے، کرارے، ناسک، نئے نئے آئے ہوئے نوٹ اس کے اندر بند تھے، مولانا نے نظروں نظروں میں اسے گنا اور گننے کے بعد ایسے صدریا کی پیٹھ کو ذرا اونچا کیا اور اندر سرکا لیا، میں پوچھتا ہوں کہ گلاس شربت کا نام حسین لگنے سے ناپاک ہو گیا اور یہ گیارہ سو، بارہ سو، آٹھ سو، نو سو روپے ہرے کرارے، یہ نام حسین لینے سے ناپاک نہیں ہوتے، یہ بھی تو مردار ہے، یہ بھی تو نجس ہے، اس لیے کہ تم تو کہہ چکے ہو کہ غیر اللہ کا نام جس پہ لگ جائے وہ حرام ہے، غیر اللہ نام جس پہ لگ جائے وہ مردار ہے، مگر بڑی مصیبت پڑ جائے گی تم پہ، کہ غیر اللہ کا نام جس پہ لگ جائے وہ مردار ہے، تو اگر تم سے کوئی یہ پوچھے کہ بھئی تم کس کے بیٹے ہو؟ اب وہی صورتیں ہیں یا تو کہو گے کہ اللہ کے بیٹے ہیں تو یوں گئے اور اگر یوں بھی کہا کہ عبداللہ کے بیٹے ہیں تو غیر اللہ کا نام لگا تمہارے اوپر، حرام، اب بتائیے، ایسے حرام کی تو پوچھو مت، حرام، در حرام، در حرام، یہاں تک کہ ولد الحرام، یہ بھی کوئی فقہ ہوا، یہ بھی کوئی منطق ہوئی؟ کیا احسان فراموشی ہے، میرے سرکار سیدنا امام اپنی جان قربان کر جائیں تمہاری حفاظت کے لیے، خدا کی قسم،! اگر حسین بیچ میں نہ ہوتا، تو آج تمہیں اسلام کی صورت نہیں دکھائی دیتی، یزید نے اسی وقت اسلام کو برباد کر دیا ہوتا، یزید نے اسی وقت قرآن کو دفن کر دیا ہوتا، آج اگر تمہارے ہاتھوں میں قرآن ہے تو قرآن اپنی جگہ ہے کہ اس کی حفاظت خدا نے کی ہے، مگر خدا نے اس کو تمہارے لیے ذریعہ بنا دیا شہادت حسین کا، شہادت حسین نے حفاظت فرمائی ہے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس دین پاک کی، ناموس رسالت کی حفاظت کی ہے۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، جب اپنا پورا لشکر بالکل ٹھیک کر لیا اور سب حجت تمام رکھ لی اور انہوں نے انکار کر دیا تو امام نے خطوں کا پورا تھیلا اٹھا کر آگ میں جھونک دیا، سچ یہ ہے، میں تو یہ کہتا ہوں کہ وہ تھیلا ہی نہیں بلکہ اس کے لکھنے والوں کو بھی آگ میں جھونک دینا چاہیے، وہ ایسے ہیں غداروں نابکار تھے، لڑائی تو شروع ہو گئی۔

امام کے اعزا کے علاوہ چند ہی تو ساتھی تھے، بتائیے تو سہی، ایک ایک آدمی پر سو سو آدمی جٹ جائیں، کتنا بھی بہادر انسان ہو، لیکن ایک آدمی پر اگر سو آدمی جٹ جائیں، پانچ سو آدمی تیر کان میں لگا کر اگر ایک آدمی پر چھوڑ دیں تو بتائیے وہ ایک آدمی اپنا بچاؤ کیسے کرے گا؟ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ عراق کے مشہور سردار حریث بن مجاہد اور زبیر بن قین یکے بعد دیگرے تھوڑی ہی دیر میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے، اب ان کے بعد ہی اعزا کا پیر باہر آ گیا۔

امام عالی مقام نے ارشاد فرمایا: مجھے اب جان کا ڈر نہیں، میں جان بچانے کے لیے کچھ نہیں کہہ رہا، میں صرف اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں تمہیں جہنم سے بچانا چاہتا ہوں، کیا تم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو آج میرے حق کو حق سمجھے، جو آج حق و باطل میں فیصلہ کر سکے، جیسے ہی آپ نے یہ آواز بلند کی، جیسے ہی آواز آپ نے دی ہے، لشکر یزید سے ایک نوجوان اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا باہر نکلا، تو عمر بن سعد نے کہا: تم حر بن زیاد ریاحی کہاں جا رہے ہو! کہا: ذرا میں حسین سے ملنے کے لیے جا رہا ہوں، اس نے کیا سمجھا، واہ! کیا کہنا ہے، ہمارے شام میں اس سے بڑا جنگ جو اور بہادر کوئی ہے ہی نہیں، یہ تو فیصلہ ہی کر کے آئے گا، حُر پہنچے اور پہنچنے کے بعد انہوں نے سلام عرض کیا اور سلام عرض کر کے امام کا دامن پکڑ لیا، عرض کیا: حضور والا! حُر کی خطا معاف کر دیں، میں نے آپ کو گھیر کے اس میدان میں لا اتارا، مجھے قطعی یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ غدار آپ کے ساتھ ایسا کرنے والے ہیں، اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں آپ کو ساتھ لے جا کر سرحدوں کے باہر نکال دیتا، ارشاد فرمائیے، میری آنکھیں کھل گئیں ہیں، میں نے اپنا گناہ سمجھ لیا ہے، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے، کیا میرا گناہ معاف ہو سکتا ہے؟ امام حسین نے حُر بن زیاد ریاحی کو اٹھایا، اور اٹھا کر گلے سے لگا لیا، ارشاد فرمایا: ہم قسم کھاتے ہیں کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے جنت ہمیں عطا فرمائی تو حُر کو لیے بغیر ہم جنت میں نہیں جائیں گے، تجھے لیے بغیر ہم جنت میں نہیں جائیں گے۔ بس یہ کہنا تھا کہ حُر وہاں سے اپنی تلوار کھینچ کر پلٹے اور میدان میں

آ کر پکارے: جس کو اپنے بچے یتیم کرنا ہوں، جسے اپنی عورتیں بیوہ کرنی ہوں، میرا نام حُر ہے اور میرے باپ کا نام زیادریاحی ہے، آج میں نے حق کو پہچان لیا ہے اور میری آنکھیں کھل گئی ہیں، حر کا مقابلہ میں آنا تھا کہ یزید لشکر کے چھکے چھوٹ گئے، ابن سعد کے چھکے چھوٹ گئے، اور حُر ایسے گرا، ایسے گرا جیسے شیر گرتا ہے، جس طرف حُر رخ کر لیتے تھے، اس طرف نشان باقی نہیں رہتا تھا، اتنے میں ابن سعد چلایا، اے لوگو! خدا کے واسطے، سب کو کٹوا ڈالو گے، ایک آدمی تمہارے بس میں نہیں آ رہا ہے، بس جناب والا وہی آخری چال انہوں نے چلی کہ ساروں نے مل کر حُر کے اوپر یلغار کر لیا، حُر نے کافی مقابلہ کیا بالآخر حر کو شہید کر دیا گیا۔ اس طرح حُر بن زیاد ریاحی نے جو شقیوں میں تھے، جو بدبختوں میں تھے آخری وقت میں اپنے شقاوت کو اپنا خون سے دھو کر شہیدوں میں مل گئے، شہید ہو گئے، اپنے خون سے دھویا اپنے اس داغ کو جو امام عالی مقام کو جو وہ گھیر کر میدان میں لائے تھے۔

حُر بن زیاد ریاحی کے بعد اب تو تانتا بندھ گیا، مسلم بن عقیل کے پہلے بھائی گئے، اس کے بعد جوان صاحب زادے گئے، اب تو آپ سمجھ لیجیے کہ یہ اہل بیت ہیں، علی مرتضیٰ کا گھرانہ ہے، ان کی لڑائی کا کیا پوچھنا؟ میرے دوستو! بس یہ سمجھ لیجیے، سوائے ایک بات کے کہ کثرت تھی ان کے پاس، اور کچھ نہیں تھا، اگر کثرت نہ ہوتی، اگر برابر کا مقابلہ ہوتا، نہیں دونے کا مقابلہ ہوتا، نہیں چار گنے کا مقابلہ ہوتا، نہیں آٹھ گنے کا مقابلہ ہوتا، یہ بہتّر تھے وہ پانچ سو ہوتے، یہ بہتّر تھے تو وہ ہزار ہوتے، لیکن یہ بہتر ہیں، وہ ۲۳ ہزار ہیں، کوئی مقابلہ ہی نہیں، دونوں میں کوئی میل ہی نہیں، آپ حساب لگائیے، بہتر پر ۲۳ تقسیم کیجیے، تو فیصد کتنے پڑیں گے؟ میں تو حساب میں کمزور ہوں بھائی، آپ سوچ کر بتائیے اور سوچ کر رکھیے کہ بہتر پر ۲۳ ہزار کو تقسیم کرنے سے کیا بنے گا۔

لڑائی جاری رہی، نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ تھوڑی دیر میں آپ کے یہ بھائی اور یہ برادر زادے

شہید ہو گئے، اور یکا یک حضرت زینب نے اپنے دونوں بچوں کو خیمے میں پکارا، عون ایک کا نام ہے اور محمد ایک کا نام ہے، ننھے ننھے بچے ہیں، ایک کی عمر ہے تیرہ سال کی اور ایک کی عمر ہے پندرہ سال کی، دونوں بچے ہیں، وہ حاضر آئے، زینب کبریٰ نے دونوں بچوں کو گلے سے لگایا، کہا: بیٹا! تم جانتے ہو، آج تمہارا باپ میدان کربلا میں نہیں ہے، حضرت زینب ثانی الزہرا کہلاتی ہیں، امام حسین کی بہن ہیں، فاطمہ زہرا کی بڑی بیٹی ہیں، ان کا عقد ہوا ہے ان کے چچا جعفر طیار کے بیٹے عبداللہ ابن جعفر طیار کے ساتھ، تو کہتی ہیں، کہ تمہارا باپ آج یہاں نہیں ہے، اگر وہ ہوئے تو مجھے کوئی پروا نہیں تھی، وہ ہوتے تو اپنے بھائی اور اپنے بہنوئی پر اپنی جان قربان کر دیتے، میری نظر نیچی نہ آتی، لیکن آج وہ یہاں نہیں ہیں، مجھے یہ ڈر لگ رہا ہے، میں یہ سوچ رہی ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو علی اکبر اٹھ بیٹھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ قاسم اٹھ بیٹھیں، اگر علی اکبر اور قاسم شہید ہو گئے تو بتاؤ زینب کا کیا نام لے کر دو گے، تم دونوں کو میں مدینے لے کر پہنچی تو تمہارا باپ مجھ سے کہے گا کہ عون و محمد کو تم نے سینے سے لگا کے رکھا، اور علی اکبر اور قاسم کو شہید کرا آئی، تمہارا کیا خیال ہے؟ دونوں بچوں نے یک زبان کہا: اماں جان! بہت دیر سے ہم دونوں میں آپس میں یہ چی میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ اماں جان کے پاس پوچھنے کے لیے پہلے کون جائے؟ ہم دونوں آپس میں یہ بات کر رہے تھے، ہم چھوٹے ہیں، ہماری جرأت نہیں پڑ رہی تھی کہ پہلے آپ سے پوچھیں اور پھر ماموں جان سے جا کر اجازت لیں، سبحان اللہ! اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں بلا لیا، تو آپ اپنا شیر ہمیں بخش دیجیے، ہمیں اپنا حق معاف کر دیجیے اور ہمیں اجازت دے دیجیے، زینت کبریٰ دونوں کو گلے سے لگایا، پٹے ان کی کمر سے باندھے فرمایا: جاؤ بیٹے! ہم نے تمہیں اللہ کے سپرد کیا، دو ننھے منے بچے باہر آتے ہیں، سرکار امام عالی مقام اپنے مصلے پر تشریف فرما ہیں ان کے سامنے یہ دونوں بچے جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں، حضور فرماتے ہیں: بچو! کہو، کیسے آئے ہو؟ کچھ کہنا چاہتے ہو؟ عرض کی، ہم یہ کہنا چاہتے ہیں ماموں جان! ہمیں جنگ کی اجازت دے دی

جائے، فرمایا: یہ تیرا سال کا، یہ پندرہ سال کا، میں تمہیں کیسے اجازت دے دوں، میں اجازت دے بھی دوں تو مجھے بتاؤ، میں زینب کو کیا جواب دوں گا؟ میں زینب کو کیا جواب دوں گا، وہ نہ کہے گی کہ میرے نورِ نظر، میرے لختِ جگر کو آپ نے کٹوا دیا، دونوں کہنے لگے: ماموں جان! اس کا تو ہم پہلے ہی علاج کرا چکے ہیں، ہم امی جان سے پہلے ہی اجازت لے آئے ہیں، وہ تو اپنے سارے حق معاف کر چکی ہیں، ہم اجازت لے کر آئے ہیں۔ امام نے اپنا سر جھکا لیا فرمایا: ہم جانتے ہیں، ہمارا امتحان ہو رہا ہے اور حسین اس وقت تک جیتا رہے گا جب تک کہ تم سب حسین کے سامنے شہید نہ ہو جاؤ، حسین جب داغ لے کر جائے تو اکیلا نہ جائے بلکہ تم سب کا داغ لے کر جائے، اللہ تبارک وتعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ حسین کہیں اُف تو نہیں کرتا، جاؤ بیٹے! اللہ کے راستے میں۔ یہ دونوں گئے ہیں۔

امام ابو اسحاق لکھتے ہیں: کہ ان دونوں بچوں نے تو تلاطم ڈال دیا، مختصر میں آپ کو یہ بتاؤں کہ تمام شہدائے کربلا فرات سے دور تھے اور آج یہ دونوں بچے فرات کے بالکل کنارے لڑ رہے ہیں، اس لیے کہ یہ دونوں لڑتے ہوئے، ننھے ننھے۔ ارے ان پر رعب کیا؟ اگر چالا کی دکھائی، کسی کے پیروں میں سے نکل گئے، کسی کے کاندھے کے نیچے سے نکل گئے، اور کسی کے ہاتھوں میں سے نکل گئے اور اس طرح سے کاٹتے، پیٹتے، یہاں تک کہ انہوں نے یزید کے لشکر کے علم بردار کے علم کے اوپر تلوار ماری، پھر کیا کریں، ننھی ننھی تلواریں، ہاتھوں میں ننھا ننھا سا زور اور اس کا پرچم آدھا کٹ گیا، پرچم اس کا نیچا ہو گیا اور وہیں چاروں طرف سے گھیر لیے گئے۔ جب یہ گھیر لیے گئے تب انہوں نے آواز دی، یا خالاہ! حضور والا! ماموں جان! تشریف لائیے، ماموں جان جب تشریف لے گئے ہیں تو یہ دونوں بچے اللہ تبارک تعالیٰ کو پیارے ہو چکے تھے، خیمے میں لے کر آئے، حضرت زینب کے سامنے رکھ دیا لا کر، حضرت زینب نے دیکھا، فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ زینب سرخ رو ہے آج، بھائی! زینب سرخرو ہے اور بجائے بیٹوں

کو گلے لگانے کے، علی اکبر کو انہوں نے کھینچا اور کھینچ کر گلے سے لگایا، میری آنکھوں میں ٹھنڈک ہے کہ علی اکبر زندہ ہے بھلے عون ومحمد ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہو چکے ہیں۔

ابھی یہ تذکرہ ہو رہا تھا کہ ایک نوجوان لڑکا، جس کے چہرے میں حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصویر کھیل رہی ہے، انیس سال کا بچہ خیمے سے باہر نکلتا ہے اور سرکار امام عالی مقام کے آگے ہاتھ باندھ کر خاموش کھڑا ہو جاتا ہے حضور والا نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: قاسم! کیوں؟ کیسے آئے ہو؟ کہا: حضور والا! میرے بابا جان امام حسن مجتبیٰ کا جب انتقال ہو رہا تھا تو انہوں نے مجھے ایک تعویذ دیا تھا کپڑے میں سلا ہوا اور فرمایا تھا: اس کو اپنے بازو میں باندھ کے رکھنا، ایک موقع آئے گا جب میرے بھائی حسین کے اوپر بل پڑے گا، تب اس تعویذ کو کھول کر دیکھنا، اب اس سے زیادہ وقت کیا آئے گا، میں نے تعویذ کھولا تو اس میں دیکھا کہ قاسم! کربلا کے میدان میں جب وقت آ پڑے، علی اکبر میدان میں نہ جانے پائیں، علی اکبر کا لعشہ میدان میں نہ آنے پائے، اس سے پہلے تمہارا لعشہ میدان کے اندر گر چکا ہو، لہٰذا حضور! ہم اپنے ابا جان کی وصیت پوری کرنے کے لیے اجازت مانگنے آئے ہیں، امام عالی مقام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، کہا کہ بیٹے! میں تمہیں دیکھ کر اپنے بھائی جان کو یاد کر لیا کرتا تھا، تمہیں کس دل سے اجازت دوں، عرض کیا: حضور! اجازت نہیں دیں گے تو ہم نہ صرف یہ کہ اپنے بھائیوں کے سامنے شرمندہ ہوں گے، حضور والا خیال فرمائیں، پھوپھی کے لڑکے دونوں ننھے ننھے وہ قربان ہو چکے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ بھائی علی اکبر اپنے بستر پر بار بار کروٹ بدل رہے ہیں، بار بار دیکھتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں، حضور والا، اگر علی اکبر مجھ سے پہلے شہید ہو گئے تو کل قیامت میں میں اپنے ابا جان کو منہ نہیں دکھا سکوں گا، اب اجازت دے دی جائے، سیدنا امام عالی مقام نے فرمایا: ہم سب جانتے ہیں، ہمیں معلوم ہو، تب سب کو ہم نے انکار کر دیا ہے اور تم سب ہمارے دل پر ایک ایک کر کے داغ ضرور لگاؤ گے، یہی ہماری

تقدیر میں ہے، اور اسی پہ ہمیں صبر کرنا ہے اور یہی ہمارے نانا جان نے ہمیں بتایا تھا، اچھا بیٹا جاؤ۔

قاسم میدان میں آئے تو سارا میدان لرز ااٹھا، ایک شام کا پہلوان تھا۔ ارزق اس کا نام تھا، وہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں رستم شام ہوں، میرا آج تک کسی نے مقابلہ نہیں کیا، کسی نے پیٹھ ہی نہیں لگائی، عمرو بن سعد سے کہنے لگا، یہ لڑکا بڑا خوب صورت ہے، ذرا اس کے بدن کی بناوٹ تو دیکھو، ذرا اس کی باڈی تو دیکھو، اور دیکھو کس شان سے کھڑا ہے، کون ہے یہ؟ عمرو بن سعد کہنے لگا، تم نہیں پہچانتے ہو پہلوان! یہ حسن کا لڑکا ہے، مرتضیٰ علی کا پوتا ہے یہ، حسین کا بھتیجا ہے، قاسم اس کا نام ہے، اتنی کچی عمر میں اور اتنی بڑی فوج کے سامنے آ گیا، عمر بن سعد کہنے لگا، بات یہ ہے کہ تمہارا بدن تو بڑھ گیا ہے لیکن عقل کھٹ گئی ہے تمہاری، ارے بے وقوف! شیر کا بچہ ہے یہ، اور شیر کا پیدا ہونے والا ہر بچہ بھی شیر ہوا کرتا ہے، ارے تم عجیب ہو نا، اس لیے تمہارے اوپر رعب بیٹھ گیا ہے، اپنے چھوٹے لڑکے سے کہنے لگا، ارے ادھر آؤ، علی کا پوتا یہ سامنے کھڑا ہے، جائے دے آؤ ایک ہاتھ، اور وہ جھومتا ہوا آگے بڑھا، معلوم ہو کہ ہاتھی کا پاسا آگے آرہا ہے، آ کے آمنے سامنے ہوئے، قاسم کی تلوار اوپر چمکی اور وہ زمین پر آ ڈھیر ہوئے، اللہ اکبر!! کا نامنہ ہو گیا نابکار کا، اب دوسرے کو بھیجا، کہنے لگا، کیوں جی! تم نے میرا بھائی ایسا مار دیا جس کا جواب نہیں تھا، حضرت قاسم ہنسے، فرمایا: تمہیں بھی اس کے پاس پہنچا دیں، وہ بھی ختم ہوا، اس کے بعد تیسرا اور اس کے بعد چوتھا، چاروں لڑکے قتل ہو گئے، شامی پہلوان کا کلیجہ کالے ہونے لگا، لرزنے، کانپنے لگا، اس کے بعد کہنے لگا تم سچ کہتے تھے، عمرو بن سعد! یہ لڑکا بہت شریر ہے، میں جا کے اس کو مچھر کی طرح مسل ڈالوں گا، کہا: جاؤ، چار تو مسلے جا چکے ہیں اب آپ بھی زور آزمائی کر لیجیے، وہاں سے میدان میں آیا، کہنے لگا، لڑکے! تم نے چار ایسے نوجوانوں کو مارا ہے جن کا شام میں جواب نہیں تھا، فرمانے لگے: بڑے میاں! وہ چاروں تمہارا انتظار کر رہے ہیں، کیا کہتا

ہے؟ میں کہہ رہا ہوں، وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں، لہٰذا سر آگے بڑھاؤ تاکہ میں ان کو پیارا کرانے کے لیے تم کو ان کے پیچھے پیچھے بھیج دوں، تلوار چلی، حضرت قاسم کی تلوار، یا اللہ! تیری پناہ، وہ پرانا پہلوان اور یہ نوجوان، یہاں تک کہ حضرت قاسم کی تلوار ٹوٹ گئی، تو سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود تشریف لائے میدان میں اور تلوار آپ کو عنایت فرمائی پھر تلوار چلنا شروع ہوئی، یکا یک حضرت قاسم نے ارشاد فرمایا: ارے احمق! میں نے تو سنا تھا، تو بڑی لڑائیاں لڑے ہوئے ہے، لیکن ہمارے مقابلے میں آ کر اتنا بھی بھول گیا، ارے تمہارے گھوڑے کا نیچے کا پٹہ وہ ڈھیلا بندھا ہوا ہے، تھوڑا اور ہوا تو سرک پڑو گے، وہ ایسے جھکا اپنا پٹہ دیکھنے کے لیے اور قاسم نے **الحرب خدعة** کہہ کر ایک تلوار ماری، تلوار کی نوک آدھا گز زمین میں سما گئی تھی جب اس نے ارزق پہلوان اور اس کے گھوڑے کو کاٹ کر الگ کر دیا تھا۔ عمرو بن سعد نے یہ دیکھ کر چیخ ماری اور کہا: یہ کیا کرنا چاہتے ہو؟ پورا لشکر کٹوا دو گے ایک ایک کر کے تم، اور صاحب! وہی نتیجہ ہوا کہ چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس میں سے ایک مردود نے حضرت قاسم کی پشت کی طرف سے ایک نیزہ مارا، وہ آپ کی گردن سے ہو کر آگے نکل گیا، اسی حالت میں حضرت قاسم گرے اور گرتے گرتے پکارے، **یا عماہ ادر کنی** چچا جان! ہمیں آپ پکڑ لیجیے، دیکھ لیجیے، سیدنا امام حسین پہنچے تو حضرت قاسم زمین میں تڑپ رہے تھے، ان کا سر مبارک اٹھا کر اپنے کاندھے پر رکھا، ان کے چہرے کی گرد کو دھویا، اپنے زانوں پر رکھا اور فرمایا: قاسم! جا رہے ہو بیٹا! اچھا، نانا جان سے عرض کر دینا، حسین کے صبر کو ضائع نہ ہونے دیجیے گا، حسین نے آج آپ کے صبر سے سبق لیا ہے، لہٰذا یہ بھی عرض کر دینا، حسین آپ کی خدمت میں جلد حاضر ہونے والا ہے، جاؤ بیٹے، قاسم نے اپنی آنکھیں موند لیں، حسین ان کا لعشہ اپنے ہاتھوں پر سنبھالے ہوئے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھتے خیمے میں آئے اور جیسے خیمے میں لاش رکھی، قاسم کی ماں نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔

اوران کی چیخ کے ساتھ ہی حضرت علی اکبر بیدار ہوئے، کیا ہوا؟ یہ میں نے چیخ کیسے سنی؟ معلوم ہوا کہ قاسم کی لاش آئی ہے، باہر آئے، کہنے لگے، کمال کر دیا آپ نے قاسم! ہم سے تو آپ نے کہا تھا کہ دونوں ساتھ جائیں گے لیکن ہم سے پہلے ہی جا کر کام بنائے آئے، باہر آئے، آپ کو معلوم ہے، علی اکبر سراپا مشابہ تھے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے، مدینہ والوں کے دل میں جب شوق ہوتا زیارت رسول کا تو دروازے پر آ کر پکارتے، **الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ یا اهل بیت رسول اللہ**، آپ باہر آتے، وہ لوگ آپ کی صورت دیکھتے اور ان کے دلوں کو ڈھارس آ جاتا، علی اکبر جب آئے ہیں میدان جنگ میں، تو ایسا معلوم ہوا کہ چاند نما ہو گیا، ایک سورج کے بعد دوسرا سورج نکل آیا، عمرو بن سعد چلا اٹھا کہ آج اہل بیت کا چاند ہمارے لشکر کے سامنے کھڑا ہوا ہے، اور اس کے بعد، بے شک علی اکبر ہیں یہ، انہوں نے اپنے ہاتھوں سے جنگ کا کرتب دکھایا ہے، وہ حضرت علی مرتضیٰ کا کرتب تھا، لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ میدان میں علی اکبر نہیں لڑ رہے ہیں بلکہ میدان میں علی مرتضیٰ آ گئے ہیں، علی اکبر جس طرف نکل جاتے تھے، یزیدیوں کی عزت بگڑ جاتی تھی، یہاں تک کہ پیاس نے جب غلبہ کیا تو اپنے بابا جان کے پاس دوڑے آئے، عرض کیا: **العطش، العطش**، حضور! پیاس، یہ دیکھیے میری زبان باہر نکل آئی ہے، حضور والا نے اپنی انگوٹھی انہیں دی اور فرمایا: اسے چوسو، اس میں سے تمہیں تھوڑی سے تقویت مل جائے گی اور اب جاؤ، حوض کوثر تک پہنچتے زیادہ دیر نہیں رہ گئی ہے، جیسے ہی وہاں سے واپس آئے، ابن سعد چلا رہا ہے، ڈانٹ رہا ہے، ارے تین دن کے پیاسے کو نہیں مارا جاتا تم سے! چھان لو مل کر اسے، یہ لڑ رہے تھے، کہ ایک نابکار نے تیر مارا جو سیدنا علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلقوم میں بیٹھا اور پیچھے سے نکل گیا، اور ایک نے تلوار ماری، علی اکبر زمین پر گرے اور پکارے، اباہ ادرکنی بابا جان! میری خبر لیجیے، سیدنا امام عالی مقام پہنچے اپنے پیارے بیٹے کی پیشانی کو بوسہ دیا اور گلے سے لگا لیا اور فرمانے لگے: علی

اکبر! جا رہے ہو، ہم نے تمہیں خدا کے سپرد کیا۔

اب حضرت سیدنا علی اکبر اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، لعش ان کی آ چکی ہے، ان کی والدہ ماجدہ لیلیٰ بنت مرہ اپنی آنکھ میں آنسو بھرے ہوئے ہیں لیکن رونے کی انہیں اجازت نہیں ہے، سینہ پیٹنے کی اجازت نہیں ہے، سر کھولنے کی اجازت نہیں ہے، ٹک ٹک دیکھ رہی ہیں، زینب دیکھ رہی ہیں، اور فرما رہی ہیں کہ ہماری اٹھارہ سال کی کمائی آج تم نے شام کے میدان میں فرات کے کنارے جا کر ایسی گنوا دی، مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم ہم سے دور چلے جاؤ گے، اتنے میں سکینہ چلی آئیں، ارے کوئی اللہ کا بندہ میرے چچا جان سے جا کے کہہ دیتا کہ آپ کی سکینہ پیاسی ہے، حضرت عباس خیمے میں آئے، کیا بات ہے؟

آپ کو معلوم ہے فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وصال کے وقت مولا علی سے فرمایا: علی مرتضیٰ! میں چاہتی ہوں کہ میرے انتقال کے بعد قبیلہ بنو اسد میں آپ شادی کر لیں، وہاں کی عورتیں بڑی تنوقد، تنومند ہوتی ہیں، میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ایک لڑکا پیدا ہو جو بالکل آپ جیسا ہو، جس طرح کہ دین کے معاملے میں آپ نے میرے بابا جان کی حمایت کی ہے، میدان کربلا میں وہ میرے حسین کی حمایت کرے اور اس شادی سے حضرت مولا علی کے یہاں جو پہلا بچہ پیدا ہوا، اس کا نام رکھا گیا عباس، ان کا چہرہ ایسے چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند، اسی لیے ان کو قمر بنو ہاشم کہتے تھے، بنو ہاشم کا چاند کہتے تھے، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب پیدا ہوئے تو آنکھیں بند کیے ہوئے پیدا ہوئے، یہاں تک کہ مولا علی کے ہاتھ اور آغوش میں آنکھ نہیں کھولی، حسن مجتبیٰ نے آغوش میں لیا، آنکھ نہیں کھولی، یکایک امام حسین نے بھیا کہہ کر جو ہاتھ میں نے لیا ہے تو حضرت نے آنکھ کھول دی، اس کا معنی یہ ہیں کہ دنیا میں آنے کے بعد حضرت عباس نے دنیا کے جس پہلے انسان پر نظر ڈالی ہے وہ حسین ہیں، پوری عمر میں اپنے پیارے بھائی کو بھائی کہہ کے نہیں پکارا، مولای کہتے تھے سیدی کہتے تھے، سیدی و مولائی کہہ کے پکارتے تھے حضرت عباس، حضرت سکینہ کو اپنی بیٹی بنا لیا تھا، اور حضرت

سکینہ انہیں باپ سے زیادہ چاہتی تھیں۔

خیمے میں آئے، کہا، کیا ہوا؟ سکینہ کہنے لگیں: چچا جان! بھول گئے آپ اپنی سکینہ کو، کئی دن سے میں پیاسی پڑی ہوئی ہوں، مجھے تین دن سے پانی نہیں ملا، فرمایا: سکینہ! ہم جا رہے ہیں، پانی لاتے ہیں، یا تو پانی لے کر آئیں گے ورنہ عباس زندہ نہیں آئے گا، مشک اتاری، کندھے پر ڈالی، باہر چلے، سیدنا امام حسین نے پوچھا: عباس! کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے، حضور! سکینہ پیاسی ہے اور میں اس کے لیے پانی لینے جا رہا ہوں، فرمایا: ہمارے پاس آؤ، ہماری ایک نصیحت سنتے جاؤ، سنو! اپنا بچاؤ کرنا، مگر لشکر اشقیا پہ حملہ مت کرنا، عجیب بات ہے، جنگ کے میدان میں حملہ نہ کروں، عرض کیا: حضور! آپ امام ہیں، میں مقتدی ہوں، میں پوچھنے کا حق نہیں رکھتا، مگر جی چاہتا ہے کہ پوچھ لوں، میدان جنگ میں تو حملہ ہی کیا جاتا ہے، فرمایا: بات یہ ہے عباس! تو لڑے گا تو ایسا معلوم ہوگا کہ علی مرتضیٰ لڑے اور تیری تلوار سے ان میں ایک بھی باقی نہیں بچے گا، جب تو سب کا ختم کردے گا تو ہمیں کون شہید کرے گا، اس لیے ہم تم سے کہہ رہے ہیں: اپنا بچاؤ کرنا، ان کے اوپر تلواریں مت اٹھانا، اس لیے عباس نے علم کی چھڑا اپنے بغل میں دبائی، کندھے پر اپنے مشک لٹکائی، تلوار باہر نکالی اور چل دیے، ایک غلغلہ اٹھا، لوگو! ہوشیار، سقائے اہل بیت فرات سے پانی لینے جا رہا ہے، چاروں طرف سے فرات پر پہرہ سخت کر دیا گیا، مزاحمت کرتے ہوئے پہنچ گئے، جب فرات پر پہنچے، سامنے دریا بہہ رہا ہے، تین دن سے پیاسے ہیں، ایک چلو پانی لیا، پانی لے کر لائے منہ تک، پھر خیال آیا، عباس! پانی پی رہے ہو اور سکینہ وہاں پیاسی ہے، چھوڑ دیا پانی، مشک بھری اور چل دیے اور ادھر سے شور بلند ہوا، عباس پانی لے جا رہے ہیں، اگر خیمے تک پانی پہنچ گیا تو خدا کی قسم ایک بھی یزیدی یہاں سے زندہ واپس نہیں جائے گا، چاروں طرف سے یزیدی لشکر نے حضرت عباس کو گھیر لیا، تیر پر تیر پڑے تو آپ کا ایک بازو کٹا تو مشک دوسرے بازو میں سنبھالی، جب وہ بازو بھی کٹ گیا تو مشک دانتوں میں سنبھالی، جب مشک چھلنی ہو کر پانی اس کا بہہ گیا تو مشک آپ نے چھوڑ دی اور اس کے ساتھ ہی کسی نابکار کی تلوار پڑی تو بیچ میں سے آپ کا یہ

سر شق ہو گیا، اور گرے، اور گرتے گرتے آپ نے پکارا: یا مولائی! ادرکنی اے میرے آقا! آپ تشریف لائیے، آپ ہمیں دیکھ لیجیے، امام عالی مقام تشریف لائے، فرمایا: ٹھیک ہے، چلے گئے نا تم اپنے راستے پر، صحیح کہہ رہے تھے تم کہ پانی نہ لا سکوں تو خیمے میں زندہ واپس نہیں آؤں گا، مگر عباس! عمر بھر تم نے ہمیں بھائی نہیں پکارا، اب جا رہے ہو، چلتے چلتے ایک دفعہ ہمیں بھائی جان کہہ کے پکارو، حضرت عباس نے آخری مرتبہ سرکار امام عالی مقام کو اخوی کہہ کر پکارا، بھائی جان کہہ کر پکارا اور ساتھ ہی ان کی روح عالم جناں کو پرواز کر گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یکا یک خیمے سے پھر شور اٹھا، معلوم ہوا کہ رباب بہت ہی غمگین ہیں، حضرت عبد اللہ کی ماں بہت غمگین ہیں، انہوں نے کہا: دیکھئے سرکار! یہ آپ کا ننھا بچہ ہے، ان نابکاروں سے کہئے کہ قصور ہے تو میرا ہے، آج تین دن سے میں نے پانی نہیں پیا ہے، ہماری چھاتیوں میں دودھ سوکھ گیا ہے، ننھے علی اصغر کا گلا سوکھ کر کانٹا ہو چکا ہے، امام انہیں اپنے بازو پر لے کر آئے، فرمانے لگے سنو! اگر تمہارا قصور مند ہے تو حسین ہے، اس بچے نے تمہارا کیا لیا ہے؟ کیا اسے چلو بھر پانی نہیں ملے گا، ایک نابکار وہاں سے بولا: حسین! کتے اور خنزیر کو پانی ملے گا فرات سے، کافروں کو پانی ملے گا فرات سے، لیکن تمہارے لیے نہیں ہے، تمہیں پانی نہیں مل سکے گا، بیعتِ یزید کر لو، پانی پی لو، امام عالی مقام مایوس ہوئے واپس جا رہے تھے، کہ حرملہ بن کاہل ایک ولد ناحلال نے انہیں پکارا، ارے! واپس جا رہے ہو، میں پانی دیتا ہوں، لوٹ پڑے، جیسے ہی سامنا ہوا، اس مردود نے اپنی کمان میں تیر لگایا اور اس کے بعد کھینچ کر مار دیا ہے تو حضرت سیدنا عبد اللہ علی اصغر کے گلے سے وہ پار ہوا اور امام عالی مقام کے بازو کو چھید کر پار ہو گیا، ننھا سا بچہ، تین دن کے پیاسا، اس کے سوکھے گلے سے خون کے قطرے ٹپکے، امام عالی مقام نے خون کو ہاتھ میں لیا، آسمان پر اچھال دیا، عرض کیا، یا اللہ العالمین! تیرے فرشتے گواہ ہیں کہ حسین نے اپنا ننھا بھی تجھ سے بچا کے نہیں رکھا اور یہ کہہ کر حضرت عبد اللہ اصغر کو ہاتھوں میں لیے ہوئے خیمے کی طرف لا رہے ہیں، الحمد للہ رب العالمین، الحمد للہ رب العالمین، الحمد للہ رب العالمین، حضرت زینب کو

دیا، کہا، لے جاؤ، رباب کو دے دینا، کہہ دینا، ہم ایسا پانی پلوا لائے ہیں کہ اب کبھی دنیا میں یہ پیاسے نہیں ہوں گے، حضرت زینب نے اپنے شہید بچے کو گلے سے لگا لیا، فرمایا: انہیں لے کر لعشوں میں رکھ دو، مگر میں آپ سے ایک بات پوچھتی ہوں کہ آپ جتنی لعشیں لے کر آتے، جب لعش اٹھائی، آپ نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون، مگر جب یہ لعش آپ اٹھا کر لائے تو آپ نے انا للہ نہیں پڑھا، آپ نے کہا: الحمد للہ رب العالمین، اس میں کیا راز ہے؟ ارشاد فرمایا: کل حضرت ابراہیم سے اللہ نے حضرت اسماعیل کا ذبیحہ مانگا، اور وہ ذبح کرنے لگے تو حکمت الٰہیہ سے اسے ملتوی کر دیا گیا اور حضرت اسماعیل بچا لیے گئے، میں جب اس نے بچے کو لے کر گیا، تو میرا یہ خیال ہوا کہ ایسا تو نہ ہو کہ میرا یہ ننھا بچہ اللہ کی بارگاہ سے محروم کر دیا جائے، لیکن جب اس کی شہادت قبول کر لی گئی تو میں نے نا خدا کا شکر ادا کیا، الحمد للہ رب العالمین۔

اللہ اکبر! اتنا کچھ ہو چکا ہے، اب حضرت زین العابدین نے نیزہ سنبھالا، اب آپ سوچیے، چھ مہینے کے بیمار، پیٹ آگے کو نکلا ہوا، بدن میں نظر آتی ہوئی ہڈیاں، عالم یہ ہے، پیر کہیں ڈالتے ہیں، پڑتا کہیں ہے، لڑکھڑاتے ہوئے یہ چلے تو حضرت امام حسین نے دوڑ کر حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ان کو اپنے سینے سے لگا لیا، کہاں جاتے ہو علی! عرض کیا: حضور! اسی راستے پر جا رہا ہوں، جہاں برادران مسلم بن عقیل گئے ہیں، جہاں پر ہمارے دونوں بھائی عون و محمد گئے ہیں، جہاں پر قاسم و علی اکبر گئے اور جس راستے پر چچا جان عباس علم دار گئے، جہاں آپ ننھے منے عبد اللہ علی اصغر کو ڈال آئے ہیں، اسی راستے پر جا رہا ہوں، فرمایا: کیسی باتیں کرتے ہو علی زین العابدین! تمہیں معلوم ہے کہ اب تم تنہا باقی رہ گئے ہو، بتاؤ، ان عورتوں کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اور اے زین العابدین سنو، ابھی تمہیں بہت تکلیفیں اٹھانا ہے، تمہیں اپنے پیروں میں بیڑیاں ڈالنا ہے، تمہیں اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈلوانی ہیں، تمہارا بدن میں میں رسی باندھی جائے گی، تم گھسیٹے جاؤ گے، اور تم چلتی ہوئی دھوپ میں ننگے بدن اونٹ پر بھٹا کے یہاں سے پھرائے جاؤ گے، اور یزید کے پاس جاؤ گے، خاندان اہل بیت کی

ذلت اور تباہی کی انتہا تم پر توڑی جائے گی، تمہیں آزمایا جائے گا کہ اب بھی تم خدا سے راضی ہو، نہیں، زین العابدین! امامت کا سلسلہ کٹ جائے گا، روضہ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چراغ جلانے والا کوئی نہیں رہے گا، نسل رسول کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، تم نہیں جاؤ گے، سینے سے لگایا، امامت کے اثرات جو آپ کے سینے میں تھے، وہ امام زین العابدین کے سینے میں ڈالے اور ان کو تمام رموز سکھائے، فرمایا: سنو! میں تبرکات رسالت ساتھ نہیں لایا ہوں، بلکہ ان سب کو گٹھری میں باندھ کر حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد کر آیا ہوں، جب مدینہ منورہ جانا تو اپنی نانی جان سے تبرکات لے لینا اور امامت تمہارا حق ہے، بیٹا! میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ اب ہمیں یہ یقین ہو رہا ہے کہ جب تک کہ ہمارے اہل بیت میں سے مہدی نہیں آئیں گے، امامت و خلافت یہ نبوت کے ساتھ ہمارے خاندان میں جمع نہیں ہوگی، میرے بعد لوگ تمہیں بھڑکائیں گے لیکن تم گوشہ نشینی میں عمر گزار دینا اور کوفیوں پر کبھی اعتماد مت کرنا، یہ کہہ کر آپ نے انہیں لے جا کر بستر پر سلایا پھر اس کے بعد تمام مستورات کو اکھٹا کر کے ارشاد فرمایا: اور اپنی ازواج سے فرمایا: سنو! ایک وقت آئے گا کہ تم ہمیں قتل ہو کر زمین پر گرتے ہوئے دیکھو گی، ایک وقت آئے گا کہ ہمارا سر کاٹا جائے گا، خبردار، خبردار، آنکھوں میں آنسوؤں کے سوا میں تمہیں چیخنے چلانے کی اجازت نہیں دوں گا، مٹی اپنے سر میں مٹ ڈالنا، بال مت نوچنا، سینہ مت پیٹنا، اپنے بازوؤں کو مت پیٹنا، صرف صبر کے آنسوؤں کی اجازت ہے، صبر کرنا، میرے صبر کو ضائع مت کرنا، اور یہ کہہ کر حضور والا نے عمامۂ رسول سر پر رکھا، حضرت مرتضیٰ علی کا جبہ پہنا، پٹکا جعفر طیار کا باندھا، اور کمان حضرت سید الشہد اامیر حمزہ کی لی اور ہاتھوں میں تلوار سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لے کر شہادت کا دولہا بن کر سیدنا امام اب میدان میں تشریف لائے، اور فرمایا: حمد ہے اس کے لیے جس کے لیے حمد ہے، صلاۃ ہے اس کے لیے اور اس پر جس کے لیے صلاۃ ہے اور حمد و صلاۃ کے بعد اے شامیو! اے کوفیو! میں چند باتیں تم سے کرنا چاہتا ہوں، مجھے بتاؤ کہ آج دنیا میں کسی نبی کا کوئی نواسا سوائے میرے موجود ہے؟ مجھے بتاؤ، کیا کسی نبی کی قوم نے نبی

کی اولاد کے ساتھ وہ کیا ہے جو تم کر رہے ہو؟ اور پھر اس کے بعد اس بات کا بھی جواب دو، کیا میں نے کسی کا گھر لوٹا، کیا میں نے کسی کی زمین پہ ناجائز قبضہ کیا؟ کیا خدانخواستہ معاذ اللہ، معاذ اللہ میں نے کسی کی بہو، بیٹی پر ناجائز نظر ڈالی؟ میرا گناہ تو مجھے بتادو، میری خطا تو مجھے بتادو، مجھے بتاؤ کہ میرے خون میں ہاتھ رنگنا کیسے جائز ہوا؟ اور یہ بھی یادرکھو کہ میرے خون میں ہاتھ رنگنے کے بعد میرے بعد مجھ سے اچھے کے خون میں نہیں رنگ سکو گے، آج روئے زمین پر مجھ سے بہتر دوسرا موجود نہیں ہے، میں ایک دفعہ پھر نصیحت کرتا ہوں، میں تمہیں جنت کی طرف بلاتا ہوں، تمہارا سردار تمہیں جہنم کی طرف بلا رہا ہے، جنت کی طرف آنا چاہتے ہو یا جہنم کی طرف جانا چاہتے ہو؟

ایک آواز آئی، حسین! ہم تمہاری کچھ سننا نہیں چاہتے، ہم کچھ سننا نہیں چاہتے، آپ کے لیے سیدھا راستہ یہ ہے کہ ابن زیاد کے پاس چلیے اور یزید کی بیعت قبول کر لیجیے۔ یزید آپ کو شہزادہ بنا کے رکھے گا، ارشاد فرمایا: سبحان اللہ، اللہ اکبر، رسول اللہ کا بیٹا، علی مرتضیٰ کا نور نظر، اور فاطمہ زہرا کا لخت جگر ایک فاسق وفاجر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا؟ میں تو کہہ چکا ہوں کہ میں سر تو دے سکتا ہوں، لیکن ہاتھ یزید کے ہاتھ پر نہیں دے سکتا، اچھا، اب معلوم ہو چکا کہ تمہارے دلوں پر مہر ہو چکی ہے، بس اتنا کہنا تھا کہ چاروں طرف سے یزیدی جٹ پڑے، سیدنا امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھپن برس کی عمر شریف ہے، کئی جنگیں لڑ چکے تھے، جنگ جمل میں، صفین میں بھی تھے اور قسطنطنیہ کی جنگ میں بھی شریک تھے، علی مرتضیٰ کے سکھائے پڑھائے ہوئے ہیں، عالم یہ ہے کہ اس حالت ناتوانی میں کہ تین دن کے بھوکے اور پیاسے ہیں، جس طرف آپ چلے جاتے ہیں، جس طرف آپ اٹھ جاتے ہیں، اس طرف کا مجمع کٹ جاتا ہے، پھٹ جاتا ہے، جیسے ڈھیلا ڈالنے سے پانی پر سے کائی پھٹتی ہے، یہاں تک کہ کافی اندر تک آپ چلے جاتے ہیں پھر وہاں سے واپس پلٹ آتے ہیں، اتنے میں کسی نے آواز دی، امام عالی مقام نے گھوڑا فرات کے کنارے ڈال دیا، گھوڑا فرات کے کنارے پہنچ گیا

ہے، وہ بھی تو پیاسا ہے، لیکن آخر تو امام حسین کا گھوڑا ہے، دیکھتا ہے پانی کو، دوسری نظر سے دیکھتا ہے امام حسین کو، فرماتے ہیں: ہم جانتے ہیں، تم ہم سے اجازت لے رہے ہو، کہ پانی پیوں یا نہ پیوں، بیٹا! پانی نہیں ملے گا تمہیں، یہ کہہ کے چلو بھر پانی لیا اور چاہتے تھے کہ پئیں، کسی نے آواز دی، ارے کیا کر رہے ہو حسین! وہاں لوگ خیمے میں گھس گئے، گھوڑا دوڑاتے ہوئے واپس ہو گئے، معلوم ہوا، کسی نے جھوٹ کہا تھا، ہمیں دریا سے ہٹانا منظور تھا، اس لیے اس نے یہ جھوٹا نعرہ بلند کیا تھا، اندر تشریف لے گئے، پھر بیویوں کو سمجھایا اور پھر اس کے بعد باہر تشریف لائے، یکا یک عمرو بن سعد چلایا، ارے احمقو! او بے وقوفو! تم سے مرتا ہوا آدمی نہیں مارا جاتا، دیکھو تو حسین کیسے لڑ رہا ہے اور اس کے بعد ہی پانچ سو تیر ایک دفعہ کمان میں لگا کر امام عالی مقام کی طرف چھوڑ دیے گئے، اللہ اکبر!

اسفرائنی لکھتا ہے اپنے مکتب میں: یہاں تک کہ سارا بدن ایسا ہو گیا تھا جیسے تیٹی کی پیٹھ ہوتی ہے جس میں کانٹے ہی کانٹے ہوتے ہیں، سارے تیر آپ کے بدن کو چھید کر باہر نہیں نکلے تھے، بدن میں لگتے گئے، وہ خون خوار ہو کر غرق ہو جاتا تھا، پورے بدن پر تیر ہی تیر چبھے ہوئے تھے، آپ کے بدن پر بیاسی زخم تھے جس میں کچھ تلوار کے تھے اور کچھ نیزے کے تھے، اسی عالم میں اللہ اکبر! سیدنا امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک نابکار، سنان نے نیزہ مارا، اس کے ساتھ ہی شمر بن جوشن نے تلوار ماری، اسی تلوار اور نیزے کے ساتھ امام عالی مقام گھوڑے سے نیچے آ گئے، گھوڑے سے جب نیچے آئے تو آپ نے ایک چٹان کو تکیہ لگا لیا، خون رس رہا ہے، بہت خون نکل گیا ہے، سر ایک طرف نڈھال کر لیا ہے، یکا یک شمر بن جوشن چلایا، ارے کوئی ہے جو حسین کا سر کاٹ لے، خولی بن یزید نیچے اترا اور گیا سامنے، گیا، واپس آ گیا، شمر نے کہا: کیوں؟ کہا: جب میں سامنے گیا، آنکھ کھولی تو ان کی آنکھوں میں علی مرتضیٰ کھڑے ہوئے دیکھے، ہٹ کم بخت کہیں کے، ذہن پھاڑتا ہے، علی مرتضیٰ کھڑے تھے، چل ہٹ، یہ کہہ کر شمر بن جوشن

خود آگے بڑھا اور خود آگے بڑھ کر سیدنا امام عالی مقام کے سینے پر سوار ہو گیا، حضور والا نے ارشاد فرمایا: کیوں، اپنا منہ کھول لے جیسے ہی منہ کھولا تو اس کے دونوں دانت جیسے معاذ اللہ خنزیر کے ہوتے ہیں ایسے باہر نکلے ہوئے تھے، اور اس کے سینے کے اوپر سفید داغ تھے، فرمایا: میرے نانا جان نے صحیح کہا تھا کہ حسین! تم کو امت کا ایک کوڑھی کتا قتل کرے گا، کہنے لگا: اچھا، تو تمہارے نانا ہمیں کتا بنا گئے، ٹھہرو، اب میں بھی تمہیں قتل کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا، اگر چہ مجھے امید ہے کہ تمہارے نانا کی شفاعت مجھے نصیب نہیں ہوگی، یہ کہہ کے اس نابکار نے امام عالی مقام کی گردن کے اوپر چھری پھیری دی۔

اصمعی لکھتا ہے کہ بارہ مرتبہ چھری پھیری، لیکن چھری نے اپنا کام نہیں کیا، فرمایا: کیوں، ہمیں تکلیف دیتا ہے؟ بول، آج کون سا دن ہے؟ کیا وقت ہے؟ کیا ظہر کے بعد ہے، بتا، مسجدوں میں کیا ہو رہا ہوگا؟ کہا، مسجدوں کے منبروں کا خطبہ ہو چکا ہوگا، سبحان اللہ! میرے نانا کے رکھے ہوئے منبروں پر نماز کا خطبہ ہو رہا ہے اور تو ہمارے سینے پہ چڑھا ہوا ہمارا سر کاٹنے کی فکر میں ہے، ارے نابکار! اس گلے سے ہم نے عمر بھر اللہ اللہ کیا ہے، تیری فولاد کی چھری سے یہ کٹ نہیں سکتا، ہٹ جا، ہمارے سینے سے اتر جا، ہمیں آخری دوگانہ جمعہ کا پڑھ لینے دے، جب ہم سجدے میں جائیں تو ہماری گردن پیچھے سے کاٹنا تو وہ کٹ جائے گی، امام عالی مقام نے وہی اپنی گردن اپنے رب کے سامنے جھکا لی اور اسی حالت میں اس نابکار نے سیدنا امام عالی مقام کا سر ان کے بدن نازک سے اتار لیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جیسے ہی اس نے سر اتارا، اور اپنے ساتھی کو دیا، اس نے نیزے پہ لگایا اور اس کے ساتھ ہی آئے اور سیدنا امام کے بدن کے سب کپڑے اتار لیے، یہاں تک کہ جب ان کی انگوٹھی اتارنے لگے اور وہ انگوٹھی نہ اترنے پائی تو اس مردود نے خنجر سے آپ کی انگشت مبارک کو کاٹ دیا، اور اس کے ساتھ ہی عمرو بن سعد چلایا، کوئی ہے جو حسین کی لعش کے اوپر اپنے گھوڑے دوڑا دے، ایک نابکار گھوڑے لے کر چلا، ادھر سے ادھر چلا، ادھر سے ادھر گیا، تن نازنین کی ہڈی اور

پسلی چور چور ہوگئی، بالکل چور چور ہو کر آپس میں قیمہ قیمہ ہو کر مل گئی، اللہ اکبر! اللہ اکبر! اللہ اکبر! یعنی آج مدینہ میں اندھیرا ہو گیا، آج سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کا چراغ غل ہو گیا، حسین شہید ہو گئے، آل شہید ہو گئے، سب کچھ ہو گیا لیکن جیسے ہی حسین شہید ہوئے یزید ہمیشہ کے لیے مر گیا، حسین شہید ہوتے ہی جی گئے اور یزید حسین کے شہید ہوتے ہی مر گیا، آج بھی یزید مرا ہوا ہے اور حسین زندہ ہیں، تم کہو گے، کیا نشانی ہے؟ کیا قبر میں دیکھ آئے ہو؟ نہیں۔

تمہارے سجدے کو کعبہ سلام کہتا ہے
جلالِ قبۂ خضریٰ سلام کہتا ہے
چمن کا ہر گل و غنچہ سلام کہتا ہے
حسین تم کو زمانہ سلام کہتا ہے
چراغ مسجد و منبر سلام کہتے ہیں
نبی، رسول و پیمبر سلام کہتے ہیں
علی و فاطمہ، شبر سلام کہتے ہیں
خدا گواہ کہ نانا سلام کہتا ہے
خدا کی راہ میں سر کو کٹا دیا تم نے
نبی کے دین پہ گھر کو لٹا دیا تم نے
نشان کفر کو یکسر مٹا دیا تم نے
تمہیں خدا بھی تمہارا سلام کہتا ہے
تمہیں فلک کے ستارے سلام کہتے ہیں
تمہیں قرآن کے پارے سلام کہتے ہیں
تمہیں حرم کے منارے سلام کہتے ہیں
امام تم کو مدینہ سلام کہتا ہے

ثنا تمہای وظیفہ ہے میرا آبائی
تمہاری مدحت شیوا ہے میرا مولائی
بس اک نظر ہو جو مجھ پر تو میری بن آئی
تمہارا سیدؔ شیدا سلام کہتا ہے

(مناظر بدایونی کی آواز میں)

◆◆◆

واقعۂ معراج

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد!

مستند علمانے اپنے علوم اور اپنے عرفان کے مطابق واقعہ معراج پاک کو بیان کیا ہے، میں مختصر وقت میں معراج پاک کا مفصل بیان آپ کے سامنے پیش نہیں کر سکوں گا، مجھے معراج پاک کے متعلق صرف چند چیزیں عرض کرنی ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ وہ آپ کی ہدایت اور آپ کے عرفان کے لیے کافی ہوگی، آپ درود شریف سنایئے تو پھر میں شروع کروں۔

سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ آپ کو یہ پتہ ہو جائے کہ معراج کے کیا معنی ہیں؟ معراج کہتے کسے ہیں؟ معراج عربی کا ایک کلمہ ہے، اور معراج کے سلسلے میں دو معنی مفسرین نے بیان کیے ہیں، معراج مصدر ہے یعنی چڑھنا اور چڑھانا، اور معراج اسم آلہ ہے یعنی چڑھانے کا ذریعہ، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے برکتوں، شرافتوں، شمائل، محاسن، وقار و عظمت معراج کے وسیلے سے عطا فرمائی، اس لیے اس واقعہ کو معراج کہا جاتا ہے، مجھے یاد آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے مجھ سے کہا تھا: وہ آوٹ سائڈ سے بھی تھے اور سائنس سائڈ سے بھی، انہوں نے مجھ سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ معراج ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہے، ہمیں معراج اور سائنس کو ملا کر سمجھایئے، میں نے اپنے بیان میں ان سے کہا، تعجب کی بات ہے، آپ کہتے ہیں کہ معراج ہماری سمجھ میں نہیں آتی، میں یہ کہتا ہوں کہ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی شان آپ کی سمجھ میں آ گئی ہے، آپ صرف معراج کہہ رہے ہیں!۔

ہجرت کی رات سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس غار میں تشریف فرما تھے، ایک جنگلی کبوتر نے اس کے دہانے پر انڈے دے دیے، اور ایک مکڑی نے اپنا جالا تنا تھا، یہ آپ کی سمجھ میں آیا، یہ آپ کی سمجھ میں آیا کہ ایک اونٹ نے اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی فریاد، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کی، یہ آپ کی سمجھ میں آیا کہ ایک لومڑی اجازت لے کر بچے کو دودھ پلانے گئی تھی، یہ آپ کی سمجھ میں آیا کہ انگلی کا اشارہ کیا اور چاند کے دو ٹکڑے کر دیے، یہ آپ کی سمجھ میں آیا کہ ہاتھ کا اشارہ کیا، لب ہلا دیے تو ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا، بولو، کیا کیا سمجھ میں آیا؟ کیا کیا سمجھ میں آیا تمہیں؟ وہ تو ذات ہی بے مثال ہے، اس کی نہ تو کوئی مثل ہے نہ مثال ہے۔ وہ تمثیل اور سمجھ سے باہر ہے، ان کا رب ہماری سمجھ سے باہر ہے، ان کا رب ہماری عقل سے باہر ہے، اور اس کے پیارے محبوب اپنے رب کی مظہر ذات ہیں، وہ بھی ہماری عقل سے باہر ہے۔ (درود شریف)

اچھا تو ایک بات کو سمجھو، دوستو! آج سائنس کا زمانہ ہے، آج آپ فولاد، تانبہ، پیتل، سونا، پلاٹینم، دھاتوں سے اپنے خلائی جہاز تیار کریں، اور ایندھن اس میں ڈال کر آپ کے خلاباز خلائی کپڑے پہن کر زمین کی فضا کو پار کر کے چاند کی دھرتی پر اپنا قدم رکھ دیں، تب کوئی آپ کو تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کہتے ہیں آمنا وصدقنا، خدا کی قسم ٹھیک ہے، آپ نے دیکھا انہیں چاند پر اترتے ہوئے؟ ہندوستان میں کتنوں نے دیکھا چاند پر اترتے ہوئے، لیکن ہمارے ہندوستان کے بھائیوں کو کامل یقین ہے، ایمان لا چکے ہیں کہ آدمی چاند پر اتر چکا ہے، اس لیے کہ مادے پر آپ ایمان لا چکے ہیں، روح سے آپ دور ہو چکے ہیں، حالاں کہ آپ کو یہ معلوم ہے کہ مادہ اصل نہیں ہے روح اصل ہے، کیوں؟ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ عراق سے ایک تاجر آیا گھوڑا لے کے، وہ اپنے ساتھ بڑا عمدہ گھوڑا لایا، بازار میں گھوڑا کھڑا کیا، لوگ آئے، خریدنے کے لیے، تو اس نے کہا، گھوڑے کی قیمت پانچ ہزار اشرفی، جب پانچ ہزار اشرفی کا نام

سنا تو یار لوگوں کا معاملہ ڈھیلا پڑ گیا، کسی نے کہا ساڑھے چار، کسی نے کہا پونے چار، کسی نے ساڑھے تین کہا، سودا نہیں بندھا، چلے گئے لوگ، اس نے کہا آج نہیں تو کل بکے گا میرا گھوڑا میاں، گھوڑا تھا عراق کا، آیا ہندوستان میں، رات میں ٹھنڈی ہوا لگی، رات میں وہ مر گیا، اب بے چارہ سوداگر بڑا پریشان ہوا، اب سوداگر سوچنے لگا کہ اس سے تو اچھا تھا جب ساڑھے تین ہزار مل رہے تھے وہی لے لیتا، یہ مرجاتا اس کے گھر جا کر تو پیسے تو میرے پاس رہتے، رات بھر میں اس نے بانس وانس لگا کر مرے ہوئے گھوڑ کر کھڑا کیا، اب صبح کو لوگ آئے تو بولا، دیکھو جی، ہمارا گھوڑا بھڑکتا ہے عراق کا گھوڑا ہے، اجنبی آدمی کو دیکھ کر بدکتا ہے، دور سے دیکھو اور قیمت لگاؤ، تو ہم نے کہا، کیا بات ہے؟ گھوڑے کو کیا ہوا؟ ایسا کیا ہوگیا کہ بھڑکتا ہے؟ کہا، سنو! کان اس کے اپنی جگہ پر ہیں، ناک اس کی اپنی جگہ پر ہے، چاروں ہاتھ پیر اپنی جگہ پر ہیں، دم اس کی اپنی جگہ پر ہے، خر اس کی اپنی جگہ پر ہے، کہنے لگے، جب سب اپنی جگہ پر ہے پھر؟ کہا: کچھ نہیں، بس گھوڑا مر گیا ہے، باقی سب اپنی جگہ پر ہے۔

میں کیا بتا رہا تھا تمہیں، تم نے مادے کی پوجا کی ہے، ہم روح کے خدا کی پوجا کرتے ہیں، تو مادہ تو موجود تھا اس کا، گھوڑے کا مادہ بعینہٖ موجود تھا، ہاتھ موجود تھے، پیر موجود تھے، جسمانی میٹریل سب موجود تھا، لیکن بہت بڑی چیز نکل گئی، جان نکل گئی، اصل چیز نکل گئی، اس لیے اب اس میں کچھ بھی موجود نہ رہا۔ تو اصل چیز ہے جان۔

آج تم چاند پر جانے کا دعویٰ کرو، یا کل مریخ پر جانے کا دعویٰ کرو لیکن یاد رکھو، جب تک کہ تم نے جان و روح کو نہیں پہچانا ہے، جب تک تمہاری سمجھ میں آتما نہیں آئی ہے اس وقت تک سچ بات تو یہ ہے کہ تمہیں پرماتما پہچان میں نہیں آ سکتا، جو آتما نہیں پہچان سکا وہ پرماتما نہیں پہچان سکتا، اسی لیے اولیائے کرام کا معمول ہے: ''من عرف نفسہ فقد عرف ربہ'' جس نے اپنی جان کو پہچانا اس نے اپنے خدا کو پہچانا، ایک دفعہ خدا کے ایک منکر نے امام جعفر صادق سے

پوچھا: کیوں جی جعفر صادق! تمہارا خدا کہاں رہتا ہے؟ تھا بڑا بے تکا سوال، اچھا، ایسا سوال کہ اس کا جواب بھی کوئی نہیں دے سکتا، بولو جی! اس کا جواب کوئی دے سکتا ہے کہ خدا کہاں رہتا ہے؟، مگر امام جعفر صادق نے ایک جواب دیا، انہوں نے زمین سے اٹھایا ایک ڈھیلا اور اٹھا کے اس کے بدن پر مار دیا، وہ تڑپ گیا، کہنے لگا، آپ کے جواب دینے کا یہی طریقہ ہے، بڑے بنے پھرتے ہیں آپ بڑے امام، بنے پھرتے ہیں آپ رسول کے بیٹے، اور ایک سائل کو ایسے جواب دیتے ہیں، فرمایا: میں نے جواب دیا، تم سمجھ نہیں پائے، کیا نہیں سمجھ پایا؟ فرمایا: کیا ہو گیا تمہیں؟ کہا، واہ واہ کیا ہو گیا مجھے، میرا پورا بدن درد کر رہا ہے، آپ نے ایسا ڈھیلا مارا، میرے سارے جسم میں درد پیدا ہو گیا ہے، فرمایا: تو وہ درد کس جگہ ہے تمہارے بدن میں، کہاں بیٹھا ہوا ہے، کیا ہے وہ درد؟ لال ہے، پیلا ہے، نیلا، میٹھا ہے، کڑوا ہے، کیسا ہے وہ درد؟ موٹا، دبلا ہے، کھوکھلا ہے، بھرا ہوا ہے، سرد ہے، گرم ہے، پکا ہوا ہے، کچا ہے، کیسا ہے وہ درد؟ چپ ہو گیا، کہنے لگا: یہ تو نہیں پتہ مگر ہے ضرور، یہ تو نہیں بتا سکتا، لیکن ہے ضرور، آپ نے فرمایا: میں بھی نہیں بتا سکتا کہ خدا کہاں ہے مگر ہے ضرور۔ یہ نہیں بتا سکتا کہ کہاں ہے مگر ہے ضرور۔ اس کے بعد فرمایا: ارے بے وقوف: بتا، تو کیسے زندہ ہے! کہنے لگا: جان سے، فرمایا: اچھا یہ بتا کہ جان کہاں ہے؟ اب چکر میں پڑا، یہ تو کہہ سکتا ہے آنکھ یہاں ہے، سچی بات ہے، یہ تو کہہ سکتا ہے کان یہاں ہے، یہ بھی ٹھیک بات ہے، سارے بدن کے اعضا کو بتا سکتا ہے، یہ تو آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کی آنکھ آپ کے دہانے سے قریب ہے اور سینے سے دور ہے، آپ کی تھوڑی آپ کے سینے سے قریب ہے، آپ کے پیٹ سے دور ہے، آپ کا پیٹ آپ کی رانوں سے قریب ہے اور آپ کے گھٹنوں سے دور ہے، یہ آپ بتا سکتے ہیں، لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ کی جان آپ کی آنکھوں سے قریب ہے، کانوں سے دور ہے اور کانوں سے قریب ہے، ناک سے دور ہے، ناک سے قریب ہے تو بالوں سے دور ہے اور بالوں سے قریب ہے تو پیٹ سے دور ہے، پورے آپ کے رگ

رگ میں نس نس میں جان رنگی ہوئی ہے، گھلی ہوئی ہے، تیری ہوئی ہے، آپ کے بدن کا کوئی ایک ذرہ، ایک خلیہ ایسا نہیں ہے کہ جس کے اندر روح موجود نہ ہو، جس کے اندر آتما موجود نہ ہو، جس میں جان موجود نہ ہو، یہ روح ہے، یہ خدا کا جلوہ ہے۔

اسی لیے ایک ہندو فلسفی نے کہا: کہ ہزار برس سے لوگ اس بات کی ریسرچ کر رہے ہیں کہ آتما کیا ہے؟ لیکن آج تک کوئی بتا نہیں سکا کہ جان کیا ہے؟ مگر جنگلوں میں پیدا ہونے والے پہاڑ کی چوٹی پر پیدا ہونے والے، وحشیوں میں پیدا ہونے والے، قذاقوں اور چوروں میں پیدا ہونے والے، سوکھی زمینوں میں پیدا ہونے والے، ان پڑھ اور جاہلوں میں پیدا ہونے والے، نبی عربی نے جس نے کسی انسان کے آگے اپنا زانو تہہ کر کے کچھ پڑھا نہیں، کچھ لکھا نہیں، نبی امی ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، نہ انہیں کسی انسان نے کچھ پڑھایا، نہ انہیں کسی انسان نے کچھ لکھایا، کیوں کہ فرماتے ہیں: **ان ربی علمنی فاحسن تعلیمی، تادبنی فاحسن تادیبی**، میرے رب نے مجھے سکھایا تو خوب سکھایا، میرے رب نے مجھے ادب دیا تو خوب دیا، رب نے انہیں غار حرا میں پہلی مرتبہ پڑھایا: **اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔**

پیارے محبوب سنو! **وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ۔** جو تم نہیں جانتے تھے وہ ہم نے تمہیں سکھا دیا۔ کہیں یوں کہہ دیا: **اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ۔** رحمن نے قرآن سکھایا۔

آج کچھ نادان، دین سے بے بہرہ، جو دین سے ایسے نکل گئے ہیں جیسے تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے، دیکھنے کے مسلمان، ظاہر کے مسلمان، باطن کے کافر، وہ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استاد جبرئیل تھے، واہ بھئی! واہ کہتے ہیں جبرئیل استاد تھے، مگر ایک بات ہم سمجھ نہیں پاتے ہیں، دیکھو! ہندوؤں میں تو گرو کو کہتے ہیں کہ وہ ایشور کا اوتار ہوتا ہے، بولو

بھئی کہتے ہیں یا نہیں کہتے؟ بلکہ ہم نے تو صاحب یہاں تک سنا کہ ہندو کہتے ہیں کہ گرو ایشور سے بڑا ہے، بولو جی! کبھی تم نے سنا ہے کہ نہیں؟ اس لیے کہ ایشور نے گرو نہیں بتایا، گرو نے ایشور کو بتایا، لیکن مسلمان ایسا نہیں کہتے، مسلمان کیا کہتے ہیں: جس نے مجھے ایک حرف سکھایا میں اس کا غلام ہوں اور میں اس کا خادم ہوں، یہ کسی ایسے ویسے کا قول نہیں ہے، یہ مرتضیٰ علی کا قول ہے، آج تو گرو اور چیلے کی کوئی بات صاف نہیں ہوتی ہے، آج تو استاد و شاگرد کے درمیان کوئی غیر معمولی رشتہ نہیں ہوتا ہے، لیکن گرو بہت بڑی چیز ہے، ہمیں یاد ہے کہ جب ہم مکتب پڑھا کرتے تھے، تو ایک دن ہمارے حافظ جی نے ہمیں پیٹ دیا، روتے ہوئے پہنچے گھر، فریاد کی جا کر اپنے ماموں جان سے، کیا کہا حافظ جی سے، اطمینان کے ساتھ سنیے بتایئے، اللہ اکبر! گئے تھے کہ ماموں سے کریں گے فریاد، تو ماموں حافظ جی کو بلا کر کہیں گے، حافظ جی! بچے کو ایسا مارتے ہو تم، بجائے اس کے ماموں نے اپنے ہاتھوں کو ٹیڑھا کر کے ایک لافا عنایت فرمایا جٹ سے ہمارے کندھے پر، سبحان اللہ! اچھی فریاد لے کر آئے آپ کے پاس، ایک تو وہیں سے پٹے پٹائے آئے تھے اور ایک تو آپ نے ہمیں پیٹ دیا اور اس کے بعد فرمایا: او نابکار! استاد کی شکایت کرتا ہے ہمارے آگے، سن! ہم نے جس وقت تمہیں مکتب بھجوایا تھا، حافظ جی سے ہم نے کہہ دیا تھا: کہ اس کا گوشت تمہارا ہے اور اس کی ہڈیاں ہماری ہیں، ہم نے کہا: ٹھیک ہے صاحب! پھر وہ حافظ جی پیٹتے، خوب پیٹتے اور یہ جو کچھ آپ کے سامنے ہے یہ حافظ جی کے پٹے کا نتیجہ ہے اور پٹے نہیں ہوتے تو یہ نہیں ہوتے، سب کچھ ہوتے مگر یہ نہیں ہوتے۔

اللہ اکبر! کہا جاتا تھا پہلے زمانے میں، آپ نے دیکھا ہوگا، یہ خدا کا شکر ہے کہ جس حافظ جی سے میں نے قرآن حفظ کیا وہ ابھی حیات ہیں، اگر کبھی ان سے ہمارا سامنا ہو جائے تو اپنے گھٹنوں کو زمین پر ٹیکتے ہوئے میں ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہوں، ہمیں قرآن سکھایا، قرآن پڑھایا ہے، یہ تھا استاد، شاگرد کا معاملہ۔

اچھا بھئی! جبرئیل ہوئے استاد اور محمد (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہوئے شاگرد، تو کیا ہونا چاہئے تھا کہ جبرئیل کے پیر چومتے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، لیکن ہمیں الٹی بات سنائی دی، بالکل عکس معلوم ہوا، معراج کی رات میں جب آئے جبرئیل لے جانے کے لیے تو میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے حطیم میں یا بیت ام ہانی میں آرام فرما رہے تھے، اب جبرئیل امین کو پہلی بات تو یہ ہوئی کہ دروازے پر ام ہانی کھڑی ہیں نیزہ ہاتھ میں لیے۔

مرتضیٰ علی کی بہن ہیں، سرور عالم فرما چکے ہیں کہ ام ہانی! تیرے حجرے میں ہم رات بھر ٹھہریں گے اور دروازے پر رات بھر پہرہ دیتی بیٹھ جاؤ، آج کسی کو حجرے میں مت آنے دینا، شیر خدا کی بہن ہیں نا، علی کی بہن ہیں نا، انہوں نے عرض کیا: بے شک اب کوئی نہیں جا سکتا، وہ وہاں بیٹھی ہیں، نیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے کہ کوئی آئے تو اس کے گھونپ ہی دوں، جبرئیل امین حاضر ہوئے، دیکھا کہ ٹکر ٹکر دیکھ رہی ہیں نیزہ ہاتھ میں لیے، عرض کیا: الٰہ العالمین! تیرے محبوب کی بہن پہرہ دے رہی ہیں، قسم کھا کے بیٹھی ہیں کہ آج رات حجرے کے اندر میرے محبوب کی اجازت کے بغیر کوئی اندر نہیں جا سکتا، اب کیسے جاؤں؟ ارشاد فرمایا کہ محبوب کی بہن نے محبوب کی قسم کھائی ہے ہمیں دونوں محبوب ہیں، ہم دونوں کی قسم کو پورا کریں گے، نیند کے فرشتے سے کہو کہ ام ہانی کی آنکھ پر جھپکا مارے اور جب وہ ذرا سی سو جائے، تم چھت توڑ کر اندر چلے جانا دروازے سے مت جانا تا کہ اس کی قسم میں خلل نہ پڑے، چھت توڑ کر جبرئیل آتے ہیں حجرۂ مقدسہ میں تو دیکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام کر رہے ہیں۔ اب خاموش ہیں جبرئیل سوچ رہے ہیں کہ انہیں اٹھانا ہے، لے چلنا تو ہے مگر نیند بے چین ہوئی تو، یکا یک یاد آیا کہ جب ہمیں پیدا کیا تھا اللہ نے اور جب ہم ہوش میں آئے تھے تو ارشاد فرمایا: سن جبرئیل! آج سے یہ یاد رکھنا کہ میں نے جنت کے مادوں سے تیرا خمیر تیار کیا ہے نور، تیری پیشانی میں میں

نے نور کا فور جنت رکھا ہے، کافور ہوتا ہے ٹھنڈا، یاد آیا، گھٹنوں کے بل جھکے حضرت جبرئیل اور جھک کر اپنی پیشانی کف پائے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مَس کر دیا، کافور کی ٹھنڈک پیروں میں پہنچی، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آنکھیں کھول دیں، فرمایا: جبرئیل! تم، آدھی رات کو کیسے آئے؟ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! ان ربک لیشتاق الیک، آج آپ کو بلانے کے لیے آیا ہوں، مہمان بلانے کے لیے آیا ہوں، آپ کا رب آپ کا مشتاق ہے، وہی رب جو کل موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہہ چکا تھا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے، آج وہی رب کہہ رہا ہے، آؤ آکے ہمیں دیکھ جاؤ۔

دیکھا ہے تم نے، یہ مصطفی ہیں موسیٰ نہیں ہیں علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام اللہ اکبر! سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جبرئیل امین نے جو اپنی خدمت پیش کی، میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کافور کی ٹھنڈک سے اٹھانا تھا تو بھئی ایسے بھی تو ہوسکتا تھا نا کہ اپنی پیشانی محبوب کی پیشانی پر رکھ دیتے تب بھی تو ٹھنڈک پہنچتی بولو بھائی! پیشانی اپنی حضور کے سینے پر رکھ دیتے، ہاتھ پر رکھ دیتے، کاندھے پر رکھ دیتے، پورے بدن پر کہیں رکھ دیتے، مگر تم نے نہیں سوچا، تمہارے خیال میں نہیں آیا، بدن کے اندر سب سے اونچا ماتھا اور سب سے نیچے تلوے، تو سب سے اونچا جبرئیل کا اور سب سے نیچا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا، اللہ اکبر! جبرئیل کا ماتھا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں کے تلوے ہیں، گویا کہ عرض کر رہے ہیں: یارسول اللہ! جب آپ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے آپ کی معراج تو تب ہوگی جب آپ اپنے رب سے ملیں گے، آپ اپنے رب کا دیدار کریں گے اور جبرئیل کی معراج تو یہیں ہوگئی کہ میں نے اپنی پیشانی آپ کے تلووں سے لگائی۔

اللہ اکبر! بھئی ہم تو یہی سنا ہے کہ شاگرد استاد کے پیر چھوتا ہے لیکن اچھے جناب والا استاد ہیں کہ شاگرد کے تلووں سے اپنا ماتھا رگڑ رہے ہیں، اچھا بھائی! یہ بتائیے کہ کبھی سرور عالم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی یہ کہا ہو کہ جبرئیل کو دیکھنے کو جی چاہ رہا ہے، چلو سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر جبرئیل کو دیکھ آئیں؟ نہیں، لیکن جبرئیل امین نے بارہا عرض کیا: یا اللہ العالمین! آج میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں تیرے پیارے محبوب کی زیارت کر آؤں، اجازت لے کر آیا کرتے تھے سرور عالم کی زیات کرنے کے لیے، یہ تو انہوں نے نہیں کہا کہ وحی لے کر آتے، صرف زیارت کرنے کے لیے آتے تھے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔ تو شاگرد استاد کا دیدار کرنے جاتا ہے، استاد شاگرد کی زیارت کرنے نہیں آتا، معلوم یہ ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استاد نہیں ہیں جبرئیل، استاد ان کا رب تبارک وتعالیٰ ہے اور یہ ہم نہیں کہتے، میں نے ابھی تمہیں قرآن سنایا اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، رحمن نے قرآن سکھایا۔

قربان جائیے، اپنے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کہ فاضل بریلوی خلق الانسان کا کیا شیریں، میٹھا اور جاندار ترجمہ کرتے ہیں عرض کرتے ہیں: پیدا کیا جان انسان محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو، اللہ اکبر! انسانی جان محمد کو پیدا کیا، علمہ البیان اور پیدا کر کے انہیں بیان سکھایا۔

علامہ اسماعیل حقی آفندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر روح البیان میں سورۂ رحمن کی انہیں آیتوں کے متعلق لکھتے ہیں علمہ البیان، ای بیان ما کان و مایکون، جو کچھ ہوگیا ہے پہلے اور جو ہو رہا ہے اور جو قیامت تک ہوتا رہے گا، سب کا بیان سکھا دیا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم کو۔“

ارے کیا علم غیب کی سینگ ہوتی ہے، کیا شاخیں ہوتی ہیں؟ مگر کیا کیا جائے، وہی بات ہے، مغل شہنشاہ کے یہاں بیت الخلاء صاف کرنے کے لیے ایک مہترانی آتی تھی تو صاحب ان کو بھی وہاں سے لقب دیا گیا تھا، صفائی بیگم صاحب، اب بتائیے مغل شہنشاہ کی مہترانی، کیا نخرہ، کیا جلوہ، پوچھو نہ صاحب، ایک دن اتفاق سے گاؤں سے ان کے بھیا چلے کہ چلو بہنا سے دلی جا کر

مل آئیں، وہ دھوتی باندھے، کپڑی پہنے، سر پر پگڑی باندھے آئے صاحب، پوچھتے پاچھتے، بادشاہ کا محل کہاں ہے، بادشاہ کا محل کہاں ہے؟ پھر کسی نہ کسی طریقے سے بہن کی سفارش پر پہنچ گئے، بہن نے دیکھا، کہا: بھیا! ایسے نہیں آنا چاہیے تھا، آپ کو آنا تھا، مجھے خبر کرادی ہوتی، میں پہلے آپ کے لیے کپڑے بھیجتی، نہاتے دھوتے، پالکی کی سواری بھیجتی کہ شہنشاہ دہلی کی مہترانی کا بھائی چلا آئے ملنے کو اور ایسے ہی چلا آئے، کہنے لگا: ارے چھوڑ، ہمارا جی کہا ملنے کو اور ہم آگئے، کہا: اچھا ٹھیک ہے، اب میں آپ کے لیے سامان ٹھیک کروں، آپ جایئے اور جا کر آج بیت الخلاء صاف کرآیئے، پہلے گالی دیا اپنی قوم کو، اب بے چارے پہنچے بیت الخلا میں، اب جو بے چارے ادھر دیکھیں، ادھر دیکھیں کہ بیت الخلا کدھر ہے، مخمل قدمچوں پر بندھی ہوئی، جگہ جگہ عود بتیاں سلگی ہوئیں، کیوڑے کی بوتلیں رکھی ہوئی آب دست کرنے کے لیے، عطر کے پھوہے لگے ہوئے، جب ایک دفعہ ان کی خوش بو چڑھی تو گول گول، وہی پر لمبے ہوگئے صاحب، اب جو دھم سے آواز آئی تو تو چل اور میں چل، دیکھا کہ نئے مہتر صاحب لمبے لمبے پڑے ہیں، بھئی کیا ہوگیا؟ چکر آگیا، بے ہوش ہوگئے، اچھا صاحب شاہی طبیب حکیم احسن اللہ خان صاحب کو خبر کی گئی، وہ اپنا بوریہ بسترا سب لے کر آئے، اور انہوں نے ایک صراحی مہتر صاحب کی ناک سے لگادی، پھوں کہہ کے انہوں نے سانس لی اور سانس لیتے ہی پھر بے ہوش ہوگئے، احسن اللہ خاں نے پھر زور سے سنگھایا، اس میں کچھ اور ملایا، اب بے چارے احسن اللہ خاں نے کہا: یا اللہ! ارے اس کا تو ایک تعلقہ سنگھا دیتا تو مردہ بھی جی ہو اٹھا اور یہ نالائق ایسا بے ہوش پڑا ہے کہ میں نے اپنا دو دفعہ عطر مخنوق عاشقی خرچ کردیا اور اس کو ہوش ہی نہیں آیا، اتنے میں بہن کو خبر ہوئی کہ میرے بھیا وہاں بے ہوش پڑے ہیں، وہ آئی یہاں پہ، کہا: کیا ہے حکیم جی! کہنے لگا کہ میں نے ان کی بے ہوشی کے لیے دو دفعہ زور آزمائی کی مگر انہیں ہوش نہیں آیا، کہنے لگی، آپ کو نہیں آیا علاج کرنے، میں علاج کرتی ہوں، وہ گئی اور تھوڑی دیر ایک چٹکی پکڑے ہوئے وہاں آئی اور وہ چٹکی

اس کی ناک کے پاس لے جا کر لگادی، اتنے میں پھوں نے انہوں نے چھینکا اور اٹھ بیٹھے، احسن اللہ خاں کے تو ہاتھوں پیروں کے طوطے اڑ گئے، ارے یہ میرا تعلقہ، ارے میرا عطر، ارے یہ میرا صندل، ارے میرا کیوڑا، یہ رکھا گیا اور یہ چٹکی؟ کہنے لگا: میں شاہی حکیم ہوں، کبھی کوئی وقت آپڑے، چھپا کے مت رکھ، کون سی دوا ہے۔ کہنے لگی، دوا کہاں لائی تھی، سڑک پر پڑا ہوا وہ سوکھا لے کر آئی اور سنگھا دیا، آپ بھی عجیب ہیں، وہ بے چارہ گاؤں سے آیا، گاؤں کے گندے پاخانوں کو صاف کرتا ہوا آیا ہے، اب عطر کی کوٹھری میں چلا آیا تو بے ہوش ہوگیا، میں نے گاؤں جیسا کندھک اسے سنگھا دیا، ہوش میں آگیا۔

صاف بات یہ ہے صاحب! کہ یہ بے چارے تو تھے وہی، گئے گزرے زمانے والے، اب انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو شان آن بان دیکھی، ایک موسیٰ کلیم اللہ ہیں انہیں بتایا جاتا ہے کہ ہم تمہیں نہیں دکھائیں گے اپنے آپ کو، ستر دفعہ کہا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رَبِّ اَرِنِی، اور ستر مرتبہ انکار کیا گیا لَنْ تَرَانِی، تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، اللہ اکبر! آپ کسی ضعیف سے ضعیف حدیث سے یہ ثابت نہیں کرسکتے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بھی عرض کیا ہو الٰہ العالمین! میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں، نہ، فرمایا: کیا کہتے ہیں تمہارے اعلیٰ حضرت؟

تبارک اللہ شان تیری، تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے
یہی سماں تھا کہ پیک رحمت خبر یہ لایا کہ چلیے حضرت
تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے

کلیم اللہ پر جو راستے بند تھے، وہ آج ہم نے تمہارے واسطے کھول دیے ہیں، اب اس راز کو کون سمجھ سکتا ہے کہ ان کے لیے وہ کیوں بند تھے اور ان کے لیے وہ کیوں کھول دیے گئے؟

اس کو جس نے سمجھ لیا وہ سنی مسلمان ہو گیا اور اس کو جس نے نہیں سمجھا وہ عین عنین بن گیا، الحمد للہ ہم اسے سمجھے ہوئے ہیں اور ہمیں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مظہر صفات تھے، مولیٰ فرماتا ہے اے موسیٰ! تم میری ذات دیکھنا چاہتی ہو، صفات کا مظہر ذات نہیں دیکھا کرتا، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مظہر ذات ہیں لہٰذ وہ میری ذات دیکھ سکتے ہیں، مظہر ذات ذات دیکھیے گا، مظہر صفات صفات دیکھے گا، کلام میری صفت ہے، موسیٰ! تم مجھ سے بات کرتے ہو، ذات میری ذات ہے وہ محمد عربی دیکھ سکتے ہیں دوسرا نہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تو میں نے عرض کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے معراج کے ذریعہ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلند کیا، اور بات بھی ٹھیک ہے، کیوں؟ کہ مکے کے بارہ سال گزر چکے، اب آنے والی ہے زندگی مدینے، مدینے کی زندگی میں آکر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی دی ہوئی تبلیغ سے مملکت الٰہیہ کے حاکم کل بن کر رہیں گے، لہٰذا ٹریننگ کے لیے بلائے گئے تھے عرش معلیٰ پر۔ ٹرینڈ کیا گیا وہاں پر، بتایا گیا، سکھایا گیا، دیکھو، اتنا بڑا ملک میں تمہیں دے رہا ہوں، سارے عالم کا آپ کو معائنہ کرایا جا رہا ہے، محبوب!! عرش بھی تمہاری ملکیت میں، کرسی بھی تمہاری حکومت میں، سات آسمان بھی تمہارے غلام، حوریان جنت بھی تمہاری کنیزیں، سات طبق آسمان کے، یہ تمہارے لیے شامیانہ ہیں، سات طبق زمین کے لیے تمہارے لیے فرش ہیں، یہ چاند بھی تمہارا، یہ تارے بھی تمہارے، یہ شجر بھی تمہارے، یہ حجر بھی تمہارا، یہ در بھی تمہارے، یہ دیواریں بھی تمہاری، یہ سب کچھ تمہارے، ہم نے پوری کائنات کو آج کی رات میں تمہارے سپرد کر دیا۔

یہ ہے معراج، معراج اس لیے کہ آج سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہنشاہ مملکت الٰہیہ کی تاج پوشی کی گئی ہے آج کی رات میں، عرش الٰہی کے اونچے تخت پر بٹھا کر، اور یہ تو ہم کہتے ہیں، ہمیں اتنا ہی معلوم ہے، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرش معلیٰ پر اپنے جسم پاک کے ساتھ

گئے، عرش معلیٰ سے آگے گئے تو بشریت محمد یہ کا لباس عرش پر رہ گیا، کیوں؟ کہ آگے جسم کی کوئی جگہ نہیں، عرش کے بعد کوئی مقام ومکان نہیں ہے وہ لا مکاں ہے، لا مکان میں جسم نہیں ہوتا، اب جو چیز یہاں سے گئی ہے وہ گئی نہیں کھینچی گئی ہے، کون گیا آگے یہاں سے، بشریت محمد یہ تو رہ گئی عرش کے اوپر، کون گیا حقیقت محمد یہ، نور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا کہ کبھی تھے، آدم علیہ الصلوٰہ والسلام کی پیشانی میں آنے سے پہلے جیسا کہ کبھی تھے، ایسے ہی گئے تھے بارگاہ الٰہی میں، کرم کی منزلیں طے کرتے ہوئے۔

اللہ اللہ!! بات ہمیں یاد آئی، بہلول دانا، بہلول عاقل، بہلول مجنوں، ایک ہی بزرگ کے یہ تین خطابات ہیں، کبھی تو حالت سکر میں ہوتے اور کبھی حالت جذب میں، لکڑے کا باموں کا ایک ٹکڑا لے لیا تھا اور دونوں رانوں کے بیچ میں رکھ کر چل مرے گھوڑے ٹک ٹک، بغداد مقدس میں آپ کا مزار اطہر ہے، اور آج بھی وہاں عقل ملا کرتی ہے، عقل بٹا کرتی ہے، میرا خیال یہ ہے کہ اگر ہم برادران نادان سے کہیں کہ بھیا! تھوڑی سی جاؤ عقل لے آؤ بہلول مجنوں کے مزار پر سے تو شاید تمہاری عقلوں میں یہ بات آجائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر ہیں مگر ہمارے جیسے بشر نہیں ہیں کیوں کہ تمہیں جو نصیب میں خود ملی تھی اس کے متعلق تو کوئی کہتا ہے کہ جب گئے تھے لینے کے لیے تو چھلنی لے کر گئے تھے، ارے بھلے آدمی! اور کوئی برتن نہیں ملا، ارے پتیلی لے لیتے یار، ڈبہ لے لیتے، لے کے گئے چھلنی اور چھلنی کیسی؟

خدا کی قدرت کا کوئی ٹھکانا نہیں اور اس قدرت سے جو اونچا کیا گیا اس اونچائی کا بھی کوئی ٹھکانا نہیں، ورفعنالک ذکرک، عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے۔

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

اللہ سے کون لڑائی لے گا، اللہ نے قرآن میں فرمایا ہم نے بڑھایا، اللہ کے آگے کس کی

چلے گی، بولو جی، اللہ سے نہیں چلے گی وہ تو ایسی ذات ہے، کہ اس کے آگے کسی کی نہیں چلتی، ہماری متبرک، مقدس مہربان گورنمنٹ نے نس بندی کردی، میں نے اخبار میں پڑھا کہ شاید پچیس روپے فی کس یا چالیس فی کس، وہ حساب طے ہوا نس بندی کا، اور سو روپے اس کو جو نس بندی کے لیے گھیر کر لائے، چار لوگ ایک آدمی کو گھیرے، چلو بھائی نس بندی کرالائیں، اس سے ہمیں بھی کچھ فائدہ ہوجائے گا، ہٹ، یہاں سے اللہ نے مجھے مرد پیدا کیا ہے تو نس بندی کرانا چاہتا ہے، کان میں کچھ کہہ دیا، ایسا ہے، تو چل، اب صاحب ایک کیمپ آگئی نس بندی کرانے کے لیے، ڈاکٹر صاحب اندر بیٹھے ہوئے ہیں، ایک نوجوان نس بندی کے لیے پہنچا، ڈاکٹر صاحب نے کہا، میز پر لیٹ جاؤ، گھڑی دیکھی انھوں نے، پندرہ منٹ کے بعد کہا: جاؤ، دیکھو، بیس روپے تھے گورنمنٹ کے، دس ہمارے، دس تمہارے سر کو، ہوگئی نس بندی، اب وہ کیا کہتا ہے میں نے نس بندی نہیں کرائی، آدھا میرا، آدھا ڈاکٹر کا اور نس بندی گئی چولہے بھاڑ میں۔

عجیب بات ہے، پہلی سلطنتوں میں اپنے مردوں، اپنی رعایا، اپنے سپاہیوں کو حکیم سے کہتے تھے کہ ان کو قوت کی دوائیں دو کہ انہیں تلوار لے کر لڑنا ہے، ہاتھ میں تلوار لے کر یہ لڑیں گے لہٰذا انہیں خمیرے کھلاؤ، انہیں معجون کھلاؤ، انہیں لبوب کھلاؤ، آج ہماری حکومت فرماتی ہے ان کو نس بندی کرو، پھر کہتے ہیں، وقت آئے تو لڑنا پڑے گا، اب کہیں خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ یہ نس بند بے چارے جب جائیں لڑنے کو، ادھر سے ہوں تو نس بند، ادھر سے ہوں نس کھلا، اب بتاؤ، کیا کروگے، ایسا کیا ہوگا یار؟ اس لیے میں کہتا ہوں کہ بھائی کوئی کراؤ یا مت کراؤ، ہم غریبوں کو نس کھلا رہنے دو، تب جب وہ وقت آئے تو ہم اپنا سینہ تو آگے لگا سکیں گے، ہم کہہ سکیں گے کہ چھوڑو تم تو نس بند کرا چکے ہو، ہم کو جانے دو آگے، وہ بھی نس کھلا، ہم بھی نس کھلا، دونوں نبٹ لیں گے ایک دوسرے سے، جن صاحب نے نس بندی کی، کہنے لگے، ایک دو اور بس اور قدرت نے کیا کہا؟ ایک دو اور بس نہیں، ایک پیٹ سے گیارہ، کیا سمجھے؟ ایک پیٹ سے گیارہ، آج کے

ہندوستان میں، ان کا پورا فوٹو ننھے ننھے گیارہ دیتے ہیں جو ان میں کا آخری ہے وہ ساڑھے پاؤنڈ کا، تم نے کہا ایک دو اور بس، قدرت نے کہا: نہیں، ایک، دو اور گیارہ، اللہ اکبر! تو قدرت کا مقابلہ کرتے ہو، اللہ کا مقابلہ کرتے ہو۔

اللہ اکبر! مجھے حدیث یاد آئی، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: زمانہ جاہلیت میں بچوں سے بچنے کے لیے ہم ایک ایسا کام کرتے تھے کہ جس سے بچے نہ ہونے پائیں، کیا اب بھی ہم ایسا کرسکتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: اگر تیری عورت راضی ہو اور ضرورت ہو تو کرلینا، مگر ایک بات یاد رکھ، خدا کو جو پیدا کرنا ہے وہ تو پیدا کرکے رہے گا، یہ حدیث صحیح ہے۔

چنانچہ جناب! ایسے بھی واقعات آتے ہیں، نس بندی ہو چکی ہے، مرد کی نس بندی ہوئی اور صاحب زادے پیدا ہو رہے ہیں، اور میاں تنے پڑے ہوئے ہیں: کم بخت! یہ تو کہاں سے لائی؟ طلاق دیتا ہوں تجھے، ایسا کیسے دیتے ہیں۔

اب وہ بے چاری پریشان ہے، اور ہاتھ میں لیے کھڑی ہے، ارے حضور! میں نے تو کسی کا سایہ نہیں دیکھا، میرے اوپر تو کسی کا آنچل نہیں پڑا ہے، میں تو آپ کی ہی ہوں، میں بھی تو نس بندی کرا چکی ہوں، تب مجبور ہوکر گئی ڈاکٹر کے پاس، ڈاکٹر نے معائنہ کیا، معائنہ کرکے کہا: بڑا افسوس ہے کہ اک ذرا سی رہ گئی ہے۔ آپ نے دیکھا قدرت کا جب مقابلہ کیا جاتا ہے، قدرت کے یہاں کیا ہے؟ دیر ہے اندھیر نہیں ہے، بلا تشبیہ و تمثیل مولیٰ تبارک وتعالیٰ ڈھیل دیتا ہے، فرماتا ہے: میں انہیں ڈھیل دیتا ہوں اور جب کھینچ لیتا ہوں تو خدا کی پناہ، ڈرو اس کے خوف سے۔

بات تو یہی ہے کہ آج تم روح سے دور ہوگئے ہو، آتما سے دور ہوگئے ہو، تم اللہ سے بھی دور ہوگئے ہو، نہ آج مسجد میں سچائی کے لیے تم جاتے ہو نہ آج مندر میں سچائی کے لیے تم جاتے ہو، نہ مندر میں جاتے ہو صحیح طور پر نہ مسجد میں جاتے ہو، مندر والے مندر سے چوک گئے، مسجد

والے مسجد سے ہٹ گئے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارے پاس پیسہ ہے، اللہ اکبر! ہمارے کروڑ پتی سمجھتے ہیں کہ ہمارا خدا تجوری میں ہے، ہمارا بھگوان تجوری میں ہے، ہمارا رسول تجوری میں ہے، ہماری وید تجوی میں ہے، ہماری شاشتر تجوری میں ہے، ہمارا قرآن تجوری میں ہے، تجوری کے باہر کچھ نہیں اور تجوری کے اندر سب کچھ ہے۔

میرے دوستو! یادرکھو، اسلام کی شکشا یہ نہیں ہے، اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے، اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھانے کھڑے ہیں، چاہتے ہیں کہ تکبیر کہیں، اتنے میں فرماتے ہیں: ٹھہرو اپنی جگہ پر، حجرے میں تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد باہر آئے، نماز پڑھائی، فرمایا: جانتے ہو، میں حجرے میں کیوں گیا؟ بات یہ ہے کہ صدقے کا ایک درہم یعنی ساڑھے چار آنے کے برابر چاندی وہ ابھی رکھی ہوئی تھی میرے حجرے کے اندر، میں نے یہ خیال کیا کہ میں کانوں تک ہاتھ اٹھا کے کہوں، اللہ اکبر، میں سورۂ فاتحہ پڑھوں، ایاک نعبدو ایاک نستعین، یا اللہ! ہم تیرے ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھی سے حقیقۃً مدد چاہتے ہیں اور وہاں سے ندا آئے کہ واہ! حقیقۃً تو ہم سے مدد چاہتے ہو اور تمہارے چار آنے جو گھر میں رکھے ہیں وہ! لہٰذا میں گیا اور ساڑھے چار آنے برابر وہ چاندی میں نے صدقہ کیا کسی فقیر کو، اب ہاتھ خالی ہو گیا تب آیا ہوں میں اپنے رب سے پھر مانگنے کے لیے۔

مولیٰ علی خزانے کے روم میں شام کے وقت دو رکعت نماز ادا کرتے، عرض کرتے، بیت المال کی دیوارو! گواہ رہو، شام تک جو آیا تھا وہ میں نے سب مستحقین کو بانٹ دیا، اپنے لیے کچھ نہیں رکھا، کل کے لیے کچھ نہیں رکھا، اللہ اکبر!!!

میں نے تمہیں سنایا تھا، مرتضیٰ علی کا لنگر جاری ہے، لیکن ستو کھا رہے ہیں، میں نہیں جانتا کہ ہمارے صدر جمہوریہ ہند کی تنخواہ کتنی ہے؟ ہمارے مہاراشٹر کے ویر اعلیٰ کی کتنی تنخواہ پاتے ہیں؟ مگر ظاہر ہے، سیکڑوں میں نہیں ہوگی، ہزاروں میں ہوگی، امیر المؤمنین، امام المجاہدین فی

رب العالمین، غیظ المنافقین، سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنخواہ، جو بیت المال سے تھی نو درہم تھی، نو چار آنا، نو چونی، امیر المؤمنین کو سوا دو روپے ماہوار ملتے تھے، پروفیسر ڈین اسلامک ہسٹری لکھتے ہوئے لکھتا ہے کہ مجھے تعجب آتا ہے، میں سوچتا ہوں کہ مسلمانوں نے گزر کیسے کیا؟ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ کھا کھانے کے لیے آپ بیٹھے ہیں، بیوی نے ایک پلیٹ میں اتنا سا حلوہ لا کر رکھا، دو لقمے ہوں گے اس میں، اللہ اکبر! ارے میاں! مولوی کے آگے اگر حلوہ آجائے تو؟ کیا پوچھو؟ پوری بات ہی نہیں سنی تم نے، مولوی صاحب پہنچے اپنے شاگرد کے یہاں، پیر جی پہنچے اپنے مرید کے یہاں، مرید بے چارے، کپڑا بننے والے، نمازی آدمی، عقیدت مند، قالین تو تھی نہیں لہٰذا انہوں نے اپنے بنے ہوئے تھان کو باندھ کر تکیہ بنایا اور چادر اس کے اوپر بچھا کر گدے جیسا بنا دیا اور کہا: حضور! تشریف رکھیے، کہنے لگے: کیا بنایا ہے؟ عرض کیا: حضور! مسور کی دال پکائی ہے، مسور کی دال؟ اللہ اکبر!!! ارے جی، غضب کر دیا تم نے، مسور شریف کہو مسور شریف، مرید تو بڑے پریشان ہوا کہ آج تک تو مسور کہتے چلے آئے، اور آپ کہتے ہیں مسور شریف کہو، کہا: ارے جی، قرآن میں اس کا نام آیا ہے، وعدسھا و بصلھا، کہا: حضور! مسور شریف کی دال پکائی ہے، کہنے لگے: مسور شریف بڑی عمدہ متبرک ہے، بڑی اتم ہے، اللہ! توبہ، توبہ، ارے یہ منہ اور مسور شریف کی دال؟ نا بھائی! میری یہ ہمت کہاں کہ میں مسور شریف کی دال کھاؤں، میں اور مسور شریف کی دال کھاؤں؟ تھا بڑا ایمان دار مومن بھائی، کہنے لگا، حضور! جو فرمائیں، کہنے لگے: مجھ جیسے سیہ کار، بدکار گنہ گار، نابکار کے لیے ارے وہ کچڑے پہ جو چگتی پھرتی مرغی ہے نا، وہی کافی ہے، ہفتے بھر رہے جناب، اب ہر روز ایک دوپہر، ایک شام وہی چگتی پھرتی، تو کتنی ہوئی، سات دونی چودہ مرغی ان کے پیٹ میں، ہفتہ بھر کے بعد کہنے لگے، اچھا بھئی! ہمیں دورے میں آگے جانا ہے، کل رخصت ہے، اس کے بعد صبح کو جب چلنے لگے تو اپنے خادم سے کہا: سن، یہ جو تھان بچھاتے ہیں، ہم نے اس پر نماز پڑھی، تہجد پڑھا، پنج گانہ پڑھی،

قرآن پڑھا، حذب البحر پڑھی، دعائے حیدری پڑھی، ہم نے اس کے اوپر دعائے گنج العرش پڑھی، درودتاج پڑھا، اتنا متبرک فرش، ان کا کیا؟ کسی بھنگی کو دے دیں گے، اس کا ایمان ہو، مجھ سے برداشت نہیں، باندھ لے، وہ بھی بندھ گیا صاحب، لد گیا کندھے پہ خادم صاحب کے، چل بھائی! اب وہ بے چاری گھر والی نے کہا: یا اللہ! اس پیر کو اب میرے گھر نہ لانا، وہ بے چاری پیٹ پکڑ کے رہ گئی، وہ سوچ رہی تھی کہ اب کہ تو کچھ رہ بھی گیا گھر میں، اب کہ اگر پیر صاحب آ گئے تو میں اور میرے بچے چل دیے اور چھ مہینے کے بعد حسب وعدہ پھر تشریف لائے، پھر پھنسے مومن بھائی، مست عقیدت تھی، عورت تو عورت تھی، میاں گئے بازار لینے، تو وہ بیٹھ گئی مسالہ پیسنے کو اور رونے لگی، بولے، کیوں مائی! کیوں روتی ہے؟ کیا کروں پیر صاحب! آج بڑا غضب ہو گیا، میاں تو غصے میں بغیر بتائے چلے گئے ہیں اور یہ کہہ کے گئے ہیں، یہ پیر جب تک گھر پر رہتا ہے، مرغیاں کھا کھا کے گھر کا دیوالیہ نکال دیا ہے، مرچیں پیس کے رکھ، اس پتھر کے بٹل پہ مرچیں لگا کے آج، کہنے لگے، یہ کہہ کے گئے ہیں کہا، ہاں، جبھی تو رو رہی ہوں، کہا، اچھا تو میں چلا، اور خادم باندھ بسترا بھائی ان کے آنے سے پہلے، پیر صاحب ایک کھڑکی سے نکل کر اندر گئے، وہ دروازے سے اندر آیا، ادھر دیکھا تو کہا: پیر کہاں ہیں ہمارے؟ کہا، آپ کے پیر کا کیا کہنا؟ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے، ایسے نازک مزاج، پیستی تھی مسالہ، کہنے لگے، پتھر مجھے دے دو، بس اتنی سی گنہ گار ہوں، میں نے کہا، حضور! یہ پتھر کا آپ کیا کریں گے؟ نالائق کہیں کی، بے وقوف کہیں کی، ارے میرا پیر، جان اس پر قربان ہے، ارے اس نے بٹا مانگا تو دے دیا ہوتا اور بٹا لے کے ان کے پیچھے دوڑنے لگا، پیر صاحب ابھی دور نہیں گئے تھے، دیکھا اور دیکھ کر چیختا، حضور! ٹھہریے، یہ دیکھیے بٹا لایا، پیر نے دیکھا، آ گیا کم بخت، خادم کے ساتھ سرپٹ دوڑ کر راہ فرار اختیار کی، عورت نے اس بہانے ان کو رخصت کیا۔ تو یہ ہیں ہمارے آج کے پیر اور یہ ہیں ہمارے آج کے ملّا۔

اور یہ ہیں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ حلوہ سامنے رکھا تھا، ایک لقمہ حلوہ کھایا، فرمایا: تم نے ہمارے حلوے میں کھجوریں زیادہ ڈال دیں، کیا کھجوریں زیادہ آئی تھیں؟ پھر یہ حلوہ کیسے بنا؟ روز تو نہیں بنتا تھا، عرض کرنے لگیں، حضور! بات یہ ہے کہ آپ حکومت کے کاروبار میں بڑی محنت کرتے ہیں، سوکھا کھاتے ہیں، آپ کو کوئی اچھی غذا نہیں ملتی، تو روز کے راشن میں جو کھجور آتی تھی، میں ایک ایک کھجور، ایک چمچہ روغن زیتون اور ایک چمچہ شہد میں بچاتی رہی، آج کے دن میں نے وہ کھجوریں، وہ روغن زیتون، شہد ملا کر اتنے دنوں کے بعد تیار کیا ہے، کہ آپ کو ایک لقمہ اچھا مل جانے کھانے کے لے، اچھا، یہ بات ہے، فرمایا: تو سنو، اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ کھجوریں، یہ روغن زیتون اور یہ شہد ہماری ضرورت سے زیادہ آتا تھا، ارے ضرورت سے زیادہ نہ آتا ہوتا تو تو بچا نہیں سکتی تھی، لہٰذا راشن آفس کو لکھا جائے کہ اب ایک کھجور، ایک چمچہ روغن زیتون، اور ایک چمچہ شہد روزانہ کے راشن میں سے کم کر لیا جائے اور اتنا کسی فقیر کو صدقے کر دیا جائے۔

ہے مثال کوئی؟ دے سکتے ہو؟ نس بندی مت کراؤ، اس طرح سے زندگی اپنی بسر کرو، آج تمہارے وزیروں کے ٹھاٹ باٹ یا اللہ، ویسے تو کرتیا پہن کر پھرتے تھے، لیکن ووٹ ملا، کرسی ملی، اب دیکھئے صاحب تو سبحان اللہ! بینک بیلنس بھی ہے، کار بھی ہے، اونچا بنگلہ بھی ہے، اور صاحب، سالے کے پاس بھی ہے، بہنوئی کے پاس بھی ہے اور بھانجے کے پاس بھی ہے اور بھتیجے کا لائسنس چالو ہے، میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ دست غیب کہاں سے شروع ہو گیا، یہ ہیں آج کے ہمارے حاکم، یہ وہ لوگ ہیں کہ ہماری جنتا کا خون ایسے چوستے ہیں جیسے مچھر چوستا ہے، جیسے کھٹمل چوستے ہیں، یہ ہیں وہ پونجی پتی کہ جن کے لیے قرآن عظیم نے ارشاد فرمایا تھا کہ دولت کو چلتا پھرتا رکھو، پونجی کسی کے پاس جمنے نہ پائے، پونجی کسی پونجی پتی کے پاس بند ہو کر نہ رہے، یہ بھی قرآن کی شکشا ہے لیکن آج تم نے اس شکشا کو بھلا دیا ہے۔

میرے دوستو! اسلام نے تمہیں کیا نہیں بتایا؟ میں نے کہا تھا نا کہ میں معراج کی تفصیل

نہیں بیان کروں گا، صرف تمہارے سامنے یہ بیان کر رہا ہوں کہ ہمارے لیے معراج سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیا لے کر آئے؟ مختصر طور پر بتاتا ہوں ورنہ وہ بڑی لمبی چوڑی تفصیل ہے، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے لیے تحفہ نماز کا لے کر آئے، چلتے چلتے فرمایا: محبوب! جارہے ہو تمہیں ہم نے کیا دیا ہے یہ ہم جانتے ہیں اور تم جانتے ہو، لیکن جب اتنے بڑے سفر سے تم پہنچو گے تو تمہاری امت تم سے پوچھے گی کہ آپ اللہ کے پاس سے آرہے ہیں، ہمارے لیے کیا لائے؟ ہم تمہیں پچاس وقت کی نمازیں دے رہے ہیں، اپنی امت سے کہہ دینا کہ یہ پچاس وقت کی نمازیں معراج کی رات کی یادگار ہیں، رخصتی ہوگئی، چلے، چھٹویں آسمان پہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوگئی، دیکھا انہوں نے، کہا: سبحان اللہ! اب تو سج دھج ہی کچھ اور ہے، رخ کے جلوے ہی کچھ اور ہیں، سبحان اللہ!! میں یہ پوچھنے کی جرأت تو نہیں کروں گا کہ آپ کو اللہ نے کیا دیا، میں یہ ضرور پوچھوں گا کہ آپ کی امت کو اللہ نے کیا دیا؟ ارشاد فرمایا: پچاس وقت کی نمازیں، پچاس وقت کی نمازیں؟ یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بنی اسرائیل بڑے طاقت ور تھے، لیکن دو نمازوں کی پابندی نہیں کر سکے، نمازوں کو پورا نہیں کر سکے، آپ کی امت تو بڑی دبلی پتلی کمزور ہوگی، ایسی کہ پھونک پڑے تو اڑ جائے، لہٰذا حضور جائیں اور جا کر نمازیں کم کرالائیں، یہاں تک کہ ہوتے ہوتے جب آخر میں پانچ رہ گئی تو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا: اب نہیں میں عرض کروں گا، مجھے معاف کراتے کراتے شرم آتی ہے، اتنی میں نے کمی چاہی ہے، کہ اب کبھی زیادہ نہیں چاہتا، ندا آئی کہ اپنی امت سے کہہ دیجیے گا کہ پڑھنے کی پانچ ہیں اور ثواب کی پچاس، اسی واسطے فرمایا: ''الصلوٰۃ معراج المؤمنین'' مسلمانوں کی معراج ہے نماز۔

حدیث میں آیا ہے کہ اگر مسلمان سجدے میں اپنے رب کی ایسی پوجا کرے کہ وہ مولیٰ کو دیکھ رہا ہے یا یہ کہ اب تو بہرحال اسے دیکھ رہا ہے، تو ان کے سجدوں میں معراج کے جلوے نظر

آئیں گے۔

اور چودہ نکات لے کر آئے اپنے رب کی طرف سے، میں ان چودہ نکتوں کو جو معراج کے تحفے ہیں بیان کر رہا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج کوہ طور میں دس احکام عطا فرمائے تھے، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چودہ احکام عطا فرمائے گئے، میں اگر تفصیل سے شروع کروں تو ابھی مجھے دو گھنٹے لگیں گے، لہٰذا میں انہیں اجمال کے ساتھ بیان کر رہا ہوں، فرماتے ہیں: سورہ بنی اسرائیل ہے، معراج والی سورت ہے، اسی کی آیت کریمہ ہے: ''وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ'' اور تمہارے رب نے فرض کیا ہے کہ پرستش مت کرو مگر خدا کی، نمبر ایک، پہلی چیز کیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی پوجا مت کرو، معراج سے پہلی چیز لے کر آئے، کہ رب ایک ہے، ہزار کے سامنے سر نہیں جھکانا ہے، ایک کا ہو کر رہنا ہے، یک در گیر محکم گیر، ایک دروازہ پکڑ لو اور مضبوط پکڑ لو، اور بڑی اچھی بات ہے، اس لیے کہ اگر کئی خدا ہوں نا تو صاحب مزہ آجائے گا، ہم جھکے خدا نمبر ایک کے آگے تو خدا نمبر دو نے کہا: ہم بھی تو ہیں، دو کی طرف جھکے تو تیسرا بولا: ابے او! ہم بھی تو ہیں، ادھر بھی جھک، نہیں ''وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ'' وحدہ لاشریک ایک خدا کی طرف جھکو، ''وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا'' اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو۔

سبحان اللہ! آپ نے غور نہیں کیا، آپ نے سوچا نہیں کہ اللہ کی عبادت کے بعد اگر درجہ ہے تو ماں باپ کو راضی کر لینے کا درجہ، میرے دوستو! کیا قسم کھا کے کہہ سکتے ہو کہ تم اپنے ماں باپ کا حق کرتے ہو، میں نے اپنی آنکھ سے باپ کی داڑھی پکڑ کر اور میں نے ماں کی چوٹی پکڑ بیٹی کو مارتے اور گالی دیتے ہوئے دیکھا ہے، بوڑھے باپ سے کہہ رہا ہے، بوڑھوا کرتا دھرتا نہیں، ہماری کمائی کھائے جارہا ہے، اللہ اکبر! اور خدا کیا کہتا ہے: ''اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا'' سن! اگر تیرے

سامنے وہ دونوں یا ایک بوڑھا ہوجائے تو جھڑکنا نہیں، اونہہ مت کہنا اف مت کہنا کبھی ان کے آگے، سبحان اللہ! یہاں تک کہ شریعت مطہرہ کا حکم ہے کہ اگر باپ اپنے بیٹے کی چوری کرے تو اسلام کی سزا چوری کی یہ ہے، کہ چوری ثابت ہوجائے تو پہونچے سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، لیکن اگر باپ بیٹے کی چوری کرتا ہے تو باپ کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اسے قید کر دیا جائے گا، ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اللہ کے یہاں کا گناہ بھی ہوگا، اللہ جو عذاب دے چوری کا وہ اپنی جگہ پر ہے، لیکن دنیا سے بیٹے کی چوری میں باپ کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا، بیٹے کی لونڈی کے ساتھ باپ نے زنا کیا، شریعت میں حکم ہے کہ زنا کی سزا یہ ہے کہ سنگ سار کر دو لیکن بیٹے کی لونڈی کے ساتھ باپ نے زنا کیا ہے تو سزا دی جائے گی، قید کر دیا جائے گا، کوڑے مارے جائیں گے لیکن اسے پتھر سے مار کر مار نہیں ڈالا جائے گا، یہ ہے باپ کا مقام، فرماتا ہے: ''وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا'' اپنے پریم کے بازو اپنے ماں باپ کے آگے بچھا دو، جیسے ہم اپنی آنکھیں بچھاتے ہیں، آپ ہماری آنکھوں پر سے ہو کر نکل جایئے، دو چیزیں ہوئیں ''وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّه وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ'' تیسری چیز کیا ہے، تمہاری کمائیوں میں تمہارے رشتہ داروں کا حق ہے، اللہ اکبر! آج اگر مسلمان اس پر چلنے لگیں، اپنی کمائیوں میں اپنے غریب رشتہ داروں کا حق وہ مان لیں، ایسا نہ ہو کہ ایک بھائی تو زردہ اور بریانی کھا رہا ہو اور ایک بھائی کو سوکھے ٹکڑے بھی نصیب نہ ہوں، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا کھانا اپنے یہاں مت پکا کہ جس کی خوش بو تیرے پڑوس میں جائے، لیکن اس کی رکابی تیرے پڑوس میں نہ جائے، اگر پکانا ہے تو اتنا پکا کہ ایک رکابی خود کھا اور ایک پڑوس میں بھیج۔
''وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّه وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ'' فقیر، رشتہ اور مسکین کو اس کا حق دے دو، تین چیزیں۔

فرماتا ہے: کہ چوتھی چیز یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کو اپنے گردن سے باندھ کر مت رکھو۔

ایک صاحب نے اپنے دوست سے کہا: یار! حج کو جا رہا ہے، یہ اپنے ہاتھ کی انگوٹھی دے دو، پہن لوں، جب کبھی تمہاری یاد آئے گی تو پھر میں انگوٹھی دیکھ کر یاد کر لیا کروں گا کہ ہمارے دوست نے انگوٹھی دی ہے، دوست اللہ کے فضل سے ایسے تھے کہ دودھ میں اگر مکھی پڑ جائے تو اسے منہ میں ایسے لے کر چوس کر پھینکا کرتے تھے، کسی نے پوچھا لاحول ولا قوۃ الا باللہ! بڑے گندے ہو یار! مکھی چوستے ہو؟ کہا: دیکھ بھائی! دودھ میرا بڑا قیمتی ہے، پیسوں سے لایا ہوں، فقط اپنے ٹانگوں اور پیروں میں میرا دودھ لگا کے لے چلی تھی، لہٰذا میں نے اتنا دودھ چوس لیا اور اسے پھینک دیا، تو وہ تھے کنجوس، مکھی چوس، وہ انگوٹھی کیا دیتے، کہنے لگے: یار! یاد ہی تو مقصود ہے نا، ہمیں یاد کرنا چاہتے ہونا، جب تم وہاں مکے میں بیٹھ کر اپنی انگلی کو انگوٹھی سے خالی دیکھنا تو ہمیں یاد کر لیا کرنا کہ انگوٹھی مانگی تھی اس نے نہیں دی۔

فرماتا ہے ایسی کنجوسی مت کرنا اور اس کے ساتھ یہ بھی فرماتا ہے اللہ عزوجل: کہ اس کے ساتھ ایسا ہاتھ بھی مت کھول دینا کہ کل دوسرے کے سامنے تو ہی ہاتھ پھیلاتا پھرے، کیا معنی ہیں؟ نکتہ یہ ہے کہ نہ تو تم کرنا فضول خرچی اور نہ کرنا تم کنجوسی، تو اللہ کے سوا پوجو مت، ماں باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو، فقیروں، مسافروں، رشتہ داروں کو ان کا حق اپنی کمائی میں سے دو اور سخاوت کرو، کنجوسی مت کرو۔

''وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ'' اور مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو، ہائے، اولاد پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اناج تو پیدا نہیں پیدا ہو رہا ہے، پیداوار تو ہے نہیں لہٰذا اب کیا ہوگا؟ فرماتا ہے: ''نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ'' رزق تم نہیں لاتے ہو، رزاق مطلق ہم ہیں، ہم تمہیں بھی رزق عطا فرمائیں گے اور تمہاری اولاد کو بھی رزق عطا فرمائیں گے، تو چھٹی چیز کیا ہوئی؟ ''وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ'' مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو، ساتویں چیز ہے ''وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّه كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا'' اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ، وہ بڑی بے

حیائی ہے اور بہت برا راستہ ہے، ''وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ'' اور کسی جان کو ظلم سے مت قتل کرو، کتنے ہو گئے صاحب! پانچ اور تین آٹھ ''وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ'' اور یتیم کا مال ظلم سے دغا سے، فریب سے نہ کھاو۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ یتیم خانوں پہ یتیم خانے کھلتے ہیں، اللہ ہی بچائے رکھے، وہاں کتنا مال یتیموں کے پیٹ میں جاتا ہے اور کتنا یتیم خانوں کے کرتاؤں دھرتاؤں کے پیٹ میں جاتا ہے، فرماتا ہے: ''وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ'' اور جس سے وعدہ کرو اسے پورا کرو، کتنے ہوئے؟ دس ''وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُم'' اور جب تولو تو پوری بھرڈنڈی تولو ''وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ'' اور جب ناپو تو پورا ناپ ناپو، دس اور دوبارہ ''وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا'' اور اکڑ کے مت چلو ''فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا'' اور اللہ کے سوا دوسرا خدا مت بناؤ۔

یہ چودہ نکتے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو معراج کے تحفے میں عطا فرمائے۔ ایسا کریں کہ ہم ان چودہ معراج کے نکتوں کو یاد رکھیں، چودہ نکتے سمجھ لیا تم نے، اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہیں، ماں باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا، اپنی کمائی میں سے فقیروں، رشتہ داروں اور مسافروں کا حصہ نکالنا، سخاوت کی جگہ سخاوت کرنا، کنجوسی بالکل نہ کرنا، مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرنا، بدکاری کے قریب مت جانا، کسی کی ظلماً جان نہ لینا، پورا پورا ناپنا، پورا پورا تولنا، وعدے کا پورا کرنا، اکڑ کے زمین پر چلنا مت، اور اللہ کے سوا کسی کو خدا مت بنانا۔ یہ ہیں چودہ نکات جو معراج میں ہمیں عطا فرمائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم مسلمانوں کو اپنے مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ لائے ہوئے ان احکام کی اطاعت وفرماں برداری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، (درود شریف)



عظمت اولیا

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (سورہ توبہ، آیت: ۱۰۰)

صدق اللہ وصدق رسول اللہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بآواز بلند درود شریف!!!

غوث اعظم بمن بے سروساماں مددے — قبلۂ دیں مددے کعبۂ ایماں مددے
انتظارے کرم تست من عینی را — اے خدا جو وخدا بیں وخدا داں مددے

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا — اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا — اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا
کیوں دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجا تیرا — شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

یاغوث!!

تجھ سے دربدر سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت — میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے — حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا
بد سہی، چور سہی، مجرم و ناکارہ سہی — اے میں کیسا ہی سہی، ہوں تو کریما تیرا
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبے کا طواف — کعبہ کرتا ہے طواف درِ والا تیرا
اور پروانے ہیں جو ہوتے ہیں کعبے پہ نثار — شمع تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا
الاماں! قہر ہے اے غوث وہ تیکھا تیرا — مر کے بھی چین سے سوتا نہیں مارا تیرا
تو جسے للکار دے، آتا ہو تو الٹا پھر جائے — جس کو چمکار لے ہر پھر کے وہ تیرا تیرا
ہیں رضاؔ یوں نہ بلک تو نہیں جید تو نہ ہو — سید جید ہر دہر ہے مولیٰ تیرا
واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا — اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

آج جشن گیارہویں ہے اور ہمیں اپنے آقائے کریم، مرشد ولی نعمت سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں اپنا نذرانہ عقیدت پیش کرنا ہے، باتیں تو کرتا آرہا ہوں میں، اسی طرز کی ایک بات سنو کہ اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مختصر زندگی تمہارے سامنے کیا ہے؟ یوں تو ہر ولی کا ایک رنگ علاحدہ ہے، باغ میں جو پھول کھلتے ہیں سب کی خوشبو یکساں نہیں ہوتی، فارسی والا کہتا ہے: ؎

ع ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است

ہر پھول کا رنگ اور ہر پھول کی خوش بو علاحدہ علاحدہ ہوتی ہے۔

چشتی رنگ علاحدہ ہے، قادری رنگ میں کچھ اور جھلک ہے، یہ اپنی جگہ پر ہے لیکن

سارے اولیائے کرام ایک بات کے اندر یک رنگ ہوتے ہیں اور وہ بات یہ ہے کہ وہ رضائے خدا چاہتے ہیں رضائے مصطفی، مختصر بات کرنی ہے کرتا ہوں۔ اولیائے کرام کی سوانح عمری تم نہیں پڑھ سکو گے، تمہیں جب یہ معلوم ہی نہیں، اولیا کی پہچان ہی تم نہیں جانتے، اولیا کی پہچان کے لیے تم تو اور ہی کچھ سمجھ بیٹھے ہو، حضرت خواجہ حسن رسول نما رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ ماقبل انگریزی میں ان کے ایک مرید نے پوچھا کہ حضور! آج کل دلی کے قطب کون ہیں؟ تو حضرت نے مراقبہ کیا پھر سر اٹھا کے فرمایا: میاں! جامع مسجد کے نیچے چادر بچھائے ہوئے اور اس کے اوپر تربوز رکھے ہوئے ایک میوہ فروش ہے جو پھل بیچتا ہے، وہ آج کل ہے قطب دہلی۔ اب مجھے آپ بتائیے کہ اگر آپ نے معیار ولایت کرامت کو سمجھ رکھا ہو تو، ایک کلنگڑ بیچنے والے کو تم ولی کیسے پہچانو گے؟ ایک تربوز بیچنے والا جو بازار کے اندر تربوز بیچ رہا ہے تم یہ کیسے مانو گے کہ یہ قطب ہے دلی کا، صاحب یہ گئے، تو خواجہ حسن رسول نما ان کے مرشد نے کہہ دیا تھا کہ میاں وہ اپنے حال میں مست ہیں، بڑے رحم دل ہیں، اسی لیے سلطنت ظاہر کا حال بھی تباہ و برباد ہے، کیوں کہ سلطنت ظاہر بھی ہمیشہ قطب باطن کے جلو میں پلتی ہے، یاد رکھو، آج کل ہندوستان میں کوئی مرد قطب نہیں ہے، آج کل ہندوستان میں کوئی اور قطب ہے، اگر مرد قطب ہوتا تو مرد کی حکومت چلتی، لیکن ہندوستان پر حکومت ایک عورت کر رہی ہے، آج کل کوئی نہ کوئی عورت قطب ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے، حضرت رابعہ بصریہ کی کوئی پیڑھی، رابعہ بصریہ کی کوئی مریدہ وہ آج کل قطبیت پر فائز ہے، تو وہ اپنے حال میں مست ہیں، کہا، بڑے میاں! کلنگڑ چاہیئے، وہ اپنی تسبیح میں کچھ پڑھ رہے تھے، کہا، یہ سب رکھے ہیں دیکھ لے، کہا: ایسے نہیں چاہیئے صاحب! میں کانٹی لگا کے لوں گا، ہمارے یہاں کانٹی لگانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تربوز میں ذرا سا کاٹا اور اسے دیکھا دیکھنے کے بعد لیا جائے، کہا، نکال لے بیٹا! انہوں نے چھرا لے کے جو کانٹی لگانا شروع کی ہیت و چادر پر جتنے تربوز رکھے ہوئے تھے سب میں کانٹی لگا دی، کسی کو تو کہہ دیا کہ صاحب! اس کا رنگ پھیکا ہے، کسی کو کہا کہ کچھ سڑیلا ہے، کسی کو کہا کہ اس کے اندر سوکھا ہے، کسی کو

کہا کہ یہ تو کچا ہے، غرض کہ سارے تربوز خراب کر کے آور آ کر میں یہ کہہ کے اٹھ گئے کہ صاحب آپ کے تربوز اچھے نہیں ہیں، تو انہوں نے فرمایا: بیٹا! برابر کی دوکان سے لے لو، یہ نہیں کہا انہوں نے کہ میاں! تم نے ایک بھی تربوز خریدا نہیں اور میری ساری چادر کا مال خراب کر کے چل دیا، لوگوں کو یہ معلوم ہوگا سب کانغی لگے ہوئے ہیں، ناپسند ہیں تو یہ تم نے اگر نہیں لیے تو کوئی اور بھی نہیں لے گا، کچھ نہیں فرمایا انہوں نے۔ آئے اور اپنے مرشد سے عرض کیا: سرکار! ایسا ایسا معاملہ ہوا، فرمایا: دیکھا، تم نے، کیسا۔۔۔۔ بے پروا ہے وہ کیسے لا ابال ہیں، کیسے رحم دل ہیں، کتنے بردبار ہیں، اسی لیے سلطنت کا نظام بھی بردبار ہے، وہ بھی آج کل ایسے ہی چل رہا ہے، یہاں تک کہ سن ۵۷ھ کا فتنہ مچا اور اس کے بعد انگریزوں نے امام حکومت اپنے ہاتھ میں لی، اور ہندوستان میں پختہ انہوں نے انتظام کیا اور انہوں نے اپنے مرشد سے پھر پوچھا: کیا حضور! سلطنت بدل گئی لہٰذا فرمایئے، اب دلی کا قطب کون ہے؟ خواجہ حسن رسول نما نے پھر آنکھیں بند کیں، مراقبہ کیا، فرمایا: میاں! چاندنی چوک پر ایک سقہ ہے پانی پلاتا ہے، لال کھا گر کی گدڑی باندھے ہوئے کہ یہ مشک اور ہاتھ میں کٹورے ایک ٹکے کا ایک کٹورا پانی پلاتا ہے، گئے صاحب ملنے کے لیے اور بہت دور سے سنا، ٹکے میں پیالہ پانی کا، ٹکے میں پیالہ پانی کا، انہوں نے ایک ٹکا دیا، پیالہ دیا پانی کا، انہوں نے دیکھا اور کہا، اے میاں سقہ! اس میں تو کچڑا پڑا ہوا ہے، دوسرا دیجئے، فرمایا: لا دوسرا ٹکا، لا دوسرا ٹکا، اور اس کے بعد ایک دفعہ آنکھیں نکال کر فرمایا: یہ وہ تربوز بیچنے وال نہیں ہے، یہ وہ تربوز بیچنے والا نہیں ہے اور اپنے بڈھے سے کہہ دینا کہ کسی کا راز کھولتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی، یاد رکھنا، کان پکڑ کے دلی سے نکال دوں گا، بچارے، وہاں روہانسا ہوگئے، ادھر مرے وہاں سے حلقے کاٹتے آئے اور اپنے مرشد سے کہا: سرکار! آج تو یہ پڑ، فرمایا: میاں! تم نے اپنے ساتھ ہمیں بھی سنوائی، مالک ہے دلی کا، ہندوستان کا مالک ہے قطب ہے وہ، اگر وہ ہمارا کان پکڑ کے نکال دے تو ہمیں گروہ اولیا میں کوئی پوچھے گا نہیں۔ تب ہمیں اور تمہیں پتہ کیا کہ ولی کیسا ہوتا ہے؟ ولی کے سر پہ سینگ نہیں ہوتی، ولی

کے ماتھے پہ کوئی لیبل نہیں لگا ہوتا، ولی کو تو پہچانا جاتا ہے، جب وہ سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کتنا راضی رکھنا چاہتا ہے اور ان کو راضی رکھ کر وہ خدا کو کتنا راضی رکھنا چاہتا ہے؟ ولی کی پہچان یہیں سے ہے، ولی اتنا زیادہ منہمک ہوتا ہے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا کے ذریعہ سے اللہ کی رضا حاصل کرنے میں وہ ایسا لگا ہوتا ہے، اتنا لگا ہوتا ہے کہ اسے اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہیں ہوتا، اسے یہ یاد ہی نہیں ہوتا کہ میری رضا کیا ہے؟ اسے اپنی رضا نہیں یاد ہوتی۔

ندی کے اس اور اس کے کنارے پر دو دوست رہتے تھے اور دونوں اللہ کے ولی تھے، ایک صاحب نے پکائی کھیر، رکھا تھا روزہ انہوں نے، شام کو کھیر پکائی اپنے مرید سے کہا: بیٹے! ہم تنہا خور نہیں ہیں، اکیلے نہیں کھاتے، ایک پیالہ یہ لے جاؤ اور ندی کے اس کنارے جا کر وہاں جھونپڑے میں ہمارے دوست ہیں۔ ان سے کہنا کہ تمہارے دوست نے یہ کھیر پکائی ہے اور یہ تمہارا حصہ ہے۔ مرید نے پیالہ لے لیا اور عرض کیا: حضور! پیالہ تو میں نے لے لیا، لیکن ندی میں نہ تو ناؤ ہے نہ تو پل بنا ہوا ہے اور ندی تنی ہوئی ہے، تب میں جاؤں گا کیسے؟ مجھے تیرنا نہیں آنا، اور پھر یہ پیالہ لے کر تیروں گا کیسے؟ فرمایا: ندی کے کنارے کھڑے ہو کر کہنا: ندی ری ندی!! میں ایسے کے پاس سے آتا ہوں، میں ایسے کے پاس سے آتا ہوں، جس نے عمر میں کبھی کچھ کھایا نہیں، اور یہ کہہ کے تم پیر ڈال دینا، وہ تمہیں پہنچوا دے گی، مرشد کا حکم ہے، چلے، مگر یہ سوچتے ہوئے چلے کہ عمر میں کچھ کھایا نہیں، میں تو بچپن سے ساتھ ہوں، حضور والا کھانا نوش فرماتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں تو افطار بھی کرتے ہیں، سحری کرتے ہیں اور آج کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے کچھ کھایا ہی نہیں ہے، ندی کے پاس پہنچ کے انہوں نے یہی کہا؛ اے ندی! ہم ایسے کے پاس سے آتے ہیں جس نے عمر میں کچھ کھایا نہیں ہے اور یہ کہہ کے جو پیر ڈالا ہے تو بس ٹخنوں ٹخنوں پانی میں پوری ندی نکل گئے۔ وہاں جا کے دیکھا تو دو جھوپڑے بنے ہیں، ایک جھوپڑے پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ ایک کے آگے ایک چھوٹا سا بچہ کھیل رہا ہے، اور ایک صاحب بیٹھے ہوئے وہاں پر رسی

بن رہے ہیں، انہوں نے سلام کیا، کہا: کیسے آتے ہو؟ کہا: حضور! اس پار سے آپ کے دوست کے پاس سے آتا ہوں، آج انہوں نے روزہ رکھا تھا اور یہ کھیر پکائی ہے آپ کو انہوں نے بھجوایا ہے: فرمایا: ٹھیک ہے، لاؤ، ہمارا سلام کہہ دینا، شکریہ ادا کر دینا اور کہہ دینا جزاک اللہ تعالیٰ فی الدارین، تم نے ہمیں یاد رکھا، کہا، یہ سب تو کہہ دوں گا مگر جب پار پہنچوں گا تب۔ ادھر سے تو میرے پیر نے ایک بات کہہ دی تھی، میں آ گیا، اب ادھر سے کیسے جاؤں گا؟ کہا: جا، ندی سے کہہ دینا، ندی ری ندی!! ہم اس کے پاس سے آتے ہیں کہ جس نے عمر میں کبھی عورت کو چھوا نہیں، کہا: آج تو عجیب مسئلہ پھنسا، وہ عمر بھر کھاتے رہے، کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی کھایا نہیں، اور ان کے بال بچے کھیل رہے ہیں، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ کبھی عورت کو چھوا نہیں، تب یہ جھوپڑے میں جو پردہ پڑا ہوا ہے وہ اور کاہے کے لیے ہے، وہ جب گئے، یہی کلمہ کہہ دیا پھر نکل گئے اس پار، جب اپنے مرشد کے پاس پہنچے تو کہا: حضور! آج جو واقعہ میرے ساتھ پیش آیا ہے قریب ہے کہ میں دیوانہ ہو جاؤں، مجھے اس کے معنی بتا دیجیے، فرمایا: ہم جانتے ہیں کہ تیرے سینے میں کیا غبار اٹھ رہا ہے، ٹھیک ہے، تم نے ہمیں کھاتے ہوئے دیکھا اور تو نے ان کے بال بچے کھیلتے ہوئے دیکھے، ہم نے کہا ہم کچھ کھاتے نہیں، انہوں نے کہا ہم عورت کو چھوتے نہیں تو مطلب اس کا یہ ہے کہ ہم اپنے لیے نہیں کھاتے، وہ اپنے لیے عورت کو نہیں چھوتے، اپنی رضا سے ہم نہیں کھاتے اور وہ اپنی رضا سے عورت کو نہیں چھوتے، اللہ کا حکم ہے کہ عبادت کرنے کے لیے پیو، خوب کھاؤ اور اللہ کا حکم ہے کہ عورت دیا ہے تو اس کا حق ادا کرو، اللہ کا حکم اور اس کو راضی کرنے کے لیے وہ عورت کو چھوتے ہیں اور ہم اللہ کو راضی کرنے کے لیے کچھ کھا لیتے ہیں، یہ ہیں اولیائے کرام۔ خدا کی رضا چاہتے ہیں وہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی رضا کے ذریعے سے، کیوں کہ انہیں معلوم ہے کہ جو محمد کو راضی کرے گا وہ خدا کو راضی کرے گا۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)
تعجب کی جا ہے کہ دوزخ کی آتش
لگائے خدا اور بجھائے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)
ہے طرفہ تماشا کہ عرش معلّٰی
بنائے خدا اور بسائے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اور آخر میں ایک عجیب وغریب عاشقانہ شعر کہنے والے نے کہا، وہ کہتے ہیں کہ ؂

بہشت اور دوزخ میں ہے فرق اتنا
کہ جائے محمد، نہ جائے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اللہ اکبر!! اگر بفرض باطل جنت کو حضور والا سرفراز نہ فرمائیں، جنت کو حضور مشرف نہ فرمائیں تو ہم غلامان محمد کو جنت نہیں چاہئے۔

اللہ اکبر!! کہنے کا مطلب یہ ہے، اسی کو ایک حدیث واضح کرتی ہے، میں وہ حدیث آپ کو سناؤں، اور اس کی تفسیر میں آپ کو شریعت اور طریقت دونوں طریقے سے سنا ڈالوں، حدیث ہے بخاری اور مسلم کی، صحیحین کہلاتی ہیں یہ دونوں کتابیں، ان کی جو متفق علیہ حدیث ہوتی ہے، ان میں جو حدیث ایک جگہ دونوں میں موجود ہو اسے کہتے ہیں حدیث متفق علیہ اور اس حدیث کی روایت کی ہے حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے، میں جو پڑھ رہا ہوں، وہ الفاظ بخاری کے ہیں اور حدیث قدسی یعنی زبان ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور نطق ہے اللہ عزوجل کا، زبان ہے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اس زبان سے بول رہا ہے نطق ربانی، کلام ربانی بول رہا ہے، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ کہتا ہے: **لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی کنت احبتہ، اذا کنت احبتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ، کنت بصرہ**

الذی یبصر به و کنت لسانه یتکلم به و کنت یده التی یبطش بھا و کنت رجله التی یمشی بھا۔

فرماتے ہیں کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعہ سے مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے، نوافل پڑھتا رہتا ہے قریب ہوتا رہتا ہے، نوافل کے معنی ہیں جو فرض سے زائد ہو، بیس رکعت دن رات میں پڑھنا فرض ہے، دو فجر، چار ظہر، چار عصر، تین مغرب، چار عشا اور تین وتر، یہ فرض ہے اور باقی جتنے ہیں وہ سب نوافل ہیں، نوافل کی دو قسمیں ہیں، نفل مؤکد اور نفل غیر مؤکد، باقی سب نفل ہیں، اچھا یہ تو ہوئے نماز کے نوافل، اشراق بھی نوافل ہے، چاشت بھی نوافل ہے، تہجد بھی نوافل ہے، اوابین بھی نوافل ہیں، چار پہلی ظہر کی اور دو بعد کی، چار پہلی عصر کی، دو بعد مغرب اور چار قبل عشا اور دو بعد عشا اور دو بعد وتر، یہ سب بھی نوافل ہیں، صلاۃ التسبیح بھی نوافل میں ہے وغیرہ وغیرہ، اب ایک مہینے کے روزے سال میں فرض ہیں، اور باقی پانچ دن چھوڑ کر سارے دنوں کے روزے نفل ہیں، چالیسواں حصہ مال پر سال گزر جائے تو یہ فرض ہے زکوٰۃ میں دینا اور باقی جو آپ دیتے صدقہ وخیرات، وہ سب نفل ہے، کر سکیے تو عمر میں ایک مرتبہ حج فرض ہے، اور باقی خدا آپ کو توفیق دے اور ہر سال آپ کریں وہ سب نفل ہے، تو آپ نے دیکھا۔ یہ نہیں فرمایا کہ فرائض کے ذریعہ سے مجھ سے قریب ہوتا ہے، فرض تو ڈیوٹی ہے یار! یہ جو تم اور ٹائم کام کرتے ہو اس پہ ملتا ہے بونس، اور ٹائم پر بونس ملتا ہے تو نوافل کے ذریعہ سے بندہ قرب حاصل کرتا ہے اپنے رب کا، قریب ہوتا ہی رہتا ہے، اتنا قریب ہوتا ہے کہ رب فرماتا ہے کہ میں اس سے پیار کرنے لگتا ہوں، وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے، وہ میرا چہیتا ہو جاتا ہے، جب وہ چہیتا ہو جاتا ہے تو اس کی دو تفسیریں ہیں، معنی تو صرف اتنے ہیں کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے بولتا ہے، میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور کمال بے نیازی

سے فرمادیا کہ میں اس کے پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

کیا معنی ہیں؟ معنی یہ ہیں کہ جب میرا بندہ حالت سلوک میں ہوتا ہے۔ حالت شریعت میں ہوتا ہے تو وہ اپنے کان سے میری رضا کے خلاف کچھ سنتا نہیں، اپنی آنکھ سے میری رضا کے خلاف کچھ دیکھتا نہیں، اپنی زبان سے میری رضا کے خلاف کچھ بولتا نہیں، اپنے ہاتھ سے میری رضا کے خلاف کچھ چھوتا نہیں، اپنے پیر سے میری رضا کے خلاف وہ چلتا نہیں۔ یہ تو ہے شریعت، یہ ہے سلوک اور یہ سالک ہے۔ سالک چلتے چلتے ایک ایسی منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ جہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتا وہ، اس کی ساری طاقتیں ختم ہو جاتی ہیں، سالک کا سلوک ختم ہو جاتا ہے، جب سالک کا سلوک ختم ہو جاتا ہے تب ادھر سے قرب کی تجلی واقع ہوتی ہے۔

بغداد میں ایک بزرگ تھے، ان کا نام تھا بہلول دانا، سمندر کے کنارے، دریا کے کنارے ریتی کے مکان بنایا کرتے تھے، چھوٹے چھوٹے گھروندے بنایا کرتے تھے اور دو دو پیسے کے بیچا کرتے تھے، خریدلو، جنت میں مکان دو پیسے میں، خریدلو، جنت میں مکان دو پیسے میں اور ایک لکڑی کا ٹکڑا اپنی دونوں رانوں کے بیچ میں ڈال کر فرماتے: چل مرے گھوڑے ٹک ٹک، چل مرے گھوڑے ٹک ٹک ٹک ٹک۔ ایک دن خلیفہ شہر نے خبر بھجوائی کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، فرمایا تو میں کیا کروں، وہ ملنا چاہتا ہے، میں نہیں ملنا چاہتا، ہوگا کہیں کا خلیفہ؟ ہوگا کہیں کا بادشاہ؟ ہم خود اپنے بادشاہ ہیں، تو ہم نہیں ملنا چاہتے، آکے یہی عرض کر دیا تھا، حضور! وہ دیوانہ کہہ رہا تھا کہ آپ ہی تو ملنا چاہتے ہیں لیکن میں نہیں ملنا چاہتا، لہٰذا نہیں جاؤں گا میں، یہ اللہ والے ہیں، ان کو کون بول سکتا ہے، یہ کسی کی پروا نہیں کرتے، اب بے چارہ بادشاہ بھی خاموش ہو گیا، اب ایک دن بادشاہ اپنے محل میں تھے اور کھڑکی میں بیٹھے ہوئے وہ سیر کر رہے تھے بازار کی، تو دیکھا کہ بہلول نیچے سے وہی اپنا پھٹکا رانوں میں دبائے ہوئے اور اس میں کوڑا لگائے ہوئے، چل میرے گھوڑے! راستہ دو، راستہ دو، بہلول کا گھوڑا آتا ہے، خلیفہ نے دیکھا، کہا:

وزیر اعظم! بڑا اچھا موقع ہے، بہلول دانا آئے ہیں نیچے، چناں چہ کمند ڈالنے والے بلائے گئے، انہوں نے کمند کا گچھا پھینکا، بہلول کی کمر میں وہ پھندا پڑا، پھندا پڑ کے جیسے ڈول کھینچتا ہے ایسے بہلول صاحب کھینچاتے ہوئے اوپر پہنچ گئے محل میں، کہا، کھولو بہلول کو جلدی سے، بہت ناراض تھے، کیوں بلایا تھا مجھے، کہا حضور! مجھے معاف کر دیجیے، میں آپ کو تکلیف نہیں دوں گا، بس ایک بات پوچھوں گا آپ سے، ایک بات پوچھ کے آپ کو روانہ کر دوں گا، کہا: پوچھ، کیا پوچھتا ہے؟ کہا: یہ پوچھتا ہوں حضور! کہ آپ کو خدا کیسے ملا؟ آپ کو خدا کیسے ملا؟ کہا: جیسے میں تجھے ملا، کہا: یہ بات تو سمجھ میں نہیں آئی، کہا: اب سن، اگر میں تجھ سے خود ملنا چاہتا تو ایک فقیر، گدڑی کا اوڑھنے والا جس میں ستر پیوند لگے ہوئے ہیں، میں کہاں اور خلیفۂ بغداد کہاں؟ میں بڑی سفارشوں کے بعد آپ کے کوتوال کے پاس اور کوتوال سے وزیر کے پاس، وزیر سے وزیر اعظم کے پاس پہنچتا، ان سے ہاتھ جوڑتا، پیر پکڑتا کہ مجھے خلیفہ کے سامنے پیش کر دو، تو صاحب بڑی مشکل سے وہ راضی ہوتے اور کہتے: اے گدڑی تو اتار کے آ او دیوانے! یہ گدڑی کے ساتھ جائے گا خلیفہ سے ملنے کے لیے، میں کہیں مانگ کے کسی سے ایک جبہ لاتا، ایک پگڑی لاتا اور باندھ کے مجھے وزیر صاحب لے جاتے ملانے کو، میں حاضر ہوتا تو دس قدم پر کھڑے ہو کر میں سلام عرض کرتا، اور بادشاہ مجھے صرف آنکھ اٹھا کے دیکھتے اور کہتے تھے جو بھی ملنا ہے، ملنا ہو گیا، چلو، مجھے اور بھی ملنا ہے، لیکن جب تمہیں ملنا تھا تو نہ میں نے کوتوال کو درخواست دی، نہ میں نے وزیر کو درخواست دی، نہ میں نے اپنی گدڑی بدلی، نہ میں نے پگڑی باندھی، تم نے رسی میں مجھے باندھا اور کھینچ لیا، ایسے ہی خدا ملتا ہے، یہ کہتے ہی انہوں نے اوپر سے چھلانگ ماری اور چل دیے بہلول دانا۔

تو میں بتا رہا تھا حالت سلوک، حالت سلوک میں سالک اپنی رضا کو گھونٹ دیتا ہے رضائے مصطفی کے آگے، وہ جانتا ہے، کہ اگر رضائے مصطفی مجھے مل گئی تو مجھے رضائے خدا مل جائے گی۔

اللہ!! وادئ صہبا میں خیبر سے لوٹتے ہوئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مرتضیٰ علی کے زانو

پر سر رکھ کر آرام کر رہے تھے، علی مرتضیٰ نے اپنی نماز نہیں پڑھی اور سورج چلا ڈوبنے کو، ارے میاں! یہ ہماری، تمہاری نماز تو ہے نہیں، الصلوٰۃ خیر من النوم، آواز آئی اور تم نے جو ہاتھ نیچے پڑا ہوا تھا اسے اٹھا کے کہنے لگے: یہ بوڑھے کو چین نہیں آتا، جاڑے میں کہتے ہیں الصلوٰۃ خیر من النوم، گرمی میں کہتا ہے الصلوٰۃ خیر من النوم، بارش ہو رہی ہو تو کہتا ہے الصلوٰۃ خیر من النوم، بڑے آدمی! ایک دفعہ کہہ لیا الصلوٰۃ خیر من النوم عمر بھر کے سارے نوم کو ختم کرا دے، صبح کو میٹھی میٹھی نیند خراب کرتا ہے، روز کے روز۔ یہ ہماری نماز نہیں، یہ علی کی نماز ہے، ایسی نماز کہ ایک مرتبہ آپ کی ایڑی پر جہاد میں تیر لگ گیا تو ایسا اٹکا جا کر رگ کے اوپر کہ وقت کے سرجنوں اور جراحوں نے یہ جواب دیا کہ اگر ہوش میں یہ تیر نکالا گیا تو حضرت علی کی جان نکل جائے گی اور کوئی دوا بے ہوشی کی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔

بے ہوشی کا انجکشن بھی ایجاد نہیں ہوا تھا۔ چی میگوئیاں ہو رہی تھیں تو مرضیٰ علی نے فرمایا، تم لوگ کیا بات کر رہے ہو، کہا: حضور! ایک ایسی بات کرتے ہیں کہ یہ تیر نکالنا ہے اور آپ کے ہوش میں نہیں نکالنا ہے، ہوش میں نکالیں گے تو صدمے سے آپ کی جان چلی جائے گی تو فرمایا کہ یہی چاہتے ہو کہ پتہ نہ چلے ہمیں تیر کا، کہا: بس بس یہی چاہتے ہیں، وہ بہت آسان بات ہے، میں نماز میں کھڑا رہوں، سجدے میں جاؤں تو نکال لینا تم، اور یہی ہوا کہ سجدے میں گئے مرتضیٰ علی اور جراحوں نے تیر کھینچ لیا ایسے کہ مرتضیٰ علی کو پتہ نہیں چلا کہ تیر کب کھینچ لیا گیا، ایسی نماز کہ الصلوٰۃ معراج المؤمنین نماز معراج کا جلوہ ہے مسلمانوں کے لیے۔

اب علی مرتضیٰ کے زانو کے اوپر سرور عالم کا سر رکھا ہوا تھا، حضور سو رہے ہیں، علی مرتضیٰ پہلو بھی نہیں بدل سکتے، اللہ اکبر!! یہاں تک کہ آفتاب ڈوب گیا، آفتاب ڈوبا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی، حضور والا نے دیکھا کہ علی مرتضیٰ کے چہرے کے اوپر اضطراب اور بے چینی کے آثار ہیں، ارشاد فرمایا: یا علی، مالی اراک حزینا؟ کیا بات ہے میں تمہیں

پریشان کیوں پاتا ہوں؟ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) **قد غربت الشمس، قد غربت الشمس ولم اصلی العصر الی** الآن۔ حضور! سورج ڈوب گیا اور میں نے ابھی تک نماز عصر نہیں پڑھی ہے، سرور عالم کھڑے ہو گئے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے، عرض کیا: الٰہ العالمین! تو جانتا ہے کہ تیرا علی تیری اور تیرے محبوب کی خدمت میں لگا ہوا تھا، اس کی نماز عصر قضا ہو گئی، اتنا بس حضور کا عرض کرنا تھا کہ پورب سے بجائے پچھّم سے ڈووبے ہوئے آفتاب نے اپنا سر اٹھایا یہاں تک کہ درخت کی پھنگیں اور پہاڑوں کی چوٹیاں اس سے چمکنے لگیں، نماز عصر کا وقت آیا اور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے داماد اور بھائی نے نماز عصر ادا کیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ اس کا کیا نتیجہ ہوا؟ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک دن بڑھ گیا سارے دنوں سے، تین سو پینسٹھ دن کا جو یہ سال ہوتا ہے سورج کا، پورے ۳۶۵ دن کا نہیں ہوتا ہے، یہ ہوتا ہے ۳۶۵ دن اور ۶/ گھنٹے سے کچھ زیادہ، اس کے نتیجے میں، چار سال کے بعد ایک دن بڑھانا پڑتا ہے فروری میں، اٹھائیس کی انتیس فروری ہوتی ہے اور ہندی میں تین سال کے بعد ایک مہینہ ادھک مانگ یا ہمارے یہاں اسے لونگ کا مہینہ ایک دن بڑا ہو جایا کرتا ہے، یا اللہ اکبر!! تو مولیٰ علی نے اپنی نماز قربان کردی سرور عالم کی نیند کے اوپر، میرے اعلیٰ حضرت یوں عرض کرتے ہیں:

(ترنم سے)

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے

سب سے جو اہم اور مؤکد ہے مولیٰ علی نے تری نیند پر اس نماز کو قربان کر دیا، ایک کہنے والے نے اسے بڑے مزے میں کہا۔ درود شریف پڑھ لیجئے۔

علی کے عمل سے یہ ثابت ہوا
کہ اصل عبادت تری بندگی ہے

مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنی رضا کو دبا دیا تھا رضائے مصطفی کے آگے، وہ جانتے تھے کہ نماز جا رہی ہے، نماز چلی گئی ہے، مگر نماز کو لانے والے۔

اللہ اکبر! آپ نے ایک بات غور نہیں کی، سرور عالم نے کیا دعا کی؟ یا اللہ! علی تیری اور تیرے محبوب کی خدمت میں لگا ہوا تھا، بھئی! محبوب سو رہے تھے، علی پر سر رکھے ہوئے تو محبوب کی خدمت تو سمجھ میں آ رہی ہے کہ حضور والا سو رہے تھے، لیکن وہ تو یوں کہہ رہے ہیں کہ علی تیری اور تیرے محبوب کی خدمت میں لگا ہوا تھا، تو محبوب تو سو رہے تھے، ٹھیک ہے انسان ہیں سو رہے تھے، لیکن اللہ کیسے سویا تھا؟ علی کے زانو پر سر رکھ کر، کیا اللہ بھی سو رہا تھا؟ نہیں، نہیں، اللہ تو پاک ہے: اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ اسے نیند آتی ہے، تب کیا مطلب ہے کہ علی تیری خدمت میں لگا ہوا تھا، معنی یہ ہوئے کہ محبوب کی خدمت وہ اللہ کی خدمت ہے۔ اسی گتھی کو اگر یہ وہابی سمجھ جاتے تو ان کا بیڑا پار ہو جاتا، ان کا کلیان ہو جاتا ،لیکن یہ سمجھ نہیں سکے، ان کی یہاں دو چیزیں، اللہ، غیر اللہ، اللہ، غیر اللہ، اللہ، غیر اللہ۔ وہ جو بیچ کا ہے اہل اللہ، اسے بھول جاتے ہیں، دو چیزیں یاد رکھتے ہیں، اللہ، غیر اللہ، اللہ، غیر اللہ، اور اہل اللہ کو بھول جاتے ہیں جو نہ اللہ ہیں نہ غیر اللہ ہیں۔

مردان خدا خدا نہ باشند
لیکن زخدا جدا نہ باشند

مردان خدا خدا نہیں ہوتے، لیکن خدا سے جدا نہیں ہوتے، مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بڑے مزے میں عرض کرتے ہیں: درود شریف پڑھیں۔

دیکھنے میں مصطفیٰ ہو، جانے کیا پردے میں ہو
رحمۃ للعالمیں تم جانے کیا پردے میں ہو
دیکھنے میں مصطفی ہو، حق نما پردے میں ہو
پردے پردے میں تو یہ ہو، ہو جو بے پردہ تو
کیا
یہ بھی اچھا ہے کہ تم نام خدا پردے میں ہو

اللہ کا بڑا کرم ہے کہ وہ بشریت کا پردہ ڈال کر آئے تمہارے پاس، تو کم از کم زیارت تو ہمیں نصیب ہوگئی اگر وہ نور حقیقت میں آتے تمہارے سامنے تو مجال تھی کہ تم انہیں دیکھ لیتے، جبرئیل امین نے یہ کہا: یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم) میں نے کائنات ارضی کے پورب اور پچھّم چھان ڈالے۔ **قلبت مشارق الارض ومغاربها فلم أجد رجلا أفضل من محمد صلی اللہ علیه وسلم**

(الصواعق المحرقة لابن حجر هيتمى، الفصل الثانى، ص: ۵۵۲، ج: ۲)

لیکن میں نے آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا، سبحان اللہ! جبرئیل امین کو ساری کائنات ارضی میں ٹٹولنے کے بعد بھی، ڈھونڈنے کے بعد بھی ان جیسا کوئی نہ ملا، میرے اعلیٰ حضرت اسی مضمون کی حدیث کو نقل کرتے ہیں:

وہ عرض کرتے ہیں۔ (درود شریف)

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پائے کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا

یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، میں نے دنیا کے گلشن کے سارے پھاولے چھان

ڈالے لیکن تیرے پائے کا مجھے کوئی نہیں ملا، تجھے ایک نے ایک ہی بنایا ہے، یہ آئینہ ایسا ہے، نہ کسی محفل میں ایسا آئینہ ہے نہ کسی دوکان آئینہ ساز میں ایسا آئینہ ہے، مولیٰ تبارک وتعالیٰ کی زیر قدرت نہیں کہ دوسرا بن سکے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا۔ اور یہ بے چارے عین عنین قسم کے لوگ، پتہ نہیں کہاں سے، کہاں کی ان کی پیدائش، کدھر سے کہتے ہیں کہ صاحب! حضور ہمارے جیسے معمولی بشر ہیں، کیسے معلوم ہوا، ہمارے جیسے معمولی بشر ہیں، کیا چیز نظر آئی؟ ہمارے جیسے معمولی بشر ہیں، کون سی چیز ہے وہ ہمیں بتائیں، کوئی بھی ایسی چیز بتاؤ کہ جس میں وہ تمہارے جیسے معمولی بشر ہوں، ارے میاں پتہ نہیں ان مولویوں کے پسینے میں کتنی بو ہوگی، توبہ، توبہ، لیکن میرے محبوب کا قول اعظم ہے کہ ایک بی بی صحابیہ حاضر آئیں، انہوں نے عرض کیا، بیٹی کی شادی کررہی ہوں، غریب ہوں، خوش بو کے لیے پیسے نہیں ہیں، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جا، گھر جا، اور ایک بوتل لے آ، وہ شیشی لے کے حاضر ہوئیں، گرمی کا زمانہ تھا، پیشانی اقدس پر پسینہ آرہا تھا، قسم کھا کے کہتی ہیں کہ تین پشتوں تک میری بیٹی کی اولاد سے خوشبو نہیں گئی، اچھا، عجیب سی بات ہے، یہ حدیث میں تمہیں سنا رہا ہوں، یہ حدیث ان کی پوری جمعیت نہیں سنا پاتی نہیں تو بتایئے، قاری طیب نے کبھی یہ حدیث سنائی، ارشاد احمد نے کبھی یہ حدیث سنائی، نہیں نا، کیوں؟ کیوں نہیں سنائی؟ کیا یہ حدیث نہیں تھی کتاب کے اندر؟ کیا اس حدیث کو صحابہ نے روایت نہیں کیا؟ اس لیے نہیں سنائی کہ اگر ہم نے اسے سنا دیا تو ہمارے جیسے بشر والا فارمولہ غلط ہوجائے گا، کیوں کہ ہمارے پسینوں میں تو بد بو آتی ہے اور محمد رسول اللہ کا پسینہ عود سے بہتر ہے ترب تو یک دم بات غلط ہوجائے گی کہ وہ ہمارے جیسے معمولی بشر ہیں، اس لیے نہیں سنائی۔

ابے یہ تو پسینہ تھا، تمہارے جیسے بشر ہیں سب سے نچلی چیز ہے پاخانہ اور پیشاب، تم کیا جانو؟ ارے جیل میں پیدا ہوا، اب پتہ نہیں کہ فقیر کی جھولی میں کس کس نے بھیک ڈالی؟ فقیر کی جھولی کی بھیک کو کوئی جان سکتا ہے؟ مٹھی بھر اس نے روٹی ڈالی، مٹھی بھر اس نے گیہوں ڈالے،

مٹھی بھر اس نے کیا کیا ڈالا، اللہ ہی جانے، کہ روٹی جب اس میں سے نکلی تو گیہوں کی نکلی کہ باجرے کی نکلی؟ مگر سن!! ام ایمن، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی کنیز ہیں، جب آپ کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوگیا مدینہ منورہ کے راستے میں تو یہی حضور والا کو اپنے کندھے سے لگا کر لے آرہی تھیں، مکہ مکرمہ میں ان کے دادا جان کے پاس بڑی محبت کرتے تھے، دوسری ماں کہتے تھے انہیں، بوڑھی ہوگئی تھیں ام ایمن، ضعیفہ تھیں، حضور نے اپنے یہاں انہیں رکھا تھا، رات میں انہیں پیاس لگی تھی، باپ کی کنیز تھیں، بوڑھی ہوگئی تھیں، پیاس لگی تھی تو پانی نہیں ملا، سوچیں کہ سرور عالم صلی اللہ عتالیٰ علیہ وسلم کے یہاں پانی ہوگا، آئیں تو دیکھا کہ ایک چھوٹے سے مٹی کے بدھنے میں پانی رکھا ہوا ہے، بس کیا تھا، پیاس لگی تھی، اٹھا کر پی لیا سب، روز تو نہیں پوچھتے تھے، مگر آج پوچھا، ہماری طبیعت رات کو ناساز تھی، زیادہ سردی میں ہم باہر نہیں نکلے، مٹی کے کوزے میں پیشاب کر کے رکھا تھا کہ پھینک دیا جائے، وہ کہاں گیا؟ ام ایمن بولی: تو وہ پیشاب تھا، کہا: ہاں، کہا: قد شربت ارے وہ تو میں پی گئی۔

تیرے جیسے بشر کا وہ پیشاب ہوتا اور پینے کے وقت ناک کے پاس آتا تو نتھنے میں اس کی بدبو ضرور محسوس ہوتی، حضور نے نہیں فرمایا، ارے بڑی بی، اللہ رحم کرے تمہارے حال پر، تم تو بڑھیا ہو کے سٹھیا گئی ہو، ارے پیشاب پی گئی تم اور مجھ سے پوچھا بھی نہیں، جاؤ، کلی کرو، حلق میں انگلی ڈال کے قے کرو، توبہ توبہ، کیا کیا تم نے؟ فرمایا: اگر کسی نے جنتی بی بی کو دیکھنا چاہتے ہو تو اس کو دیکھو، اور اس کے بعد فرمایا: میں کہتا ہوں ام ایمن تمہیں اب پیٹ کی بیماری کبھی نہیں ہوگی؟

تمہارے جیسے معمولی بشر کا پیشاب پینے سے جنت ملتی ہے؟ کہاں تک چلو گے؟ چلو، چلو آگے جہاں چلنا چاہتے ہو۔ ہمارا انتقال ہوجائے، میری بیوی کے اوپر چار مہینے دس دن کی عدت فرض ہے، بولو کہ یہ مسئلہ جانتے ہو کہ نہیں؟ موت کی عدت فرض ہے چار مہینہ دس دن تک،

چوڑی نہیں پہن سکتی، تیل نہیں لگا سکتی، عطر نہیں لگا سکتی، رنگین کپڑا نہیں پہن سکتی، زیور نہیں پہن سکتی، مہندی نہیں لگا سکتی، آنکھوں میں سرمہ نہیں لگا سکتی، کوئی سنگار نہیں کر سکتی، سوگ کرے گی، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بی بیوں پر کوئی عدت نہیں، میری بیوی میرے مرنے کے چار مہینہ دس دن کی عدت کرنے کے بعد آزاد ہے، چاہے تو اپنا نکاح کسی کے ساتھ کر سکتی ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیویوں کو، حضور والا کی ازواج مطہرات کو اللہ نے حضور والا کی وفات اقدس کے بعد کسی سے نکاح حرام قرار دیا ہے۔ وہ اب بھی ویسی ہی بیویاں ہیں جیسا کہ زمانۂ حیات اطہر میں تھیں۔

چل کہاں تک چلے گا۔ تو کہتا ہے ہمارے جیسے معمولی بشر تھے، اللہ اکبر!! تیرے اوپر چار فریضے ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، تیرے اوپر تہجد نفل ہے، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرض ہے۔ ایک صحابی نماز پڑھ رہے ہیں، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آواز دی، انہوں نے سوچا، میں تو نماز پڑھ رہا ہوں، پھر آواز دی، پھر نہیں بولے، ادھر نماز بھی پڑھ رہے تھے، جلدی جلدی نماز پوری کر کے حاضر ہوئے، عرض کیا: حضور! مجھے معاف کیا جائے، میں نماز پڑھ رہا تھا، اس لیے میں آواز نہیں دے سکا، فرمایا: تو کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ (سورۂ انفال ۸۔ آیت ۲۴)

اے مسلمانو! جواب دو اللہ و رسول کو، جب وہ تمہیں بلائیں۔

چاروں اماموں کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بندے ایک مسلمان کو عین نماز میں بلائیں، فرض ہے کہ وہ نماز کو وہیں چھوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوجائے، حضور فرمائیں، یہ برتن لے جاؤ، بازار سے جا کر دودھ لے آؤ، بازار جائے، دودھ

لائے، پیش کرے، فرمائیں: جا کے حجرے میں دے آؤ، عائشہ صدیقہ کو دے آئے جا کے، پردے کے پیچھے سے آواز دے کر دودھ کا برتن حجرۂ اقدس میں دے، پھر حاضر ہو، حضور! دودھ کا برتن دے آیا، فرمائیں، جا، نماز پڑھ، جہاں سے چھوڑی تھی، وہیں سے شروع کر دے، وہ اب تک نماز میں تھا۔

ابے!! نمبر کی حدیثیں یاد کرنے سے نہیں آتا ہے، یہ تو نمبری ہے، ہاں، دس نمبر کے رجسٹر میں لکھا ہوا ہے نمبر کی حدیثیں رکھ لینے سے وہ کمال کی بات نہیں ہے، کمال کی بات ہے حدیث کا سمجھنا، اس کے الفاظ کا رٹ لینا وہ حدیث کو یاد کر لینا نہیں ہے، رٹ لینا، اس کی مثال ایسی ہے، مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰيةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ یہودیوں کی مثال ہے کہ جو اپنی پیٹھ کے اوپر کجاوہ لادے پھرتے ہیں تورات کا جیسے کہ گدھے کے اوپر لاد دو کتابیں، کیوں جی، گدھے کے اوپر کتابیں لاد دو تو وہ عالم بن جائے گا؟ نہیں نا، اسی کو کہنے والے نے کہا:

چار پائے برو کتابے چند ۔ نہ عالم بود نہ دانش مند

کسی چوپائے پر اگر کتاب لاد دو نہ عالم بنے گا، نہ دانش مند ہے، تو نمبری حدیثیں یاد کر لینے سے فائدہ نہیں ہوتا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ اکبر!! میں ان کی تمہیں کون سی شان بتاؤں، کوئی ایک شان تو بتا دے، نماز جنازہ نہیں ہوئی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، اللہ اکبر!! ہماری تمہاری جیسے نماز پڑھی جاتی ہے، ایسے نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی، جب وفات اقدس ہو، اور جنازہ تیار کر لیا جائے، تو حجرے سے ہمارا جنازہ باہر نہیں جائے گا، پہلے مردوں سے کہنا، وہ آئیں گے، سب باری باری صلاۃ وسلام عرض کریں گے، پھر اس کے بعد بچوں سے کہنا، وہ آئیں گے، صف باندھ کر صلاۃ وسلام عرض کریں گے، اس کے

بعد عورتوں سے کہنا، وہ آئیں گی، صف باندھ کر صلاۃ وسلام عرض کریں گی، چناں چہ اسی طور سے نماز ہوتی رہی، مرد آئے، الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، آپ پر صلاۃ وسلام ہو، آپ نے رسالت کا حق ادا کر دیا، جو آپ کو آپ کے رب کی طرف سے ملا تھا وہ آپ نے ہمیں پہنچا دیا، اور ساتھ ہی سے حضرت علی کھڑے تکبیر کہتے ہوتے جا رہے تھے، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، مرد گئے تو بچے آئے، بچوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر صلاۃ وسلام ہو، آپ نے رسالت کا حق ادا کر دیا، بچے گئے تو عورتیں آئیں الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ!۔

مجھے بتاؤ کہ تمہارے جیسے کسی بشر کے لیے نماز جنازہ ایسے ہوتی ہے، سرور عالم ہی کی یہ شان ہے کہ اگر امت نماز پڑھ رہی ہو جماعت سے، امت کا امام نماز پڑھا رہا ہو جماعت سے اور یکا یک محمد رسول اللہ تشریف لے آئیں تو امت کی جماعت کا امام وہ مقتدی ہو جائے گا، حضور کا، حضور اس کو نماز پڑھائیں گے، وہ باقی قوم کو نماز پڑھائے گا، اللہ اکبر!!

وفاتِ اقدس کے قریب جب سرور عالم نے صدیق اکبر سے کہا، جاؤ ابوبکر! میری جگہ پہ نماز پڑھاؤ، حضرت ابا بکر نماز پڑھا رہے تھے، صفیں لگی ہوئی تھیں، فرمایا: عائشہ! سامنے سے ذرا پردہ ہٹا دو، میں اپنی امت کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں، دیکھا، صف باندھے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں، ابوبکر نماز پڑھا رہے ہیں، چہرے پہ خوشی کھل گئی، فرمایا، ہمیں اٹھا کے لے چلو، کمزوری ہے، اللہ اکبر! آخری بار جماعت سے نماز ادا کر لوں۔

علی جھکے ہیں، کمزوری بہت لاحق ہو گئی ہے، دو آدمیوں کے سہارے سے پہنچے، صف کو پار کرتے ہوئے جب حضرت ابا بکر کے پاس پہنچے، ان کو محسوس ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ رہے ہیں تو ادب سے انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا، فرمایا: تم اپنی جگہ پر رہو، اور ان کے داہنی طرف ذرا سا آگے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھ گئے، حضور والا ابوبکر کو نماز پڑھا رہے تھے اور ابوبکر ساری قوم کو نماز پڑھا رہے تھے۔ تمہارے یہاں بھی ایسا ہو سکتا ہے؟؟

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور والا کے پاس حجرے میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ حضور والا بیٹھ کر عشا کی آخری نفل پڑھ رہے تھے، عشا کی آخری وتر کے بعد جو دو نفل ہے وہ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، تو حضرت عبداللہ ابن عمر نے پوچھا کہ حضور تو فرماتے نفل کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے، اور خود بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں، تو حضرت عبداللہ ابن عمر نے حضرت والا کی پیشانی پر ہاتھ رکھا، ان کا خیال یہ تھا کہ حضور والا کو بخار ہے اس لیے بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں، پوچھا اے عبداللہ ابن عمر! یہ کیا دیکھ رہے تھے تم! کہا: حضور! آپ نے ہمیں ارشاد فرمایا تھا کہ نماز نفل بیٹھ کر جو پڑھے آدھا ثواب پائے اور حضور بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں؟ کیا جواب دیا؟ ایکم مثلی؟ تم میں کا مجھ جیسا کون ہے؟ وہ آدھا اور پورا تمہارے لیے ہے، میرے لیے نہیں ہے، تم میں مجھ جیسا کون ہے؟

اللہ اکبر!! میرے دوست!! ذرا انصاف تو کر۔ اچھا کھلا ہوا سنو!!

حضور نے روزہ رکھا صوم وصال کا، اگر ان عین عنین سے کوئی پوچھے کہ یہ حدیث کی تخریج کہاں سے ہے؟ اس کا نمبر کیا ہے؟ ان شاء اللہ اس کا نمبر اسے بھی معلوم ہوگا، میں چیلنج کرتا ہوں کہ اس کا نمبر اسے بھی معلوم ہوگا، اسی لیے تو کتاب کا نام نہیں لے رہا، اس کا نمبر اسے بھی معلوم ہوگا، کیوں کہ وہ تو رٹائے گئے ہیں، وہ تو جس حدیث کو دیکھتا ہے کہ اس کا ظاہر مضمون سے کھینچ تان کر نہ جانے لے جا کر چھوڑتا ہے۔

تو حضور والا نے رکھ دیا روزہ، کیسا روزہ صوم وصال، نہ افطار نہ سحر، کچھ نہیں، پے در پے، ایسے روزے رکھے ہیں میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، صحابہ کرام نے جب یہ حال دیکھا وہ تو انتظار کرتے تھے کہ حضور کچھ کریں تو ہم کریں، ہم بھی ویسے روزہ رکھیں گے، ارے میاں! ایک ہی دن میں روزہ کھرا گیا سب کا۔

اور ادھر تم رکھے ہو تو کیسا؟ یا اللہ! تیری پناہ، عصر کے وقت سے دسترخوان پر آکر بیٹھتے

ہیں، یہ آم کا کچالو ہے، خربوزہ کٹا ہوا ہے، ارے فلاں کلنگر کا پانی بھی لا کے رکھ، وہ بھی ہے، بھجیے ہیں، ہاں بھجیے بھی ہیں، بھیل پوری بھی ہے؟ ہاں وہ بھی ہے، چنے کی دال بھی رکھی ہوئی ہے، سنترے بھی رکھے ہوئے ہیں اور آپ کے تصور میں یہ ہو کہ پڑوس کا بانگی (موذن) اب کہتا ہے اللہ اکبر، ارے یار! روز تو جلدی کہتا تھا، آج دیر لگا دی، کہہ تو سہی اللہ اکبر!! اور ایک دفعہ اس نے کہا اللہ اکبر اور صاحب ادھر حملہ۔ بے تحاشا کھائے جا رہے ہیں کہ اتنے میں ناڑا ڈھیلا کرنے کی نوبت آجاتی ہے۔

کیوں کہ ناڑا کسا رہے تو نوالہ کم جاتا ہے، ناڑا ڈھیلا کیا اور پھر اس کے بعد تو چل کہ میں آیا، تو چل کہ میں آیا، میاں وہاں نماز بھی ہوگئی اور نماز کے بعد امام صاحب نے تحریمہ باندھ لی، ثنا اور تعوذ پڑھ کر انہوں نے فاتحہ پڑھ کر سورت بھی ملا لی، پہلی رکعت ہوگئی، ادھر افطار پہ افطار چل رہی ہے، ایسا افطار کرتے کرتے ناک تک افطار بھر گیا، ناک تک جب افطار بھر گیا تو جیسے پھولا ہوا مرا گدھا ہوتا ہے ایسے لمبے لمبے پڑ گئے پلنگ کے اوپر، بیوی سے کہہ دیا کہ سنتی ہو، اب کوئی کام ہم سے نہ ہو سکے گا۔ دو کام کرا لو، یا تو روزہ رکھوا لو، یا تراویح پڑھوا لو، اور لمبے پڑ گئے، لمبے پڑ کے بھولے نہیں، وہیں سے لیٹے لیٹے کہا: ارے یہ تو بتا، سحری کے لیے کیا تیار کیا ہے؟ یا اللہ! بیوی نے جب گنایا، کہنے لگے، اری تجھ پر خدا کی مار، یہی تو ایک مہینہ آتا ہے، کہ جس میں مسالے دار آئٹم کھانے کو ملتا ہے۔

ارے بیوقوف مرغ کا چوزا بھاننا بھول گئی اور پھرنی کا پیالہ بھول گئی اور نالائق تھوڑی سی ڈبل روٹی دودھ میں بھگو دی ہوتی، اور وہ میرا گاجر کا حلوہ کدھر گیا؟ یا اللہ، یہ ہے ہمارا روزہ، اللہ، اللہ، وہ روزے کے نام پہ کیا کیا پکوان کھاتے ہیں اور یہ حضور کا روزہ ہے، حضور کا روزہ ہے، نہ افطار نہ سحر۔

اب جو صحابہ نے ایسا روزہ رکھا تو نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ان میں کے جو بوڑھے تھے وہ تو گھروں میں پڑے رہ گئے اور جوان میں کے درمیانی عمر کے تھے وہ جناب بیٹھ کر گھسیٹتے ہوئے

آئے اور جو جوان تھے، وہ ہاتھوں میں لکڑیاں لے کر ٹیکتے ہوئے پہنچے مسجد میں، جماعت کم ہوگئی، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت کیا: ارے بھائی! یہ جماعت کیوں کم ہوگئی! لوگ کیوں نہیں آئے جماعت کے لیے، عرض کیا: یارسول اللہ! صمنا کصومک صوم الوصال، آپ کے روزے کی طرح ہم نے بھی روزہ رکھ لیا ہے، اور دوسرے ہی دن ہمارے تو نیارے ہوگئے، فوراً گئے منبر پر، پہلا لفظ یہ فرمایا: ایھا الناس! ایکم مثلی؟ تم میں مجھ جیسا کون ہے؟ میں رات اپنے رب کے پاس گزارتا ہوں، وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، تم راتیں اپنے گھروں میں گزارتے ہو، تمہاری بیویاں کھلاتی اور پلاتی ہیں، وہ تم نے نہیں کھایا، پیا تو تمہارا روزہ تمہیں اڑ گیا اور میں اپنے رب کے پاس جو کھاتا اور پیتا ہوں وہ مجھے نہیں اڑا، اس محفل کے اندر حضرت ابا بکر موجود تھے، حضرت عمر موجود تھے، حضرت عثمان موجود تھے، حضرت علی موجود تھے، عبداللہ بن زبیر موجود تھے، سعد بن ابی وقاص موجود تھے، سعید بن زید موجود تھے، عبد الرحمن ابن عوف موجود تھے، عبیدہ ابن جراح موجود تھے، خالد بن ولید موجود تھے، ان کے مجمع میں فرمارہے ہیں، تم میں میرے جیسا کون ہے؟ مجھے بتاؤ، ابوبکر ان کے جیسے نہ ہوئے، عمر ان کے جیسے نہ ہو پائے، عثمان ان جیسے نہ ہوئے، علی ان جیسے نہ ہوئے اور یہ چودھویں صدی کا میم سے ملّا ان جیسا کیسے ہوگیا؟ بس ہمیں اتنا ہی پوچھنا ہے، اس سوال کا جواب ڈیڑھ سو برس سے ہم پوچھ رہے ہیں، جب سے یہ برساتی مینڈک پیدا ہوئے ہندوستان میں، ڈیڑھ سو برس سے ہمارے پڑھے علما یہ ان سے سوالات پوچھتے چلے آرہے ہیں، مجھے بتاؤ، اس محفل میں ابوبکر صدیق اکبر موجود تھے، فاروق اعظم موجود تھے، عثمان غنی ذوالنورین موجود تھے، سیف اللہ خالد بن ولید موجود تھے، ان سے حضور فرمارہے ہیں، تم میں مجھ جیسا کون ہے؟ ابوبکر جب ان جیسے نہ ہو پائے تو تو ان جیسا کیسے ہوگیا؟ کیسے تیرے منہ پر یہ بات آئی کہ ہمارے جیسے معمولی بشر ہیں؟ استغفر اللہ!

میرے دوستو!! پھر کہہ لیجیے وہ جو شیخ سعدی نے فرمایا ہی:

یاصاحب الجمال ویاسید البشر   من وجھک المنیر لقد نور القمر

لایمکن الثنا کما کان حقہ   بعد از ا خدا بزرگ تو ی قصه مختصر

سیدھی بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کے بعد جو ہستی مطہر و معظم ہے وہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔

میرے دوستو، میرے بھائیو!! تو میں کہہ رہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کے الویائے کرام وہ اپنا سب کچھ تج دیتے ہیں، اپنی رضا کا گلا گھونٹ دیتے ہیں رضائے مصطفی حاصل کرنے کے لیے، اب اس کے بعد سالک سے وہ مجذوب ہوجاتے ہیں، تنہا مجذوب کی بات نہیں کررہا ہوں۔ تنہا مجذوب کامل نہیں ہوتا، سالک بھی کامل نہیں ہوتا، مجذوب بھی کامل نہیں ہوتا، کامل کون ہوتا ہے؟ سالک ہونے کے بعد جو مجذوب ہے، وہ کامل ہوتا ہے، اللہ اللہ۔

جب بندہ مجذوب ہوکر اللہ کی طرف کھینچ جاتا ہے، اللہ اسے کھینچ لیتا ہے تب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کا کان میں ہوجاتا ہے وہ مجھ سے سنتا ہے، ایسے کی آنکھ میں ہوجاتا ہوں وہ اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتا، میری آنکھ سے دیکھتی ہے، اس کی آنکھ کی جگہ، میرا کان سنتا ہے اس کے کان کی جگہ، میرا منہ بولتا ہے اس کی زبان کی جگہ، میرا ید قدرت نکلتا ہے اس کے ہاتھ کی جگہ، اور کمال بے نیازی میں یہ کہا کہ میں اس کے پیر ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر تشریف فرما ہیں، ایک دفعہ چلائے، **یاساریہ! الجبل، الجبل**، لوگوں نے کہا ساریہ۔ ساریہ تو نہاوند کے میدان میں ہیں، وہ یہاں کہاں ہے؟ سپہ سالار لشکر اسلام حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو نہاوند کے جنگل میں ہیں اور حضور فرمارہے ہیں **یاساریہ! الجبل الجبل**؟ اے ساریہ! پہاڑ سے ہوشیار رہو، پہاڑ سے ہوشیار رہو، پھر فرمایا:

یاساریه! الجبل، الجبل، ساریہ! پہاڑ سے ہوشیار ہوجاؤ۔ اور ادھر ساریہ لڑ رہے ہیں، اپنے لوگوں کو لڑا رہے ہیں لڑائی پر، کہ اتنے میں آواز آتی ہے، امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پکار رہے ہیں: **یاساریه! الجبل الجبل**، لوگوں سے کہتے ہیں، ارے امیر المؤمنین تشریف لے آئے، انہیں بلالاؤ، جاؤ انہیں آرام سے خیمے میں لائے، لوگ گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں، نہیں تو، دور دور بھی امیر المؤمنین کا پتہ نہیں ہے، کہا: میرے کان میں ان کی آواز آئی، بالکل ایک دفعہ نہیں، دس دفعہ آواز آئی، **یاساریه! الجبل، الجبل**، اچھا دیکھو، اس پہاڑ پہ جا کر دیکھو، اس پہاڑ کے پیچھے کیا ہے؟ پہاڑ پر تیزی سے لوگ گئے تو دیکھا کہ دشمن کا ایک دستہ پہاڑ کے پیچھے سے اوپر آرہا ہے، مسلمان سامنے سے لڑتے رہے اور یہ دشمن پیچھے سے آکر مسلمانوں کی پیٹھ پر چھرا گھونپ رہا ہے۔

یہ نقشہ دیکھا تھا مدینہ منورہ سے سرکار عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔ اللہ اکبر!! کہاں مدینہ؟ اور کہاں نہاوند؟ کیا تم نے حدیث نہیں پڑھی؟ ارے کون سی کتاب میں ہے؟ سیرت ابن ہشام بھی نہیں پڑھی، تم نے بخاری بھی نہیں پڑھی، ارے بخاری یہ کیسے پڑھ سکتے ہیں، بخار آتا ہے، تم بخاری کیسے پڑھو گے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم میمونہ ام المؤمنین کے گھر بیٹھے ہوئے ہیں، حضور یکا یک فرما رہے ہیں: لبیک، لبیک۔ لبیک کے معنی میں حاضر، جیسے تم پکارتے ہو یس سر! تو لبیک کے معنی ہیں حاضر، اب ان کو یہ خیال ہوا کہ حضور نے کس سے کہا: حاضر، کس سے کہا، ہاں، کس سے کہا جی، فرمایا: جو میں سنتا ہوں وہ تم نہیں سنتے، جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے، جو میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے، بنو خزاعہ کے اوپر قریش کی طرف سے مصیبت پڑی ہے، ان کا پکارنے ولا مجھے پکار رہا ہے وہ میں سن رہا ہوں، اور دور سے تیز اونٹنی کا سوار آپہنچا، کہا: بے شک میں نے کل دوپہر کے وقت آپ کو پکارا تھا۔ مدینہ منورہ مکہ معظّمہ سے پونے تین سو میل ہے، دلائل الخیرات شریف

کی شرح ہے مطالع المسرات، اس میں علامہ محمد بن محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: سدرۃ المنتہیٰ سے جبرئیل چلے سرور عالم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے، اپنے سدرہ، اپنے مقام سے جو زمین سے کتنا دور ہے؟ زمین سے پہلا آسمان پانچ سو برس کا راستہ ہے، پہلے آسمان کے یہ کنارے سے وہ کنارے کا راستہ پانچ سو برس کا، تو ایک آسمان ایک ہزار برس پر، پھر دوسرا آسمان ایک ہزار برس پر، تیسرا آسمان ایک ہزار برس میں، چوتھا آسمان ایک ہزار برس میں، سات آسمان سات ہزار برس کا راستہ اور برس یہ نہیں تین سو پینسٹھ دن والے، نہ، ایک دن تمہارا ایک ہزار برس کی طرح اور اتنی مدت پوری کر کے ساتویں آسمان کے کنارے پر ہے سدرۃ المنتہیٰ اور وہاں رہتے ہیں جبرئیل، وہ وہاں سے اترے اور محمد رسول اللہ کو ان کی خوش بو آئی کہ جبرئیل آرہے ہیں، اللہ، اللہ۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: شب برأت میں، شعبان میں، اور شب قدر میں آسمانوں کے دروازے کھلتے اور بند ہوتے ہیں، آسمانوں کے دروازے کے کھلنے اور بند ہونے کی چرچراہٹ میں زمین سے سنتا ہوں۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لوح محفوظ میں اللہ کا قلم چلتا ہے تو قلم کے چلنے میں جو چٹ چٹ آواز نکلتی ہے میں اسے زمین پر بیٹھ کر سنتا ہوں۔ تم میں بھی ہے کوئی ایسا بشر؟ ارے تمہارے جیسے بشروں کو تو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ تمہارے اپنے قلم چلانے میں وہ جبرئیل کو سنا کرتے ہیں زمین پر بیٹھ کر، اور پھر بکواس کرتے ہو کہ وہ ہمارے جیسے معمولی بشر ہیں، اب یہاں وہ عجیب بات کہتے ہیں بھئی جو آواز نکلتی ہے وہ بھی تم نہیں سن پاتے، حضرت یونس مچھلی کے پیٹ میں گئے تو انہیں جب معلوم ہوا کہ میں نے غلطی کی ہے تو انہوں نے وہاں اللہ سے توبہ کی، **لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظّٰلمین**، جب یہ دعا پڑھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا، کردے قے، تو قے کردی مچھلی نے تو اس میں سے حضرت یونس نکل پڑے، اب اس

کے بعد بے پر کی بات لگائی، وہاں پہ خواجہ کی چھٹی تونہیں کی انہوں نے، غوث پاک حضرت یونس کے زمانے میں کہاں تھے؟ کہ وہ چھٹی کرتے یا گیارہویں کرتے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یونس نبی ہیں، غوث پاک ولی ہیں، ہر نبی ولی سے افضل ہوا کرتا ہے، تو وہ ولی کو پکارتے؟ اس احمق کو کون کہے؟ مگر یہ ہے کہ جب کان پور میں جا کے ہمارے لوگوں نے پکڑا تو کہا کہ میں جاہل ہوں، میں تو جاہل ہوں میں جاہلوں میں پیدا ہوا، میرا کنبہ پورا جاہل ہے، تو جب آپ لوگ کہتے ہیں کہ میں جاہل ہوں تو یہ رسول اللہ کے منبر پر کیوں چڑھ جاتے ہیں بے تکی باتیں کرنے کے لیے، تو کہا کہ یہ میرے ساتھ جو بیٹھے ہوئے ہیں یہ سب جاہل ہیں بس جاہلوں میں بٹھا دیتے ہیں میں بیٹھ جاتا ہوں، اورانہیں بتانے لگتا ہوں اب بتایئے کیا سوال کیا جائے، ایک نئی بات اٹھائی کہ حضرت خواجہ کی چھٹی حضرت یونس نے نہیں منائی، اناللہ وانا الیہ راجعون!!!

اور اپنی کتاب کے اندر تو سارے سنیوں کو وہ یہودی لکھتا ہے، میری طرف سے، آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی طرف سے وہ کتاب مردود ہو رہی ہے، اب ان شاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب، ایک آخری چیز رہ گئی ہے ہائی کورٹ میں اپیل دائر کریں گے، پوری قوم اہل سنت کی انسلٹ کی ہے، اب مجھے بتاؤ صاحب، ہم اتحاد کے لیے پھر رہے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے مسلمانوں میں آپس میں اتحاد ہو، یہاں تک صاحب! مسلم پرسنل لا کے موقع پر، اگر چہ میں مسلم پرسنل لا میں شریک نہیں ہوا، ان کے جلسے میں، لیکن میں نے دیکھا کہ اسلام کا موقف تھا، قرآن کا موقف تھا تو میں نے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی تجویز جو شہید اعظم کانفرنس کے موقع پر یہاں ہوئی تھی وہ میں نے انہیں بھجوادی، میں نہیں شریک ہوں گا، لیکن میں اپنی تجویز بھجوا رہا ہوں، حالاں کہ وہاں سب وہابی ہی وہابی تھے۔

یہ ہمارا انصاف ہے اور تم اس طرح سے ہمارا دل دکھاتے ہو، ہمارا دل دکھاتے ہو، میں جانتا ہوں میں جانتا ہوں۔ ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

ورنہ حقانی کی بھی اتنی مجال نہیں تھی کہ وہ پورے گروہ سے گروہ کے سامنے سینہ تان کراتا، ہم جانتے ہیں کہ اس کی پیٹھ پہ کس کا ہاتھ ہے، لیکن وہ ہاتھ رکھنے والے بھی یہ خیال کرلیں، وہ یہ سوچ لیں کہ ؎

بترسد آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کرد
اجابت درحق بہر استقبال می آید

کہتے ہیں کہ مظلوم کی آہ سے ڈرو کیوں کہ جب مظلوم آہ کرتا ہے تو عرش معلٰی سے اللہ کی طرف سے قبولیت آتی ہے اور اسے گود میں لے کے جاتی ہے۔

تو یاد رکھو کہ مظلوم کی آہ جب بھی بلند ہوتی ہے عرش سے جا کر ٹکراتی ہے، بے شک اگر تمہاری پیٹھ کے اوپر حکومت کا ہاتھ ہے اور تم حکومت کے ہاتھ کے اوپر بل بلا رہے ہو، تو ہمیں اور ہمارے پاس تو ایک ہی حکومت ہے اور وہ حکومت ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی، ہم اپنی فریاد اپنے آقا کے سامنے عرض کریں گے، یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو انسان کے بس میں تھا وہ ہم نے کیا، لیکن ہم حکومت نہیں تھے، ہم سلطنت نہیں تھے، اس کی پیٹھ پر حکومت نے اپنا ہاتھ رکھا تھا، حکومت کے بل کے اوپر وہ کود رہا تھا، لیکن میں اس آفیسر کا نام جانتا ہوں، آپ کے یہاں اس افسر کا نام جانتا ہوں جو اس کی پیٹھ تھپتھپا رہا ہے، ہم اس کے روبرو کہہ چکے ہیں کہ جب تک ہمارا پیمانۂ صبر لبریز نہیں ہوتا ہے، نہیں ہوتا ہے، اور اگر پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو خدا نہ خواستہ ایسا نہ ہو کہ ہم انسانیت کا دامن کھو بیٹھیں، کیوں، اس لیے کہ بلی کو جب یہ یقین ہو جاتا ہے کہ شیر جب پنجہ مار ہی دے گا تو بلی پھر یہ نہیں دیکھا کرتی کہ میں کمزور ہوں میں، چھوٹی سی ہوں، میں ننھی سی ہوں، میں شیر کا مقابلہ نہیں کر پاؤں گی، پھر وہ، لوٹ کھاتی ہے شیر کے منہ کے اوپر چاہے ماری کیوں نہ جائے۔ نہیں، ہم سب برداشت کر سکتے ہیں، میں تو یہی بات اس کے روبرو کہہ آیا تھا کہ جناب والا! قاری طیب آتے ہیں، مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولوی ارشاد احمد آتے ہیں مبلغ دارالعلوم دیوبند، وغیرہ وغیرہ مولوی ابوالقاسم صاحب

آتے ہیں، کب آپ کے پاس کوئی شکایت آئی ہماری طرف سے؟ حالاں کہ اسکول چھاپ ان کا بدلا ہوا، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ فاتحہ ناجائز ہے، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یارسول اللہ کہنا بدعت ہے، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ گیارہویں بارہویں بدعت ہے، لیکن وہ اپنے انداز سے کہتے ہیں کہتے رہتے ہیں، ان کو اپنے پر چار کا ادھیکار آپ نے دیا ہے تو ہم کو اپنے پر چار کا ادھیکار ہے، ہم ان کا رد اپنی تقریر میں کردیتے ہیں لیکن ہم آپ کے پاس شکایت لے کے نہیں آتے، کیوں آئیں ہم ان کی شکایت لے کر؟ اس لیے آئے کہ جب یہ کہنے پر آتے ہیں تو جو کہی ہوتی ہے وہ کہتے ہیں اور ان کہی ہوتی ہے وہ بھی کہتے ہیں، بے پونے کا پردہ لگا کر جب یہ ان کہی کہتے ہیں تو ہمارے دل کٹ جاتے ہیں، بھلا یہ کوئی بات ہوئی، جس پہ وہ توبہ کرچکے ہیں کہ غوث اعظم اور اللہ میاں میں کشتی ہوئی یہی تو کہا تھا جس کے اوپر ان سے توبہ لی گئی۔

اب یہاں پر اگر تم کہتے کہ حسین اپنے بچوں کو نہیں بچا سکے، تو تمہیں کیا بچائیں گے، یہ تمہارے یہاں کا عقیدہ ہے، کہتے رہو، ہم اس کا رد کریں گے، لیکن اگر تم کہو کہ حسین اپنے گھمنڈ میں مارے گئے، بہت اترا کے چلے تھے، کہ ہم نواسۂ رسول ہیں، اس لیے قتل کردیے گئے۔ جب تم یہ کہو گے تو ہمارا دل کٹ جائے گا، یہ قاری طیب نہیں کہتے یہ مولوی ارشاد احمد نہیں کہتے، یہ مولوی ابوالوفا نہیں کہتے، یہ مولوی ابوالقاسم نہیں کہتے، یہ تو کہتا ہے نابکار، تو جاہل، اجہل، جہل کی پیدائش، یہ تو کہتا ہے۔

میرے دوستو! میں تمہارے جذبات نہیں بھڑکانا چاہتا، میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، بڑے کام کی بات ہے، ایک شخص نے بلیک بورڈ کے اوپر ایک لکیر کھینچی، اور لکیر کھینچ کر کہا: کہ اس لکیر کو نہ تو کاٹنا نہ مٹانا، اس کو چھوٹا کر کے دکھایا جائے تو پھر کیسے دکھایا جائے گا؟ ایک عقل مند آیا، چاک لے کر آیا، اس نے کیا کیا، اس کی لکیر کے برابر اونچا ہاتھ اٹھا کر ایک لمبی لکیر کھینچی، اور کہا: میں نے تمہاری لکیر کو چھوٹا کر کے دکھا دیا تو اس لیے نہ میں نے اسے مٹایا، نہ کاٹا، اپنی لکیر میں نے بڑی بنادی۔ بس یہی میں تم سے کہتا ہوں۔ ان کی لکیر کو کاٹو مت، اسے مٹانے کے

در پے مت ہو، اپنی لکیر کو لمبی بنادو، آپس میں اتحاد قائم کرلو تنظیم آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے، گنبد خضریٰ کے پرچم کے نیچے اپنی ساری سنیت کو یکجا کردو۔

میں نے کہا تھا، ایک شخص نے اعتراض کردیا ہمارے اوپر، اس نے ہم سے کہا، کہ وہ گنبد خضریٰ میں سنی جمعیۃ العلماء کے پرچم میں جو آپ نے رنگ دیے ہیں یہ کانگریس کے جھنڈے سے لیے ہیں، میں نے کہا: اگر انھوں نے ہم وفادار حسن و حسین سے پہلے لیے ہوں تو؟ بولو جی، حسن و حسین پہلے ہیں، یا کانگریس کا جھنڈا پہلے ہے؟ نہیں نا، حسن و حسین کے دو رنگ ہے، امام حسن کو زہر دیا گیا تو ان کے سارے بدن کا رنگ ہرا ہوگیا، ان کا خلعت ہرا ہے، اور امام حسین فرات کے کنارے جب بھوکے ٹھہرائے گئے تو ان کا سارا بدن سرخ ہوگیا، تو میں نے کہا یہ سرخ اور سبز دو رنگت مشہد سبطین نے دی ہے۔

یہ سرخ و سبز رنگت مشہد سبطین نے دی ہے
علم حسنین کا پرچم ہمارا یارسول اللہ!
نہ کیوں اعلیٰ ہو یہ پرچم نہ کیوں اونچا ہو یہ پرچم
کہ زینت جس کی ہے گنبد تمہارا یارسول اللہ!
جلال قبہ خضریٰ کے آگے خم ہوا پہلے
اٹھا کے سر کو پھر پرچم پکارا یارسول اللہ!
کسی کی جے وجے ہم کیوں پکاریں کیا غرض ہم کو؟
ہمیں کافی ہے سید بس ہمارا یارسول اللہ!

بس۔ اب صلاۃ وسلام



سورۂ فاتحہ

یاایھاالذین اٰمنو اصلو اعلیہ و صلو اتسلیما

(درود شریف)

کسی عام آدمی سے آپ پوچھیے، ایک اور ایک کتنے؟ تو وہ کہے گا کہ ایک اور ایک دو، اور کسی بھوکے آدمی سے پوچھئے جو تین دن کے فاقے سے ہو، اسے روٹی کا ٹکڑا نہ ملا ہو بھلے آدمی! ایک اور ایک کتنے؟ تو کہے گا دو روٹی، بات کیا ہے اصل میں، حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے تصور میں جو چیز بسی ہوتی ہے، آدمی کے تصورات وتخیلات، آدمی کا ذہن اور آدمی کا دماغ جس حقیقت کے گرد گھومتا رہتا ہے، وہ ہر وقت اس کے سامنے موجود رہتی ہے، ایک اور ایک تمہارا دو، یہ اس آدمی کے سامنے تو ہوسکتے ہیں جو بھوکا نہ ہو، لیکن بھوکا تو یہی کہے گا کہ ایک اور ایک کے معنی دو روٹی، کیوں کہ اس کے ذہن پر روٹی چھائی ہوئی ہے، اس کے دماغ میں روٹی بسی ہوئی ہے، اس کا دل روٹی کے گرد چکر کھا رہا ہے۔

قرآن پاک سمجھ لیجئے۔ ایک مسلمان اپنے دین کا بھوکا ہے، مسلمان اپنے دین کے گرد چکر کھاتا ہے، مسلمان کے دل ودماغ کے اوپر اس کا دین بسا ہوا ہے، نتیجہ اس کا یہ ہے کہ کھاتا ہے تو دین، پیتا ہے تو دین، چلتا ہے تو دین، سوتا ہے تو دین، بیٹھتا ہے تو دین، کھڑا ہوتا ہے تو دین، شادی میں دین، ولیمے میں دین، ہنسنے میں دین، رونے میں دین۔ یہ مسلمان کا اصل کرتب اور اصل کردار ہے، اب اس بارے یں ہمیں کہنے دیجئے کہ شاید دنیا کے اندر ایک ہی قوم مسلمان

ہے جو اپنے دین کے ساتھ ایسی لٹکی ہوئی ہے، ایسی وابستہ ہے کہ مسلمان کی زندگی اور موت ساری کی ساری دین ہے، آج ایک مسلمان اگر امام حسین کی شہادت کے بیان کی محفلیں کرتا ہے، تو اس کے سامنے دین ہوتا ہے، اگر ایک مسلمان گیارہویں میں سرکار غوث اعظم کی کرامتیں بیان کرتا ہے تو اس کے سامنے دین ہوتا ہے، ہر برس ایک مسلمان اپنی مسجدوں میں تراویح کا انتظام کرتا ہے تو اس کے سامنے دین ہوتا ہے، ایک مسلمان جہاز پر احرام باندھ کر مکے کی طرف چلتا ہے تو اس کے سامنے دین ہوتا ہے، مٹھی بھر جَو ایک سامنے بیٹھے فقیر کو دیتا ہے تو اس کے سامنے دین ہوتا ہے، آج محرم کی یہ مجلسیں جو ہمارے اور تمہارے سامنے گرم ہیں کوئی اس کا مطلب کچھ سمجھے یا نہ سمجھے لیکن میں تو یہ سمجھنا چاہتا ہوں اور سمجھانا چاہتا ہوں کہ ہمارا مطلب اس پوری مجلس میں دین ہے اور دین کے سوا کچھ نہیں، ہم سراپا دین ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ان مجلسوں، ان محفلوں کے ذریعہ سے ہمارا وہ پیارا دین جس پر قربان ہوگئے تھے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا، ہمارا وہ دین ان مجلسوں میں بڑھے، پلے، پھولے اور پھلے، شکریہ ادا کیجیے آپ ان محفلوں کے قائم کرنے والوں کا اور دعا کیجیے کہ انہوں نے منڈپ میں جو صرف کیا ہوگا، اور لاؤڈ اسپیکر پر جو انہوں نے خرچ کیا ہوگا، بجلی پر جو انہوں نے صرف کیا ہوگا، اپنے عالم کی خدمت میں انہوں نے جو نذر پیش کی ہوگی، یہ تقریباً اٹھارہ سو روپے کی ایک معمولی سی مثال ہوگی، اب اس کے بعد آپ کو انہوں نے دعوت دی ہے اٹھارہ سو روپے میں آپ سننے والوں کا کوئی حصہ نہیں ہے، آپ سے نہ انہوں نے ایک روپیہ مانگا ہے نہ دو روپے مانگے ہیں، آپ سے تو صرف اتنا کہا ہے کہ محفل ہم جماتے ہیں، لاؤڈ اسپیکر ہم لاتے ہیں منڈپ ہم باندھتے ہیں، عالم کو ہم بلاتے ہیں، تمہارے بیٹھنے کا انتظام ہم کرتے ہیں، تمہیں صرف اتنا چاہئے کہ دین کے نام پر آؤ اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر سنو۔

ان محفلوں میں جب ہم اور تم جمع ہیں، تو اللہ ہمیں تمہیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم یہاں سنیں اور سننے کے بعد دین کی اچھی باتوں پر عمل کریں۔

آج کی محفل میں میں نے بہت سوچا کہ کیا بیان کروں، آج شروع سال کی شروع رات ہے، امام عالی مقام کی محفلوں کی پہلی محفل ہے یہ اور میں اس محفل میں آج پہلا بیان کر رہا ہوں، لہٰذا میں نے ایسے صفحے پر قرأت کھولا اپنی محفل میں بیان کرنے کے لیے تو قرآن کی پہلی صورت سورہ فاتحہ میرے سامنے آئی، لہٰذا آج سورۂ فاتحہ تمہیں سنائیں گے، سورۂ فاتحہ تمہیں پڑھائیں گے، اور ہم تمہیں بتائیں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فاتحہ میں کتنی بڑی کرامتیں اور فاتحہ میں کتنی بڑی عظمتیں اور رحمتیں پنہاں فرمائی ہیں، شرط یہ ہے تم درود شریف پڑھتے رہو اور میں تمہارے سامنے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرنے کے بعد اس کے مطلب بیان کروں۔

سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی بڑی مبارک ومقدس سورت ہے، ساری سورتیں قرآن میں اور بھی ہیں، لیکن قرآن کی ساری سورتوں میں کسی کا ایک نام ہے، کسی کا دو نام ہے، کسی کے تین نام ہیں، لیکن سورۂ فاتحہ ایسی مبارک اور مقدس صورت ہے کہ جس کے متعدد نام ہیں، اس کا نام سورۂ فاتحہ اس لیے ہے کہ قرآن جب شروع ہوتا ہے تو سورۂ فاتحہ پہلے آتی ہے، فتح کے معنی کھولنے کے ہیں، تو قرآن کھولا جاتا ہے سورۂ فاتحہ کے اوپر، اس سورت کا نام سورۂ دعا، کیوں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہترین ایک دعا جو ہمیں تعلیم فرمائی ہے۔

اسی بات سے آپ ملاحظہ کیجئے کہ سنیوں کی مسجدوں میں، سنی کے امام اور سنی مقتدی جب دعائے ثانی مانگتے ہیں تو کہتے ہیں ''الفاتحہ'' ایک اس کا نام ہے سورۃ السوال، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت کے ذریعہ سے ہمیں اپنے سے سوال کرنے کا طریقہ بتایا ہے اور ہمیں یہ بتایا ہے کہ جب تم ہم سے مانگو تو کیسے مانگو؟ اس سورت کا ایک نام ہے سورہ شافیہ، یعنی ہر مرض سے شفا دینے والی، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: موت کے سوا ہر مرض کی دوا ہے سورۂ فاتحہ، اس کا ایک نام سورہ کافیہ یعنی ہر کام میں کام آنے والی سورت ہے، آپ اتنا سمجھ لیجئے کہ جیسے سمندر کو کوزے میں بند کیا جاتا ہے ایسے پورا قرآن سورۂ فاتحہ کے اندر بند ہے، گویا کہ آپ نے سارا قرآن نہ پڑھا تو سورہ فاتحہ پڑھ لی، حمد اس میں ہے، نعت اس میں ہے، عبادت اس میں

ہے، دعا اس میں ہے، محبوبوں کی تعریف اس میں ہے، مردودوں کی مذمت اس میں ہے، سارے قرآن میں جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے بھرا تھا وہ سب سورۂ فاتحہ میں نازل فرمادیا گیا، سورۂ فاتحہ کا ایک نام سورۃ الحمد یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے اپنی حمد کرنے کا سلیقہ سورۂ فاتحہ کے ذریعہ ہمیں سکھایا ہے، سورہ فاتحہ کا ایک نام ہے خطبۃ الکتاب یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے سورہ فاتحہ کو سب سے پہلے قرآن میں نازل کیا ہے جیسے کتابوں کا خطبہ سب سے پہلے ہوتا ہے، یا جمعہ میں نماز سے پہلے خطبہ پڑھا جاتا ہے، نکاح میں پہلے خطبہ پڑھا جاتا ہے ایسے ہی سورہ فاتحہ قرآن میں سب سے پہلے خطبہ کی جگہ میں ہے۔

سورۂ فاتحہ کے چند فضائل بھی آپ کے سامنے پیش کروں۔

حضرت سید الکبار الصحابہ ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے، میں یہ حدیث سنا رہا ہوں، تفسیر بیضاوی نے سورہ فاتحہ میں تفسیر کشاف میں سورۂ فاتحہ میں، تفسیر مدارک میں سورۂ فاتحہ میں، ان کتابوں سے میں تمہیں یہ حدیث سنا رہا ہوں، سیدنا ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک فرشتہ جو کبھی نہیں آیا تھا ہمارے پاس، اللہ تبارک وتعالیٰ سے اجازت لے کر آیا سلام کے لیے، اللہ اکبر!! کیا دربار ہے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کہ حضور والا کے دربار میں فرشتے سلام کی اجازت لے کر حاضر آیا کرتے ہیں، الٰہ العالمین! ہمارا جی چاہ رہا ہے کہ ہم تیرے محبوب کو جا کر سلام پیش کرآئیں، تمہیں معلوم ہے کہ فرشتے ہر وقت عبادت کرتے رہے ہیں، مولیٰ تبارک وتعالیٰ اس کی تڑپ دیکھ کر محبوب کے سلام کی اسے اجازت دیتا ہے، فرمادیتا ہے کہ اتنی دیر تمہاری عبادت یہ ہے کہ تم میرے محبوب کے اوپر سلام بھیجا کرو، الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ! ایک فرشتہ سلام کے لیے حاضر ہو رہا ہے اور اس نے سلام کرنے کے بعد عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میں آپ کو خوش خبری دینا چاہتا ہوں، فرمایا: کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟ کہنے لگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں دو چیزیں ایسی آپ کو عطا فرمائی ہیں جو نہ

انجیل میں ہیں نہ توارت میں ہیں، انہوں نے فرمایا: وہ کیا چیزیں ہیں؟ کہا: پہلی ان میں کی ہے سورۂ فاتحہ اور دوسری اس میں سے ہے خواتیم سورۂ بقرہ، سورۂ فاتحہ کی یہ سات آیتیں اور سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں، اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون، یہ وہ آیات کریمہ ہیں کہ ان جیسی نہ توارت میں ہیں نہ انجیل میں اور نہ زبور میں ہیں۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ عزاسمہ نے سورہ فاتحہ دے کر ہمارے اوپر جو کرم فرمایا ہے ہم اس کا شکر نہیں ادا کر سکتے۔

دوسری حدیث بتاتا ہوں، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کسی گاؤں پر، کسی قریے پر، کسی قصبے کے اوپر گناہوں کا بوجھ بہت آجاتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتگان عذاب کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ اور اس گاؤں کے اوپر ہمارا عذاب انڈیل دو، فرشتگان عذاب چلتے ہیں، عذاب کی گٹھریاں لے کر چلتے ہیں اور جوں ہی چاہتے ہیں کہ اس گاؤں کے اوپر عذاب کی گٹھری الٹ دیں، یکا یک اس گاؤں سے ایک آواز آتی ہے: **الحمد للہ رب العالمین، الرحمن الرحیم ملک یوم الدین، ایاک نعبد و ایاک نستعین، اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیھم، غیر المغضوب علیھم ولا الضالین**۔ یعنی ایک پڑھنے والا سورہ فاتحہ پڑھ دیتا ہے اس گاؤں میں، مولیٰ تبارک وتعالیٰ فرشتگان عذاب سے ارشاد فرماتا ہے: لوٹ آؤ وہاں سے، عذاب لے کر واپس آجاؤ، مت ڈالنا عذاب ابھی اس قصبے پر، کیوں کہ ابھی ایک فاتحہ کا پڑھنے والا اس میں موجود ہے، فاتحہ کا ایک پڑھنے والا جب تک گاؤں کے اندر موجود ہے اس وقت تک اس گاؤں پر عذاب الٰہی نازل نہیں کیا جا سکتا، چالیس برس کے لیے عذاب اٹھا لیا جاتا ہے، چالیس سال کے لیے اس گاؤں سے عذاب کو اٹھا لیا جاتا ہے۔

اسی واسطے ہمارے جو بزرگ گزر گئے ہمارے اسلاف کرام اللہ کی رحمتیں ہو ان پر، یہ ہم سے پردہ فرما گئے، انہوں نے ہماری اچھائی کے لیے بہی خواہی کے لیے جو کام کیے ہیں آج ہمیں ان کے اوپر سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہیے، یہ جو انہوں نے محفلیں جاری فرمادیں۔ تیجے کی محفل

ہے، چہلم کی محفل ہے، زیارت کی محفل ہے، گیارہویں کی محفل ہے، بارہویں کی محفل ہے، نماز کے بعد دعائے ثانیہ کی محفل ہے، یہ سب انہوں نے اس لیے بتائیں کہ ان میں سورہ فاتحہ پڑھا جاتا ہے تا کہ کبھی اگر ایسا ہو کہ اللہ کا عذاب نازل ہو رہا ہے مثلاً ایک محلے یا ایک گاؤں کے اوپر اور ہم سنیوں کو تعلیم کر دیا ہے کہ تم فاتحے دیا کرو، ہوسکتا ہے کسی کے باپ کا فاتحہ ہو، کسی کی ماں کا فاتحہ ہو، کوئی غوث اعظم کا فاتحہ دے رہا ہو، کوئی اپنے پیر کا فاتحہ دے رہا ہو، اب جب فرشتے آئیں عذاب لے کر، ادھر اس نے پڑھا فاتحہ، اور اُدھر مولیٰ نے فرمایا فرشتے واپس آجاؤ، ابھی وہاں فاتحہ کا پڑھنے والا موجود ہے۔

آپ ملاحظہ کیجیے کہ ہماری محفلیں ہمارے بزرگوں نے ہماری بھلائی کے واسطے ایجاد فرمائیں، ہماری یہ محفلیں اس لیے ایجاد فرمائیں تا کہ عذاب الٰہی سے دور رکھا جائے، تو اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے ہم سے عذاب کو سورۂ فاتحہ سے دور فرمادیا اور سورۂ فاتحہ کی وجہ سے ہمارے اوپر سے عذاب کو واپس فرمادیا گیا تو یہ مجلسیں جنہوں نے سورہ فاتحہ ہمیں سنائیں اور سنا کر عذاب کو ہم سے دور کیا، یہ مجلسیں جاری رکھنا چاہئیں یا بند کر دینا چاہئے؟ عام طور سے یہ کہا جائے گا کہ جب ان مجلسوں کے ذریعہ ہم سے عذاب الٰہی دور کیا جاتا ہے تو ان مجلسوں کو ہم پر جاری رکھنا چاہئے، ان مجلسوں کا بند کرانے والا، ان مجلسوں کو بند کرنے والا ہماری اچھائی نہیں چاہتا ہے کہ وہ یقیناً ہماری برائی کا خواہاں ہے۔ (درود شریف پڑھیے باآواز بلند)

مجھے وہ بات یاد آرہی ہے، سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام ہوں، ان کی غلامی پر فخر کرتے ہوئے عرض کر رہا ہوں، کہ الہ العالمین! میں جمع کرتا ہوں اور تو پراگندہ کرتا ہے، سرکار غوث اعظم نے بھی ایسے ہی عرض کر دیا تھا، شاید ہے ان کے صدقے وسیلے وطفیل میں ذرا سا وقت مل گیا ہے تو تھوڑا سا میں بیان ہی کر لوں، میں منماڑ میں ابھی پچھلے زمانے گیا تھا، وہاں میری تقریر تھی، میں بیان کر رہا تھا، کہ دنیا کے اندر کئی قومیں ہیں جو اپنے پاس پڑھنے کو اہم اہم چیزیں رکھتی ہیں، کسی کے پاس اوراشلوک ہیں، کسی کے پاس توارت وانجیل کی آیتیں اور ورق

ہیں، اور وہ اپنی نمازوں اور دوسری عبادتوں میں پڑھا کرتی ہیں، بھارتیوں کے پاس بھی کچھ فقرے ہیں وہ یہاں کی پوجا میں انہیں پڑھا کرتے ہیں، تو میں نے ایک بات کہی ان سے کہ بھائی! ایک بات کرو، یہ تو سب کہتے ہیں کہ ہمارا دین اچھا ہے، تم کہتے ہو تمہارا دھرم اچھا ہے، کیوں کہ ہر شخص اپنی چیز کو اچھا ظاہر کرتا ہے، لیکن ایک بات میں عرض کردو کہ کہنے سے تو کام نہیں چلتا، جب تک تمہارے پاس کسوٹی نہ ہو اس کی مکمل، ہم کسوٹی پیش کرتے ہیں تمہارے پاس، ہمارے پاس اللہ کے فضل سے بہت کسوٹیاں ہیں، لیکن ایک کسوٹی ہم تمہیں ایسی دے رہے ہیں کہ جو عوام، خواص، جاہل، بچہ، بوڑھا، ہر ایک کی سمجھ میں آجائے، کہا جاتا ہے کہ دنیا میں اس وقت دنیا میں تقریباً پچاس کروڑ مسلمان بستے ہیں، یعنی پچاس کروڑ ایسے انسان بستے ہیں جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں، پچاس کروڑ ایسے انسان بستے ہیں جن کے اوپر پانچ وقت نماز پڑھنا فرض ہے، اچھا، جانے دیجئے، آج کل نماز کی طرف لوگوں کی رغبت نہیں ہے، مان لیجئے کہ پچاس کروڑ کے پچاس کروڑ نمازی نہیں ہیں، بہت کم کرکے کہہ رہا ہوں، کہ پچاس کروڑ نہ سہی، لیکن پچاس کروڑ میں سے یقینا ایک کروڑ مسلمان نمازی ہیں ساری دنیا کے اندر، میں ساری دنیا کی بات کررہا ہوں، ساری دنیا میں ایک کروڑ ضرور ایسے مسلمان ہیں جو پنج گانہ نماز پڑھتے ہیں۔ ان کی کوئی نماز قضا نہیں ہوتی، اچھا، یہ بات مسلم ہے، اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں، اب دوسری بات یہ سنیے کہ دن رات میں بیس رکعتیں نماز کی یقینا پڑھی جانا چاہئیں، سنتیں چھوڑ دیجیے، نفلوں کو چھوڑ دیجیے، لیکن فرضوں کی بیس رکعت، دو فجر کے، چار ظہر کے، چار عصر کے، تین مغرب کے، چار عشا کے اور تین وتر، یہ بیس رکعتیں ہیں نماز کی جو دن رات میں یقینا پڑھی جانا چاہئیں، اور آپ کو معلوم ہے کہ ہر رکعت میں نماز کی ایک بار سورۂ فاتحہ ضرور پڑھی جاتی ہے، فجر کی نماز میں دو دفعہ پڑھتے ہیں سورۂ فاتحہ، ظہر کی چار میں چار مرتبہ پڑھتے ہیں، عصر کی چار میں چار مرتبہ، مغرب کی تین میں تین دفعہ پڑھتے ہیں، عشا کی چار میں چار مرتبہ پڑھتے ہیں اور وتر میں تین مرتبہ پڑھتے ہیں، تو گویا کہ ہر دن رات میں بیس مرتبہ سورۂ فاتحہ بھی ایک مسلمان کو پڑھنا

چاہئے، ہم نے یہ فرض کیا تھا کہ ایک کروڑ مسلمان نمازی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک دن کے اندر بیس کروڑ مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، کم از کم سورۂ فاتحہ ایک دن رات میں سارے عالم میں دہرائی جاتی ہے، بیس کروڑ مرتبہ کو آپ تیس دن سے ضرب دیجئے اور حاصل ضرب کو تین سو پیسٹھ دن سے ضرب دے دیجئے تو آپ کو یہ چیلنج کرنے کا موقع ہاتھ آئے گا کہ آپ اقوام عالم سے کہہ دیجئے آؤ، اے ہندو! آؤ، اے عیسائیو! آؤ، اے فارسیو! آؤ!، اے یہودیو! آؤ، ہم مسلمان تمہارے چھوٹے بڑے کو وارننگ دیتے ہیں چیلنج کرتے ہیں، تمہارے مقابلے میں دعویٰ کرتے ہیں، ہم تمہارے مقابلے میں اعلان کرتے ہیں، ہم تمہیں بتانا چاہتے ہیں، اے ہندو! وید کے تم ایک اشلوک کا ایک منتر، زبور، توریت اور انجیل کی ایک کوئی آیت، کوئی ایک فقرہ ہمارے مقابلے میں لاکر دکھاؤ جو دن رات میں بیس کروڑ مرتبہ روزانہ دہرایا جاتا ہو، ایک رات دن کے اندر بیس کروڑ مرتبہ اس کی تکرار کی جاتی ہو، بیس کروڑ مرتبہ اسے ریپیٹ کیا جاتا ہو، بیس کروڑ مرتبہ وہ پڑھا جاتا ہو، ہے تمہارے وید میں کوئی منتر؟ ہے تمہارے توریت وانجیل میں کوئی آیت؟ ہے تمہاری یگ وید میں کوئی فقرہ؟ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ باور کرلیجئے، وشواش کیجئے اس بات کا اقوام عالم میں کوئی ایک بھی قوم کے پاس وہ چیز نہیں ہے جو **الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین، ایاک نعبد وایاک نستعین، اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم، غیر المغضوب علیھم ولا الضالین،** کی صورت میں ہم مسلمانوں کے پاس ہے، غلامان محمد رسول اللہ کے پاس ہے، ہم حسین کے غلاموں کے پاس ہے، ہم غوث اعظم کے چاکروں کے پاس ہے، ہم خواجہ کے مریدوں کے پاس ہے، الحمد للہ رب العالمین! ہم دعوے سے کہتے ہیں اور جس کسی کو ہمت ہو ہماری اس دعوے کو آکر توڑ دے، ہم کھلا ہوا دعویٰ کرتے ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا، آپ نے غور کیا کہ یہ تبلیغ کا راستہ، اسلام کی تبلیغ ایسے کی جاتی ہے، اسلام کی تبلیغ لٹھ سے نہیں کی جاتی، کہ تو مسلمان ہوجا ورنہ میں لٹھ مارتا ہوں تیرے سر کے اوپر،

ایسے اسلام کی تبلیغ نہیں ہوتی ہے، اسلام کا شربت بناؤ، اسلام کا جام تیار کرو، اسلام کی غذا بناؤ اسلام کا پھل تیار کرو، اور اسلام کی مٹھائی تیار کرو اور جام سے جام نبھاؤ، کبھی اس جام کا نام قادری جام رکھو غوث اعظم کے نام پر، کبھی کسی پیالے کا نام چشتی پیالہ رکھو خواجہ اجمیر کے نام پر، کبھی کسی بوتل کا نام حسین کی بوتل رکھو امام حسین کے نام پر، اور ان سب کو ملا کر نام رکھو، شراب محمد رسول اللہ، شربت محمد رسول اللہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ تو ان شاء اللہ! یہ وہ نشہ نہیں ہے جسے ترشی اتار دے، یہ نشہ جب محبت سے چڑھتا ہے تو پھر کبھی اترتا نہیں ہے۔

(باآواز بلند درود شریف)

تم نے غور کیا سورۂ فاتحہ پر، ایسی سورت مبارکہ ہے واللہ العظیم!! سارے اعمال میں ایک عمل ہے سورۂ فاتحہ کا، میں تمہیں وہ عمل بھی تعلیم کیے دیتا ہوں، خدانخواستہ تمہارے گھر میں اگر کوئی بیمار ہو، آپ کے گھرانہ کا یہ عمل ہے، اسے اچھی طرح سے یاد رکھو، اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ موت کے سوا ہر بیماری کا علاج ہے، ہمارے گھر میں کوئی بیمار ہے اس بیمار کے لیے تمہیں مل سکیں تو سات مسلمان مرد، عورت، سات مسلمان مرد، عورت نہ مل سکیں تمہیں تو پانچ مسلمان مرد، عورت، پانچ مسلمان مرد، عورت بھی تمہارے پاس نہ آئیں تو تین مسلمان مرد، عورت، تاکہ جماعت کا عدد پورا ہو جائے، یہ سب مل کر سات سو مرتبہ سورۂ فاتحہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ مریض کے سر کے گرد بیٹھ کر پڑھو، سات آدمی ہیں تو ایک ایک آدمی ایک سو مرتبہ پڑھے، پانچ آدمی ہیں تو ایک سو مرتبہ ہر آدمی پڑھیں اور باقی کے دو سو کو تقسیم کرلو، بہرحال جتنے آدمی ہیں سات سو کو برابر تقسیم کرلو، اور تقسیم کر کے سورۂ فاتحہ پڑھو، ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں، ان کی برکت سے اللہ عزوجل اس مریض کو ضرور شفا عطا فرمائے گا۔

◆◆◆

کربلا کا مسافر

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا فضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و نشھد ان سیدنا محمد عبدہ و رسولہ بالھدیٰ و دین الحق ارسلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم و بارک علیہ و علیٰ اٰلہٖ و اصحابہ اجمعین۔

امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَ کُمْ تَطْھِیْرًا۔

صدق اللہ العلی العظیم و بلغنا النبی المولی الکریم و نحن علیٰ ذلک لمن الشاھدین۔

یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و آل سیدنا محمد و بارک و سلم

شہادت کا موضوع بیان کرنے سے پیشتر مناسب یہ ہے کہ حضرت شہید اعظم سیدنا امام عرش مقام حسین علی جدہ الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مختصر سوانح پاک تمہارے کانوں تک

پہنچادیں، سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ تیسرے امام ہیں ابو الائمہ سبط اصغر حضور سید البشر، لقب مبارک سید وشہید اور کنیت شریف ابو عبداللہ ہے، حضور کے القاب اور بھی ہیں اور سب میں اعلیٰ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمائے۔

بیعت وطریقت وخلافت حضرت والا کو اپنے والد ماجد امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے تھی۔

ولادت مبارک:

اپنے برادر اکبر حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت شریف کے پچاس راتوں بعد عمل میں آئی اور شعبان سن ۴ ہجری کی پانچویں تاریخ منگل کے دن مدینہ منورہ میں ولادت باسعادت ہوئی، حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے کان میں اذان دی اور ان کے منہ میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور اس کے بعد دعائیں دیں، ساتویں دن حسین نام رکھ کر عقیقہ میں ایک مینڈھا ذبح کیا اور حضرت سیدنا بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔ ان کے سر کے بال منڈوا کر اس کے برابر چاندی صدقہ دے دو۔

مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

جب حضرت امام حسن پیدا ہوئے، سید عالم تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرے بیٹے کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا؟ میں نے عرض کیا: حرب، فرمایا: بلکہ وہ حسن ہے، پھر جب امام حسین پیدا ہوئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لائے، فرمایا: میرے بیٹے کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا؟ میں نے عرض کیا: حرب فرمایا نہیں، بلکہ اس کا نام حسین ہے، اسی طرح جب تیسرے صاحب زادے ہوئے، حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: میرے بیٹے کو دکھاؤ، تم نے اس کا کیا نام رکھا؟ میں نے عرض کیا: حرب فرمایا نہیں بلکہ وہ محسن ہے، ایک روایت میں اس قدر اور بھی ہے کہ پھر فرمایا:

میں نے ان کے نام حضرت سیدنا ہارون علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحب زادوں شبیر وشبر ومشبر کے نام پر رکھے ہیں۔

ہمارے جد امجد حضور سیدنا شاہ حمزہ مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب مستطاب فص الکلمات میں فرماتے ہیں:

جب امام حسین پیدا ہوئے، حضرت جبرئیل امین نے سیدنا ہارون نبی اللہ کے دوسرے صاحب زادے کے نام پر ان کا نام شبیر رکھا، زبان عرب میں شبیر کا معنی ہیں حسین، لہٰذا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی نام مقرر فرمادیا۔

اور عمران بن سلیمان سے یہ روایت ہے فرماتے ہیں کہ حسن وحسین دونوں اہل جنت کے ناموں میں سے ہیں اور اہل عرب نے زمانۂ جاہلیت میں کسی کا یہ نام نہیں رکھا اور مفضل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ناموں یعنی حسن وحسین کو چھپا کر رکھا تھا، یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ان دونوں صاحب زادوں کے یہ نام رکھے، ذات اقدس حضرت امام کی مجمع البرکات، مخزن شریف وکالات، محاسن صوری ومعنوی فضائل ظاہری وباطنی کے جامع تھی، مولیٰ علی فرماتے ہیں امام حسن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینے سے لے کر سر تک سب سے زیادہ مشابہ تھے اور امام حسین سینے سے پاؤں تک سب سے زیادہ اشبہ تھے، اس واقعے کو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ان دو شعروں میں ارشاد فرماتے ہیں:

درود شریف پڑھئے: **اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد و آل سیدنا و مولانا محمد و بارک وسلم**

ایک سینے تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیا نور کا
صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا

صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں
خط تو اَم میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا
اے رضاؔ یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

چہرۂ مبارک ایسا چمکتا تھا کہ لوگ اس کی روشنی میں راہ چلا کرتے تھے، بہت سے صحابہ کرام مثلاً امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم، امیر المؤمنین مولیٰ علی، حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعود، رضی اللہ تعالیٰ عنہم راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین جوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں۔

مزید ارشاد فرمایا: حسن کے لیے میری ہیبت اور سیادت ہے اور حسین کے لیے میری جرأت اور بخشش، یہ بھی فرمایا: حسن اور حسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ دوست رکھتا ہے اس کو جو دوست رکھے حسین کو، یہ بھی فرمایا سرور عالم نے: حسن وحسین سبط ہیں اسباط میں سے۔ فرماتے ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: میرے اہل بیت میں سے محبوب تر مجھے حسن اور حسین ہیں، یہ بھی ارشاد فرمایا: جس نے حسن وحسین کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا۔ اور جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو امام حسین کا لعاب چوستے دیکھا جیسے آدمی کھجور کو چوستا ہے، دونوں صاحب زادے حضرات حسنین اپنے جد کریم علیہ ثم علیہا الصلوٰۃ والتسلیم کے سامنے کشتی کھیل رہے تھے، حضور اقدس نے امام حسن سے فرمایا: حسین کو پکڑو، سیدنا زہرا بتول نے عرض کیا: یارسول اللہ! حضور بڑے سے فرماتے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑو، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فاطمہ! یہ ہیں

جبرئیل، جو حسین سے کہہ رہے ہیں کہ حسن کو پکڑو۔

ایک بار سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت بی بی عائشہ کے کاشانۂ مبارک سے جاتے ہوئے بتول زہرا کے دولت خانہ مبارک پر سے گزرے کہ امام حسین کے رونے کی آواز سنی تو حضرت فاطمہ سے فرمایا: کیا تم نہیں جانتی کہ ان کا رونا مجھے اذیت دیتا ہے۔

سرکار امام عالی مقام کی سیرت مبارکہ:

حضرت امام عالی مقام اپنے جد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کریم کے مظہر اور پرتو تھے، علم وعمل، زہد وتقویٰ، جود وسخا، شجاعت وبہادری، اخلاق ومروت، صبر وشکر، حلم وحیا وغیرہ صفات مرضیہ وکمالات پسندیدہ میں بوجہ کمال، انصاف ومہمان نوازی، غربا پروری، اعانت مظلوم، ایصال رحم، انعام فقرا ومساکین میں شہرہ آفاق تھے، بہت بڑے فاضل دین دار، کثرت سے نماز، روزہ اور حج ادا کرنے والے پچیس حج پیادہ پا ادا فرمائے، حالاں کہ حضور کی عمدہ عمدہ سواریاں آگے آگے خالی لے جائی جارہی تھیں یعنی آپ کو کوئی پیدل چلنے کی مجبوری نہ تھی۔

ایک شخص امام حسن کی خدمت میں اپنی کسی حاجت کی مدد چاہنے کے لیے حاضر ہوا، امام حسن خلوت میں اعتکاف میں تھے، لہٰذا عذر کرادیا کہ نہ مل سکوں گا، پھر وہ امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے اس کی حاجت پوری فرمائی اور فرمایا: اللہ کے لیے کسی کی حاجت پوری کر دینا مجھے مہینہ بھر کے اعتکاف سے زائد پسند ہے۔

ایک بار ایک سفر میں ایک بڑی بی نے حضرت کو اپنی بکری کا کچھ دودھ پلایا تھا، پھر اس کا کچھ گوشت بھی کھلایا، کچھ عرصے کے بعد جب وہ بڑھیا قحط سالی سے پریشان حال مدینہ منورہ میں حاضر خدمت ہوئی تو سرکار امام حسین نے اسے ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار عطا فرمائے، معرکہ کربلا یعنی واقعہ شہادت میں حضرت امام نے جس صبر وضبط، جس استقامت ورضا بالقضا، جس اعتماد علی اللہ، جس اتباع شریعت غرا، جس استقامت امر بالمعروف ونہی عن

المنکر، جس مادی طاقتوں اور دنیاوی قوتوں سے بے خوفی اور قوی مقتدر جل جلالہ کی عون وقوت پر توکل اور ظالموں کے ہر طرح کے سخت ترین مظالم برداشت کرنے کے باوجود بھی نہایت استقلال سے کامل اعلان کے ساتھ اظہار حق اور فاسق وفاجر کی اتباع وتعظیم واعانت سے کامل بیزاری واجتناب وغیرہ فضائل حمیدہ وصفات پسندیدہ کا روشن ثبوت اور اپنے جد کریم علیہ ثم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی امت کو زریں سبق اور ان کی دین ودنیا دونوں کو سنوارنے اور آراستہ کرنے والی درخشاں تعلیم حضرت امام عالی مقام نے دی، وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے، جس کی شرح وبسط کے لیے بڑی بڑی کتابیں بھی ناکافی ہیں، احادیث کی روایت کے بارے میں سیدنا امام عالی مقام خوردسال تقریباً سات برس کے تھے جب حضور سید الانام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے وصال فرمایا پھر بھی آپ کو چند ارشادات حضور اقدس سے بلا واسطہ سنے ہوئے یاد تھے اور آپ نے روایت بھی فرمائی، اصحاب سنن وغیرہ محدثین نے اپنی کتابوں میں آپ کی کچھ حدیثیں تخریج کی ہیں۔

آپ اپنے والدین کریمین مولیٰ علی، حضرت سیدتنا فاطمہ زہرا، اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ، امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واسطے سے بھی سرکار دوعالم سے حدیث روایت کرتے ہیں، اور آپ سے احادیث کے راوی آپ کے بڑے بھائی حضرت سیدنا امام حسن، حضرت ابوہریرہ، آپ کے صاحب زادے امام زین العابدین اور آپ کی صاحب زادیاں حضرت فاطمہ وسکینہ اور آپ کے پوتے امام محمد باقر اور شعبی وعکرمہ وشیبان الاولی وکنز التمیمی وغیرہم ہیں۔

امام ابن حجر مکی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز ''صواعق محرقہ'' میں آپ کے پوتے حضرت سیدنا امام علی موسیٰ رضا کے واسطے سے آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں، جس کی سند یہ ہے، **قال الامام علی الرضا حدثنی ابی موسیٰ الکاظم عن ابیہ جعفر الصادق عن ابی محمد**

الباقر عن ابیہ زین العابدین عن ابیہ الحسین عن ابیہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم قال: حدثنی حبیبی وقرۃ عینی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: حدثنی جبرئیل قال: سمعت رب العزۃ تبارک وتعالیٰ یقول: فرماتے ہیں کہ امام احمد نے فرمایا کہ اگر میں اس سند کو پاگل پر پڑھ کر دم کردوں تو اس کا جنون جاتا رہے، وہ حدیث یہ ہے کہ رب العزت تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

''لا الہ الا اللہ حصنی فمن قالہا دخل حصنی ومن دخل حصنی امن من عذابی''

لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے، جس نے یہ کہہ لیا، وہ میرے قلعے میں داخل ہوگیا اور جو میرے قلعے میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے امن میں ہوگیا۔ بعضوں نے کہا کہ وہ حدیث یہ تھی:

''الایمان معرفۃ بالقلب واقرار باللسان وعمل بالارکان'' یعنی تمام وکمال پورا پورا ایمان دل سے تصدیق ومعرفت، زبان سے اس کا اقرار اور ارکان دین پر عمل کرنا ہے۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں: شاید یہ دو واقعے ہوں یعنی امام علی رضا نے یہ دونوں حدیثیں روایت فرمائی ہوں، حضرت سیدنا امام حسین نے اپنے خلف ارشد آل عبا حضرت سیدنا امام زین العابدین سجاد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کہنے سے ایک کتاب مرأۃ العارفین نامی تالیف فرمائی، جس میں عالم سعید یعنی حضرت انسان اور عالم کبیر کی باہمی مطابقت دکھائی ہے۔

ہمارے جد امجد حضرت اسد العارفین سیدنا شاہ حمزہ عینی قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فص الکلمات میں اس کا ذکر فرمایا اور بطور نمونہ اس کی یہ عبارت بھی نقل فرمائی ہے جو ہم تبرک کے لیے اصل عربی زبان میں تمہیں سنا رہے ہیں، حضرت امام فرماتے ہیں: **کل مافی القلم مجمل فھو فی روحہ مجمل وکل مافی اللوح مفصل فھو فی قلبہ مفصل وکل مافی العرش مفصل فھو جسمہ مفصل وکل مافی الکرسی مفصل فھو نفسہ مفصل فمن عرف نفسہ فقد عرف ربہ وعرف جمیع الاشیاء ویفکرک یا ولدی فیک یکفیک فلیس شئی**

خارجا عنک، اما تسمع کیف یقول الحق سبحانه وتعالیٰ اقرأ کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا فمن قرأ ھٰذا الکتاب فقد علم ماھو کان وماھو یکون فان لم یقرأ تمامه فاقرأ واما تیسر منه، الا تری فکیف یقول تعالیٰ: سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انه الحق وکیف قال وفی انفسکم افلاتبصرون۔

درود شریف: اللھم صل علی سیدنا محمد وآلہ وبارک وسلم

امام عالی مقام کی ایک بار حضرت امام حسن سے کسی بارے میں گفتگو آئی اور درمیان میں کچھ رکاوٹ پیدا ہوگئی، لوگوں نے عرض کیا کہ امام حسن آپ کے بڑے بھائی ہیں، آپ تشریف لے جاکر انہیں منا لیجیے، فرمایا: میں نے سنا ہے اپنے جد کریم سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہ جن دو شخصوں میں کچھ شکر رنجی ہوجائے، پھر ان میں کا ایک دوسرے کو منا لے تو جو اس میں پہل کرے گا وہی جنت میں پہلے جائے گا اور میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ اپنے بڑے بھائی پر جنت کے داخلے میں پہل کروں حضرت کا یہ فرمانا امام حسن کو پہنچا، وہ خود تشریف لے آئے اور انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو گلے لگا کر راضی کرلیا۔

ایک بار امام حسین نے خطبہ فرمایا اس میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! رغبت کرو اچھی صفتوں کی طرف اور دوڑو غنیمتوں میں، اس نیکی میں اجر کی امید نہ رکھو جس میں تم نے جلدی نہ کی یعنی نیکی کرنے میں جلدی کرو، دیر نہ لگاؤ، دین لین سے تعریف ومدح مت کماؤ، ناجائز وباطل باتوں سے نام آوری مت چاہو، جان لو، نیکی حمد کماتی ہے، اور آخرت میں اجر لاتی ہے، پھر اگر تم نیکی کو کسی آدمی کی صورت میں دیکھ سکتے تو بے شک تم اسے اس طرح دیکوھ گے کہ وہ بہت حسین ہے جسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور اگر برائی کو آدمی کی صورت میں دیکھو تو بے شک اسے مکروہ صورت اس ہیئت میں دیکھو گے کہ دل اس سے نفرت کریں اور آنکھیں اس سے بند ہوجائیں۔ اے لوگو! جس نے داد ودہش کی وہ سردار ہوا اور جس نے بخل اور کنجوسی کی وہ ذلیل وخوار ہوا، بے

شک بڑا سخی وہ ہے جو اسے دیتا ہے جس سے کچھ امید نہیں رکھتا اور بڑا درگزر کرنے والا وہ ہے جو باوجود بدلہ لینے اور سزا دینے پہ قدرت رکھنے کے معاف کردیتا ہے، بڑا اصلہ رحم کرنے والا وہ ہے جو اس سے جوڑتا ہے جس نے اسے توڑ دیا اور اپنے بھائی سے کوئی نیک سلوک صرف اللہ کو خوش کرنے کے لیے کرتا ہے، اللہ اسے اس کی حاجت کے وقت کفایت کرتا ہے اور اس سے زائد بلائیں دور فرماتا ہے، اب جو اپنے بھائی سے کوئی دنیا کی مصیبت دور کرتا ہے اللہ اس سے آخرت کی مصیبت دور فرماتا ہے اور جو بھائی سے نیک سلوک کرتا ہے اللہ اسے نیک بدلہ دیتا ہے اور بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

فرماتے تھے امام حسین: تمہاری طرف لوگوں کی حاجتیں بھی اللہ کی نعمت ہے تمہارے اوپر، پھر اگر نعمتوں سے تم غمگین ہوجاؤ اور ان سے گران بار نہ ہو کہ وہ تم پر عتاب ہوجائیں، یہ بھی فرماتے تھے کہ تحمل، زینت، وفاداری مروت اور صبر نعمت اور بہت مال ہونا بے برکتی ہے اور جلدی کرنا بے وقوفی ہے اور بے وقوفی ضعف وکمزوری ہے۔ حد سے گزر جانا ہلا کی ہے، کمینوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شر ہے، فاسقوں، بدکاروں کی مجالست تہمت میں ڈالتی ہے، جو اپنے بھائی کو کسی نیکی کے پہنچانے میں جلدی کرے گا کل جب وہ اپنے خدا کے سامنے آئے گا تو اس نیکی کو وہاں پالے گا۔

حضرت کے ایک صاحب زادے کا انتقال ہوگیا، حضرت اس سے کچھ ایسا رنجیدہ ہوئے کہ جس پر لوگوں نے اعتراض کیا: فرمایا: ہم اہل بیت اللہ سے مانگتے ہیں، جب وہ ہمیں عطا فرماتا ہے، پھر جب اللہ نے ہماری محبوب چیزیں میں اس کا ارادہ فرماتا ہے جو ہم پر گراں ہو تو ہم اللہ کی قضا پر راضی رہتے ہیں۔

ایک دن آپ نے رکن کعبہ سے چمٹ کر یہ دعا کی: یا اللہ! تو نے نعمت دی تو تو نے مجھے شکر گزار نہ پایا، اور تو نے مجھ پر بلائیں ڈالیں تو تو نے مجھے صبر کرنے والا نہ پایا، پھر بھی ناشکری کے باوجود تو نے مجھ سے اپنی نعمت نہ چھینی اور بے صبری کے باوجود تو نے مجھ پر بلاؤں کی شدت

ہمیشہ نہ رکھی، یا اللہ! تو کریم ہے اور کریم کرم ہی کرتا ہے۔

حضور مدینہ یا سکینہ میں تشریف فرما رہے پھر اپنے والد امیر المؤمنین مولیٰ علی کے ساتھ کوفے گئے اور ان کے ساتھ مشاہد میں شریک رہے، کوفے میں ہی ان کی شہادت تک رہے پھر اپنے بھائی امام حسن کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ امام حسن نے خلافت سے جدائی اختیار فرمالی، اس کے بعد حضرت مدینہ شریف واپس آگئے اور امیر معاویہ کی وفات تک وہیں قیام فرما رہے یہاں تک کہ یزید مردود نے تخت نشین ہوکر آپ سے اپنی بیعت چاہی اور آپ نے اس کی بیعت نہ کی، اور حرم الٰہی مکہ مکرمہ کے دارالامن میں تشریف لے گئے، ظلموں نے وہاں بھی نہ رہنے دیا اور آخر معرکۂ کربلا پیش آیا۔

حضور والا کی اولاد:

مروی ہے کہ حضور کی چھ اولادیں تھیں، حضرت سیدنا علی بن حسین لشکر، امام زین العابدین، حضرت علی اکبر جن کی والدہ لیلیٰ بنت مرۃ بن عروہ بن مسعود ثقفی تھیں، جو معرکۂ کربلا میں شہید ہوگئے اور حضرت جعفر جن کی والدہ قضاعہ تھیں، یہ اپنے والد ماجد کی زندگی ہی میں انتقال کرگئے، اور ان کی نسل موجود نہیں اور حضرت عبداللہ جو عوام میں علی اصغر مشہور ہیں، یہ صغیر السن معرکۂ کربلا میں شہید ہوگئے اور حضرت سکینہ ان کی سگی بہن تھیں جو رباب بنت امرء القیس بن حدی کلبیہ تھیں اور حضرت فاطمہ صغریٰ جن کی والدہ ماجدہ ام اسحٰق بنت حضرت سیدنا طلحہ احد العشرۃ المبشرہ تھیں۔

اسی کی تائید حافظ عبدالعزیز جنابزی و شیخ مفید عالمان انساب کی تصریحات سے ہوتی ہے، بعض نسب والے حضرت کی اولاد ذکور چھ بتاتے ہیں اور لڑکیاں تین بتاتے ہیں، تیسری صاحب زادی کا نام وہ ''زینب'' کہتے ہیں اور صاحب زادوں میں ایک ''محمد'' جو بقول بعض معرکہ کربلا میں اور بقول بعض اپنے والد ماجد کے سامنے انتقال فرما گئے، دوسرے صاحب زادے علی اصغر یا علی اوسط نام مگر امام زین العابدین اور عبداللہ کے علاوہ اور زائد کرتے ہیں اور

یہ کہ یہی وہ صاحب زادے ہیں جو عالم طفلی میں کسی ظالم کا تیر لگ کر معرکۂ کربلا میں شہید ہوئے اور حضرت عبداللہ امام کے ساتھ ظالموں سے جہاد فرما کر شہید ہوئے اور بعض کے نزدیک ایک صاحب زادے عمر نامی اور تھے، حضرت فاطمہ صغریٰ کا عقد اول حضرت حسن مثنی ابن امام حسن سے اور ان کے بعد حضرت عثمان کے پوتے عبداللہ بن عمرو سے ہوا اور دونوں سے صاحب اولاد ہوئیں، حضرت سکینہ کا نکاح حضرت مصعب بن سیدنا زبیر اور یکے بعد دیگرے کئی شخصوں سے ہوا، تاریخ میں اس کا ذکر آتا ہے۔

امام عالی مقام کی شہادت:

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک دن ام المؤمنین سیدتنا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف فرما تھے، ایک فرشتہ کہ پہلے کبھی حاضر نہ ہوا تھا اللہ تبارک وتعالیٰ سے حاضری کی اجازت لے کر آستاں بوس ہوا، حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ام المؤمنین سے ارشاد فرمایا: دروازے کی نگہ بانی رکھو، کوئی آنے نہ پائے، اتنے میں سیدنا امام حسین دروازہ کھول کر حاضر خدمت ہوئے اور کود کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود میں جا بیٹھے، حضور والا انہیں پیار فرمانے لگے، فرشتے نے عرض کی حضور انہیں چاہتے ہیں، فرمایا: ہاں، فرشتہ کہنے لگا: یارسول اللہ! وہ وقت قریب آتا ہے کہ حضور کی امت انہیں شہید کرڈالے گی اور اگر سرکار چاہیں تو میں وہ مکان حضور کو دکھادوں جہاں یہ شہید کیے جائیں گے پھر سرخ مٹی، ایک روایت میں ہے سرخ ریتا، ایک روایت میں ہے کچھ کنکریاں لاکر حاضر کیں، سرور عالم نے سونگھا اور فرمایا: ریح کرب وبلا، بے چینی اور بلا کی بو آتی ہے، پھر ام المؤمنین کو وہ مٹی عطا کی اور ارشاد فرمایا: ام سلمہ! جب یہ مٹی خون ہوجائے تو جاننا کہ حسین شہید ہوگئے، انہوں نے وہ مٹی ایک شیشی میں رکھ چھوڑی تھی، ام سلمہ کہا کرتیں، جس روز یہ مٹی خون ہوجائے گی، ایک میں ہے کہ ان کنکریوں سے خون جاری ہوگیا۔

امیر المؤمنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم صفین کو زمین کربلا پر سے گزرے، نام

پوچھا، لوگوں نے کہا کہ اس زمین کو کربلا کہتے ہیں یہاں تک روئے کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، پھر فرمایا: میں خدمت اقدس حضور صلی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا، حضور کو روتا ہوا پایا، سبب پوچھا، فرمایا، علی! ابھی جبرئیل کہہ گئے ہیں کہ میرا بیٹا حسین فرات کے کنارے کربلا میں قتل کیا جائے گا، پھر جبرئیل نے وہاں کی مٹی مجھے سونگھائی، مجھ سے ضبط نہ ہوسکا اور آنکھیں بہہ نکلیں۔

ایک روایت میں ہے، مولیٰ علی اس مقام سے گزرے، جہاں اب سیدنا امام کی قبر مبارک ہے، فرمایا: یہاں ان کی سواریاں بٹھائی جائیں گی، یہاں ان کے کجاوے رکھے جائیں گے، اور یہاں ان کے خون گریں گے، آل محمد کے کچھ نوجوان اس میدان میں قتل ہوں گے جن پر زمین وآسمان روئیں گے۔

آخر وہ عظیم سختی ومصیبت کا دن از مین وآسمان کو رلا دینے والا دن یزید پلید کے عہد سلطنت، سراپا ظلم وبدعت، خباثت وشرارت میں آہی گیا، اور یزید، یزید کے صوبے دار ابن زیاد بدنہاد کے سپہ سالار نا ہنجار ابن سعد کے ٹڈی دل لشکر اترنے کربلا کے میدان میں نہایت ظلم وشقاوت، سنگ دلی وبے حیائی کے ساتھ تین دن کے بھوکے پیاسے، فاطمہ کے لال، علی کی آنکھوں کے تارے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے پیارے پر چاروں طرف سے نرغہ کرکے ان ہزاروں روباہ منش بلکہ اس سے بدتر بزدلوں نامرد ظالموں، شقیوں نے شیر خدا کے اکیلے شیر ببر پر تیروں کی بارش اور نیزہ وتلوار کی اندھادھن یورش کرکے اس عالی مقام کو شہید کرڈالا، اللہ اکبر!!

ظالموں کے چاروں طرف کے حملے دفع کرتے کرتے تھک گئے ہیں، زخموں سے چور ہیں، کہ تیس زخم نیزے کے، چونتیس گھاؤ تلواروں کے لگے ہیں، تیروں کا شمار نہیں، اٹھنا چاہتے ہیں اور گر پڑتے ہیں، اسی حالت میں سنان ابن انس نخعی شقی ناری جہنمی نے نیزہ مارا کہ وہ عرش کا تارا زمین پر ٹوٹ کر گرا، سنان مردود نے خولی بن یزید سے کہا کہ سر کاٹ لے، اس کا ہاتھ کانپنے لگا، سنان ولد الشیطان! میرا ہاتھ بیکار ہوگیا لہٰذا سنان نے خود گھوڑے سے اتر کر محمد رسول اللہ کے

جگر پارے تین دن کے پیاسے کو ذبح کیا اور سر مبارک جدا کردیا۔

حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت عاشورہ محرم الحرام یوم الجمعہ سن ۶۱ رہجری بوقت نصف النہار ہوئی، عمر شریف وقت شہادت میں تین قول ہیں مگر ۵۶ برس اور چند مہینے کی عمر شریف سن چار ہجری کی ولادت سب سے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

ام المؤمنین ام سلمہ فرماتی ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں روتے ہوئے دیکھا، اس حال میں کہ آپ کا سر مبارک اور ریش مقدس خاک سے بھری ہوئی تھی، میں نے پوچھا کہ حضور! یہ کیا حال ہے؟ فرمایا: ام سلمہ! ابھی حسین قتل کیے گئے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: میں نے دن دوپہر کے وقت سرور عالم کو خواب میں دیکھا، بال بکھرے ہوئے گرد آلود، ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون بھرا ہوا ہے، میں نے عرض کیا: سرکار! یہ کیا ہے؟ فرمایا: حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے جسے میں آج صبح سے اٹھا رہا ہوں، لوگوں نے دن کے متعلق خیال کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت امام اسی دن شہید ہوئے تھے۔

ترمذی وبخاری وغیرہما حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے راوی، ان سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ مچھر کا خون پاک ہے یا نہیں؟ اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ دریافت کیا کہ جس شخص نے حج کا احرام باندھا ہے، وہ اگر مکھی کو مار ڈالے تو اس پر کیا بدلہ لازم آئے گا، حضرت ابن عمر نے سائل سے دریافت فرمایا: تو کہاں کے لوگوں میں سے ہے، اس نے کہا: عراق والوں میں سے، حضرت نے فرمایا: دیکھو تو یہ مجھ سے مچھر کے خون کی نسبت اور دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا کہ مکھی جیسی حقیر چیز کے قتل کے بارے میں فتویٰ پوچھنے آیا ہے، حالاں کہ یہ لوگ حد سے گزر گئے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کو ان کی جلالت شان کے باوجود شہید کرڈالا، حالاں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ حسن اور حسین میرے دو گلاب کے پھول ہیں دنیا میں۔

حضرت امام اوران کے ساتھیوں نے ایک فاسق فاجر یزید پلید کی بیعت واطاعت نہ اختیار فرما کرانتہائی سختیاں، تکالیف اور نظر ظاہر میں مال، اولاد، جان، ناموس سب کی وہ ہولناک ترین تباہیاں اور بربادیاں برداشت کر کے ہمارے سامنے جس صبرواستقلال، جواں مردی، اور حق کے مقابلے میں مادی دنیاوی طاقتوں سے بے خوفی، اور تعمیل احکام خداوندی کا عملِ بے نظیر نمونہ پیش فرمایا آج ہم اس کو اپنی دلیل راہ بنائیں اور حضرت امام کی بنائی ہوئی اسی شاہ راہ پر چلیں تو دونوں جہاں کی فلاح اور صلاح تک ہماری رسائی بعونہ تعالیٰ یقینی ہے، بعد شہادتِ امام بعض خبثائے لعان نے تن مبارک پر گھوڑے دوڑا کر نعش مبارک کوروند کر سینہ و پشت نازنین کی تمام ہڈیاں ریزہ ریزہ کردیں، لباس مبارک اتارلیا، خیمہ مبارک اور اہل بیت کرام کا تمام سامان واسباب لوٹ لیا، پھر سر مبارک امام مرحوم شہدائے مظلوم ابن زیاد کے پاس اور وہاں سے یزید پلید مایہ فساد کے پاس بھیج دیا اور نعش بے سر نور دیدہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ودیگر شہدائے کرام وہیں میدان کربلا میں پڑی رہنے دی، دوسرے دن قریہ آمریہ کے لوگوں نے اسی میدان میں حضرت امام اور سارے شہدائے عالی مقام کو دفن کیا، سر مبارک کے دفن میں بعض کہتے ہیں کہ بقیع شریف قبہ اہل بیت میں ہے جسے نجدی خبیث نے حال میں کھود ڈالا دفن ہے، بہت سے اصحاب کشف وشہود اولیائے کرام وعلمائے عظام سے نقل کیا ہے کہ قاہرہ مصر کے مشہد حسینی میں امام عالی مقام کا سر دفن ہے، حضور کے شاعر یحییٰ بن حکم اور دروازۂ مبارک کے نگہبان اسعد حجری تھے اور نقش نگینۂ انگشتری لکل اجر کتاب تھا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔



یوم عاشورہ کی فضیلت

میں نے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پہلی مرتبہ اس عمر میں دیکھا کہ ان کی عمر ۱۹؍سال کی تھی اور میں آٹھ سال کا بچہ تھا، بریلی شریف سے تشریف لائے تھے، اور اس لیے آئے تھے کہ میرے خال محترم تاج العلماء سراج العرفاء حضرت مولانا مفتی حافظ شاہ سید اولاد رسول محمد میاں صاحب قبلہ قادری تاج دار مسند برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کو ایک تبلیغی جلسے کی دعوت دیں، مگر اتفاق یہ کہ حضرت تاج العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرخ آباد کے ایک تبلیغی جلسے میں تشریف لے جا چکے تھے اور گھر میں میرے مرشد برحق حضرت قدوۃ الکملائ، زبدۃ الاصفیاء سید شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن الملقب بلقب شاہ جی رحمۃ اللہ تعالیٰ تشریف فرما تھے، میرے نان جان حضرت ضعیف ہوکر خانہ نشین ہو چکے تھے، مجھ سے ارشاد فرمایا: لالہ! مولوی حشمت علی خاں صاحب آئے ہیں تمہارے ماموں کو لے جانے کے لیے، ماموں تمہارے فرخ آباد گئے ہیں، جاؤ اور انہیں ہماری حویلی میں ٹھہراؤ اور ان کے آرام کا بندوبست کرو۔

آج جب میں بوڑھا ہونے کو آیا تو پورا نقشہ میرے سامنے ہے کہ میں کس طرح سے گھر سے کھانا لے کر گیا تھا اور میں نے کس طرح سے کھانا کھلایا تھا اور کس طرح سے میں نے کہا تھا کہ بھیا فرخ آباد گئے ہوئے ہیں اور میاں یہ فرماتے ہیں کہ آپ ہم سے ملے بغیر مت جائیے گا۔ یہ میری پہلی حاضری اور پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد تو کچھ ایسے ربط بڑھے کہ حضرت شیر بیشۂ سنت اگر پندرہ دن بریلی ہیں، پندرہ دن لکھنؤ تو دس دن مارہرہ شریف میں، مجھے وہ دن بھی اچھی طرح یاد ہے جب میرے مرشد برحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے محل

سرائے میں روبہ قبلہ دوزانو خود بیٹھے اور حضرت شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا: ہمارے سامنے دوزانو بیٹھ کر اپنے دونوں گھٹنے ہمارے دونوں زانو سے ملا دو اور اس طرح سے جب دونوں بیٹھ چکے تو ارشاد فرمایا کہ میں نے جملہ سلاسل عالیہ قادریہ چشتیہ، سہروردیہ، نقش بندیہ، سارے اعمال ومشاغل ومراقبات جو خانوادۂ برکاتیہ میں مجھے اپنے مرشدوں سے ملے میں نے ان سب کی اجازت تم کو دی۔

اور مجھے یاد ہے کہ اس کے ساتھ ہی حضرت شیر بیشۂ سنت نے اپنا سر ان کی گود میں ڈال دیا اور حضرت والا کا سر ان کے ہاتھوں پر آ گیا۔ شیر بیشۂ اہل سنت سے میرے گھر کے ربط وضبط کو تم میں سے کوئی نہیں جان سکتا، تم میں سے کوئی نہیں پہچان سکتا، تمہیں نہیں معلوم، حضرت شیر بیشۂ سنت سے میرے گھر کے تعلقات کو ممبئی میں جاننے والے ایک تھے جو گزر گئے، میرے برادر طریقت منشی مصطفی خاں صاحب مرحوم ومغفور پان والے، ایک ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں حی وقائم رکھے، حضرت شیر بیشۂ سنت کے برادر عزیز مجاہد اہل سنت حضرت مولانا مفتی محبوب علی خاں صاحب دامت برکاتہم، وہ جانتے ہیں کہ حضرت کے ساتھ میرے گھر کے کیا روابط تھے، اس کے ساتھ ہی ساتھ مجھے کہنے میں باک نہیں ہے کہ حضرت شیر بیشۂ سنت میرے استاذ محترم بھی تھے، حضرت شیر بیشۂ سنت ایک مہینے کے لیے خانقاہ برکاتیہ میں تشریف لائے اور میں نے تفسیر جلالین، نور الانوار، قطبی مع میر اور شرح وقایہ کے چودہ سبق حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پڑھے ہیں، یہ تو وہ پڑھنا ہے جو میں نے کتاب کھول کر زانو تہہ کر کے حضرت سے پڑھے اور اس کے بعد میری عمر گزر رہی ہے حضرت کے ساتھ رہنے میں، ان کو دیکھنے اور سمجھنے اور بوجھنے میں، میری تقریر کی رنگت، میری تقریر کی سوجھ بوجھ، میری سوچ اور سمجھ کا رنگ یہ حضرت شیر بیشۂ سنت کا ہے۔

آج کے چار سال پیشتر میں احمد آباد کے دار العلوم اہل سنت شاہ عالم کا ممتحن ہو کر گیا تھا،

وہاں شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفیٰ ہیں۔ شب برأت قریب آ گئی تو انہوں نے جلسۂ وعظ رکھ دیا، میرا بیان ہوا اور وہ بیان غالباً میری عمر کا سب سے طویل بیان تھا، میں پونے نو بجے بیان کرنے کے لیے بیٹھا اور ساڑھے چار بجے صبح کو سلام کے لیے اٹھا۔ احمد آباد کا بچہ بچہ جانتا ہے جب میرا بیان ہو چکا تو اجمل العلماء حضرت مولانا اجمل شاہ صاحب سنبھلی دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا کہ میاں! مولانا حشمت علی صاحب یاد آ گئے۔ بس ایک ہی بات تو میں نے کہی۔ صحیح بات ہے، باپ کا پرتو بیٹے پر، استاد کا پرتو شاگرد پر پڑا ہی کرتا ہے، اگر آپ کو حضرت شیر بیشۂ سنت یاد آ گئے، اس میں کوئی بڑی بات نہیں، آج وہ ہم میں نہیں ہیں، ان کا جسم ہم میں نہیں ہے، اس خاکی جسم کی حقیقت ہی صرف اتنی ہے کہ پنجرا ہے، اس میں روح کا پنچھی پھنسا ہوا ہے، لیکن تم باور کرو اس بات کو کہ ان کی روحانیت ہم میں ہمیشہ رہے گی اور ان کی روح کی برکتیں ہمیشہ اہل سنت کی مددگار رہیں گی، انہوں نے جو اپنے فیض چھوڑے ہیں، وہ فیض جاری وساری رہیں گے، بڑی خوشی کی بات یہ ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اٹھتا ہے تو اپنے بعد اپنی نشانی چھوڑ جاتا ہے، انہوں نے اپنی جسمانی اولاد بھی چھوڑی ہے اور روحانی اولاد بھی چھوڑی ہے۔

ہم جیسے ان سے فیض لینے والے ان کی روحانی اولاد ہیں اور میرا عزیز بچہ مولانا مشاہد رضا خاں صاحب، ان کے بڑے صاحب زادے، الحمد للہ رب العالمین تین سال ہوئے دار العلوم مصباح العلوم اشرفیہ مبارک پور سے فارغ التحصیل ہو کر دستار بند ہو چکے ہیں، اور اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت شیر بیشۂ سنت کی مسند علم ورشد ان کے بعد خالی نہیں رہے گی، دوسری بات یہ ہے کہ میرے پاس آخری والا نامہ ابھی رمضان المبارک میں تشریف لایا تھا، وہ بھی ایک منی آرڈر کی کوپن کی حیثیت سے دس روپے حضرت نے مجھے عطیہ بھیجے تھے۔ اور اس میں لکھا تھا کہ حضرت آپ کو معلوم ہے کہ میرا سارا آزوقہ یہی تبلیغ سنیت تھا اور اسی میں میرا دین بھی تھا، میری دنیا بھی تھی، لیکن آج میں علیل ہوں، لہٰذا وہ سارے دروازے بند ہیں، مگر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء

میری پیاری جمعیت نے مجھے تحریر کیا، لہٰذا میں اپنے امدادی فنڈ میں سے یہ دس روپے اس کی نذر کے لیے دو مہینہ کے بھیج رہا ہوں۔

اس کے بعد ہی میں نے خانوادۂ برکاتیہ کا ایک نقشہ بھیجا اور اس میں میں نے لکھا کہ اس پہ آیت الکرسی شریف دم کرا کر اس کو اپنے گلے میں پہنیں۔ خط میں لکھا ہے کہ خدا کا فضل ہے، میرا وہ بچہ جسے آپ نے اپنا بیٹا بنایا ہے، آج تمہیں کھول رہا ہوں، شاید تمہیں نہیں معلوم ہوگا، ان کا چھوٹا بچہ حافظ قاری عسکری ضا خاں سلمہ میرا دودھ کا بیٹا ہے اور میرے بچوں کی ماں نے اسے دودھ پلایا ہے اور اسی طرح سے مولانا حشمت علی خاں صاحب کی اہلیہ محترمہ میری استانی نے میری ایک بچی کو دودھ پلایا، تو یہ دونوں آپس میں دودھ کے بھائی بہن ہیں، اور حافظ قاری عسکری رضا خاں الحمد للہ جید قاری ہیں، مستند قاری ہیں، دار العلوم اشرفیہ سے وہ سند قرأت لے چکا ہے اور وہ ویسے بھی میرا بچہ تھا، لیکن اب تو حقیقت یہ ہے کہ وہ میری اولاد میں شمار ہے، کیوں کہ میرے بچوں کے ساتھ وہ دودھ پی چکا ہے، اس لیے یہ بات کہنے میں میرے دل کو تسلی ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ مسند شیر بیشۂ سنت خالی نہ رہے گی اور جو کام عمر بھر حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے کیا خدا نے چاہا اور اس کے چاہے سے اس کے رسول نے چاہا (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو یہ کام ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے فرزند ظاہری ومعنوی کرتے ہی رہیں گے۔ آمین اللہم آمین۔

آپ سب حضرات کو چاہیے کہ اپنی نمازوں کے بعد فاتحہ پڑھ پڑھ کر حضرت شیر بیشۂ اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لیے ایصال ثواب کرتے رہیں۔

کچھ ایسا صدمہ میرے دل پر بیٹھا، میں آ ہی رہا تھا یہاں، آج میں نے سوچا کہ لمبی محفل ہے، ذرا جلد ہی پہنچ جاؤں، پھر میری کچھ بہنیں آ گئیں، کچھ بچیاں میری اور وہ ہمیشہ آتی ہیں یہاں پر میرا عاشورہ سننے کے لیے، میں نے کل بچوں سے کہہ دیا تھا کہ ان کا انتظام

کر دینا، وہ بچیاں آئی ہوئی تھیں، میں تیاری کر ہی رہا تھا کہ ہماری سنی جمعیت کے پروپیگنڈہ سکریٹری عاصم اشرفی صاحب میرے پاس پہنچے اور انہوں نے ایک عجیب انداز سے بات کہی کہ پہلے چند منٹ میں سمجھ ہی نہ سکا، انہوں نے کہا: شیر بیشۂ سنت! مجھے فوراً خیال آیا کہ آج حضرت مفتی اعظم دامت برکاتہم القدسیہ کا لفافہ میرے پاس آیا تھا، اس میں تحریر تھا کہ مولانا حشمت علی خاں صاحب بریلی آئے تھے، اور دو دن مشن اسپتال بریلی میں رہ کر واپس گئے ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ اب دوسرے اسپتال میں علاج کرائیے، بس شیر بیشۂ سنت کا لفظ نکلنا ہی تھا کہ میں نے اپنا دل پکڑ لیا، میں قلب کا کم زور ہوں، اختلاج قلب کا مریض ہوں، کوئی بہت زیادہ خوشی کی بات، کوئی بہت زیادہ رنج کی بات یک دم، یک لخت نہیں سن سکتا، تو پندرہ منٹ تک تو میں اپنے ہوش ہی میں نہیں تھا۔

پھر اس کے بعد میں نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا، اللہ ہم سب کو صبر بھی عطا فرمائے اور اہل سنت وجماعت کو ان کا نعم البدل بھی عطا فرمائے اور ان کی برکتوں سے ہمیں تا ابد مالا مال رکھے، آمین!!!۔

اصل خطاب کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے:

آج کی رات شب شہادت کہلاتی ہے، شب عاشورہ کہلاتی ہے، آج کے موضوع تو بڑے لمبے چوڑے تھے، مگر میں آج یہاں سے شروع کر رہا ہوں کہ یہ عاشور محرم کی حقیقت کیا ہے؟ محرم الحرام کیا ہے؟ اس کے عاشور اور دسویں تاریخ کی حقیقت کیا ہے؟ ایک چیز تو مرے بھائیو! ماہ محرم الحرام اسلامی کلینڈر کا پہلا مہینہ ہے، اس کے ساتھ لفظ الحرام آپ دیکھتے ہیں، محرم الحرام۔ تو ایسے یہ چار مہینے ہیں جو ابتدائے جاہلیت سے یعنی ابھی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت مبارک نہیں ہوئی تھی، اس وقت سے ہی یہ چار مہینے حرمت اور عزت والے مشہور تھے، مطلب یہ ہے کہ وہ قوم نابکار جو لوٹنے، مارنے، قتل کرنے، غارت کرنے، چوری کرنے

کے سوا کچھ نہیں جانتی تھی، چار مہینوں کی عزت وہ لوگ بھی کیا کرتے تھے اور ان چار مہینوں میں وہ مطلق لوٹ مار نہیں کرتے تھے، اس واسطے ان مہینوں کو حرمت والا مہینہ کہا جاتا ہے، یعنی ان میں وہ لوٹ مار حرام سمجھتے تھے تو ان مہینوں میں یہ پہلا مہینہ ہے محرم الحرام اور اسلامی کلینڈر کا چھٹا مہینہ ہے رجب المرجب، وہ بھی انہیں میں کا ایک ہے اور اسلامی کلینڈر کے آخری دو مہینے یعنی ذی قعدۃ الحرام اور ذی الحجۃ الحرام یہ دو مہینے بھی ان میں سے ہیں تو یہ چار مہینے ہیں، محرم الحرام، رجب، ذو القعدہ، اور ذوالحجہ، یہ چار مہینے ہیں جو اشہر حرم کہلاتے ہیں، حرمت والے مہینے کہلاتے ہیں۔

آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ عرب پڑھے لکھے نہیں تھے، وہ تو نرے جاہل تھے، نہ انہیں لکھنا آتا تھا نہ انہیں پڑھنا آتا تھا، انہیں تو دو کام آتے تھے، وقت پڑے تو زبان چلا لینا اور نہیں تو بس تلوار چلاتے رہنا، بس یہی دو کام انہیں آتے تھے، زبان کے بارے میں وہ یہ کہتے تھے، کہ ہم عربی ہیں اور باقی سب عجمی ہیں۔ عربی کے کیا معنی ہیں بولنے والا، اور عجم کے معنی ہیں گونگا، وہ ساری دنیا کو گونگا کہتے تھے، یعنی ہم ایسے بولتے ہوئے ہیں کہ ساری دنیا ہماری سامنے گونگی ہے، خالی بولنے والے ہم ہیں تو مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے بولنے والے تھے کہ دس دس برس کی لڑکیاں بکریاں چرانے جاتی تھیں اور جب بکریاں چرا کر واپس آتی تھیں جنگل سے تو سات سات شعروں کے قصیدے کہہ کر لے آتی تھیں۔

عالم ان کا یہ تھا کہ موسم حج میں ایک بہت بڑا عرب مشاعرہ ہوا کرتا تھا، بازار عکاظ میں یہ مشاعرہ جمتا تھا، بڑے بڑے شعرائے عرب اس مشاعرے میں شریک ہوتے تھے، چوٹی کے قصائد کہہ کر لے آتے تھے، اور اس میں سینے تان تان کر، ناک پھلا پھلا کر، آنکھیں چمکا چمکا کر وہ اپنے قصیدے پڑھتے تھے، جو قصیدہ پورے مشاعرے کی جان ہوتا تھا، حاصل مشاعرہ ہوتا تھا اس قصیدے کو وہ کھجور کی چھال پر کسی سے لکھوا کر کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا کرتے تھے، اور عالم کو چیلنج کر دیتے تھے کہ اب اگر کسی میں ہمت ہے تو اس سے اچھا قصیدہ کہہ کے لائے؟ تب

یہ وہاں سے اتارا جائے گا اور اس کا قصیدہ وہاں لٹکا دیا جائے گا۔

میرے دوستو! ایسے سات قصیدے ہیں جنہیں سبع معلقہ کہتے ہیں، سبعہ کے معنی سات اور معلقہ کے معنی لٹکے ہوئے، پرانے ادب جاہلیت کے یہ بڑے نظیر نمونے ہیں، بڑے بیش قیمت نمونے ہیں یہ، ایسے نمونے ہیں کہ آج تقریباً ان کو کہے ہوئے دو ہزار برس سے زیادہ ہو چکے ہیں لیکن آج بھی ہم میں کا کوئی بھی طالب علم دستار فضیلت سے مشرف نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس نے یہ ساتوں قصیدے پڑھ کر نہ سمجھ لیے ہوں اور ان ساتوں قصیدوں کو حل نہ کر لیا ہو کوئی طالب علم مولوی نہیں بن سکتا، ایسے دقیق اور اونچے بلیغ قصیدے ہیں یہ، سبع معلقہ، لیکن مضمون ان کے الاماں والحفیظ، اللہ کی پناہ!! کیا کروں، میری بہنیں بیٹھی ہیں، شب عاشور ہے، شہادت کی رات ہے، پھر میرا دل اس وقت تھوڑا غمگین ہے ورنہ میں ان قصیدوں پر سیر حاصل روشنی ڈالتا، اور اس کے بعد میں سمجھاتا کہ اس فحش نگاری کو آج ہزل گوئی کہا جاتا ہے اگر آج یہ قصیدہ ہندوستان میں کہہ کے ترجمہ کر دیا جائے تو اس کے اوپر وہ کون سی دفعہ ہے جس میں گالیاں بکنے پر جو جرم عائد ہے وہ لاگو ہو سکتی ہے اور اس پر انہیں زعم تھا، اس پر وہ لوگ منہ پھلاتے تھے۔ اس پر اپنے آپ کو بولتا کہتے تھے اور ساروں کو گونگا کہتے تھے، ایک واقعہ میں بتائے دوں چلتے چلاتے، میری بہنیں مجھے معاف کر دیں، بتاؤں گا ذرا پردے ہی ڈال کر، ان میں ایک پہلا قصیدہ میاں شاعر امرء القیس تھے، سمجھ لیجئے کہ جیسے اردو کے شعرا میں میر تقی، اس درجے کے تھے امرء القیس، اتفاق یہ تھا کہ آپ اپنی بنت العم عنیزہ سے آنکھ لگا بیٹھے، اب آزاد عرب کی آزاد لڑکیاں ایک بات ہے کہ عرب میں بڑا زبردست قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی لڑکا اپنی محبت کسی لڑکی کے اوپر ظاہر کر دے، اس کا اظہار ہو جائے کہ فلاں لڑکا اس لڑکی کے ساتھ محبت کرتا ہے تو حشر ہو جائے گا نکاح نہیں ہوسکتا۔ یہ بے چاری غریب لیلیٰ اور غریب مجنوں جو محروم رہ گئے، ان کی ایک ہی وجہ تھی کہ قیس نے اپنا عشق ظاہر کر دیا تھا، قیس اور لیلیٰ کی کہانی فرضی نہیں ہے، آج میں

آپ کو تاریخی حیثیت سے باور کرانا چاہتا ہوں کہ حضرت قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تابعین کرام میں سے ہیں اور سیدنا امام حسن مجتبیٰ کے ساتھیوں اور چند کھیلنے والوں میں سے ہیں اور یہ دو قیس ہیں، ایک قیس عامری جن کی محبوبہ لیلیٰ ہے ایک قیس عابدی ہیں ان کی محبوبہ لبنیٰ ہے اور امام حسن کے رضاعی دودھ کے بھائی بھی ہیں، ان کی تاریخ ابھی میں نے اپنے سفر حج سے واپس آتے میں رضوانی جہاز کی لائبریری میں پڑھی، علامہ عبدالحلیم شرر کی لکھی ہوئی تاریخ ہے، تو پھر اتنی بات تھی کہ اپنا اظہار محبت کردیا لہٰذا عمر بھر فراق کی گھڑیاں گنتے رہے، یہی واقعہ یہاں پیش آیا تھا امرؤ القیس کو کہ عنیزہ سے انکار ہوگیا تھا، ایک دن آپ نے سنا کہ عنیزہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ دومۃ الجندل نامی ایک کنواں ہے مکہ سے ذرا دور وہاں پکنک منانے کے واسطے لڑکیاں گئی ہوئی ہیں، یعنی کھجوریں کھاں گی اور دومۃ الجندل کے کنویں کے اندر غسل کریں گے، میاں امرؤ القیس کو معلوم ہوگیا کہ عنیزہ بھی جانے والی ہے تو آپ تشریف لے گئے وہاں، اور جا کر چھپ کے بیٹھ گئے، لڑکیوں کو کیا معلوم تھا کہ وہاں چور بھی آیا ہوا ہے تب لڑکیوں نے اپنے سب کپڑے، بالکل صحرا تھا، نخلستان تھا، جھرمٹ تھا چاروں طرف سے، وہاں کوئی نہیں موجود تھا، بے تکلف سہلیاں تھیں انہوں نے اپنے اپنے کپڑے اتارے، کھجوریں کھائیں، کھیلیں، کودیں، اور سب باوڑی میں گر پڑیں، اور انہوں نے تیرنا شروع کیا، آپ نے وہاں کیا کیا، جتنے کپڑے تھے وہ سارے سمیٹ سماٹ کے گٹھری باندھ کے اور اس کے بعد کہا کہ قسم کھاتا ہوں رب کعبہ کی جب تک کپڑے والی میرے سامنے آکر کپڑا نہ مانگے گی، کپڑا نہ دوں گا اور جا کر ایک طرف بیٹھ گئے۔

اب جناب جب نہا کر لڑکیاں نکلی ہیں، اب جو دیکھتی ہیں کہ وہاں کپڑے ہی ندارد، ایک دوسرے سے پوچھ رہی ہیں ارے تیرے کپڑے اور میرے کپڑے کدھر گئے؟ آخر کار معلوم ہوا اور کھجور کی آڑ سے آپ بولے کہ اثوابکم ھنا، تمہارے کپڑے ہمارے پاس ہیں اور میں قسم کھا چکا ہوں اور تمہیں معلوم ہے کہ عرب کا نوجوان جب قسم کھالے تو زبان کے ساتھ اس کی گردن چلی

جائے گی، لیکن قسم نہیں توڑی جاسکتی لہٰذا سیدھی سیدھی بات یہ ہے کہ تشریف لاتی جاؤ اور اپنے کپڑے مانگتی جاؤ، اب کیا کریں غریب، مصیبت میں پھنس گئیں، بہت گالیاں دیں، بہت برا بھلا کہا، لیکن برا بھلا کہنے سے قسم تھوڑے ہی ٹوٹ سکتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی جان کو کوستی ہوئی آئیں اور آنے کے بعد اپنے اپنے کپڑے مانگتی گئیں، جاؤ لے کر جاؤ، میں تمہارا غرور حسن توڑنا چاہتا تھا، جب آخر میں رہ گئی عنیزہ، تو اس نے کہا، میں آنے والی نہیں ہوں، کہا، دیکھ قسم کھالے گی تو ہم دونوں کی جان یہیں جائے گی، کیوں کہ تو بھی عرب، میں بھی عرب، قسم توڑ نہیں سکتے اور میں قسم کھا چکا ہوں یہ کپڑے نہیں دوں گا جب تک کہ، اب اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجبوری کا نام صبر کہتے ہیں، وہ غریب بھی آئیں نکل کر اور اس نے اپنے کپڑے جیسے سب نے مانگے تھے ایسے مانگے اور آپ نے عنایت فرمائے اور کہنے لگے، آج اس خوشی میں میں اپنا اونٹ ذبح کرکے تم سب کو کھلائے دیتا ہوں، اونٹ ذبح ہوا، وہیں بھونا گیا، اس کا نوروز کھیلا گیا اور جب چلنے لگے تو عنیزہ نے کہا کہ تیرا اونٹ تو ذبح ہوگیا، اب بیٹھ کے کاہے پہ جائے گا، اپنی اپنی سواریاں لوگوں کے پاس ہیں، کہنے لگا تیرا اونٹ کاہے کے لیے ہے، اب تیرے اونٹ پہ تیرے ہودج کے اندر بیٹھ کر جاؤں گا۔ اس کے بعد وہ اس ہودج میں بیٹھ کر چلنے لگا (اب اس کے بعد کیا ہوا، میری زبان حیا خاموش ہے) اس نے وہ پورا کا پورا واقعہ من وعن لکھ کر کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا۔

میں نے یہ اس لیے نہیں بیان کیا کہ تمہیں کچھ شاعرانہ مزہ دے رہا تھا، نہیں، میں اس لے تمہیں بیان کر رہا ہوں کہ یہ حالت تھی ان کی زمانۂ جاہلیت میں، اور یہ سبعہ معلقہ کب اترا ہے کعبہ سے؟ تمہیں معلوم ہے، کسی شاعر میں یہ ہمت نہ ہوسکی کہ سبعات معلقات کو کعبہ سے اتروالے، لیکن جب تمہارا قرآن نازل ہوا، جب کلام پاک دنیا میں تشریف فرما ہوا اور قرآن پاک کا چرچا ہوا تو ان میں سے جو زندہ تھا اس کو کہنا پڑا کہ **واللہ لیس ھٰذا کلام البشر**، خدا کی

قسم یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے، اور قرآن نے سبع معلقات کی روشنی کو ماند کر دیا۔

تو ایسے جاہل لوگ تھے، ان کے یہاں کوئی حساب و کتاب بھی نہیں تھا، لیکن چوں کہ ان کی تجارتی آمد و رفت قوم نصاریٰ کے ساتھ تھی ادھر تو ایران میں ان کی تجارت تھی اور ادھر ہندوستان میں ان کی تجارت تھی، آپ کہیں گے ہندوستان میں تجارت تھی؟ جی ہاں، قدیم زمانے سے عرب کی تجارت ہندوستان میں چلی آ رہی ہے، اور اس کی میں آپ کو ایک دلیل بتاتا ہوں، لفظ ہندسہ، آپ نے پڑھا ہوگا اردو میں کہ بھئی دو کا ہندسہ یعنی حساب و کتاب عرب نے ہندوستان سے سیکھا تھا، اس زمانے سے ہی عرب کے یہاں صفر نہیں تھا، زیرو نہیں تھا، زیرو ہندوستان نے ایجاد کیا ہے، زیرو صفر ہندوستان کی ایجاد ہے اور زیرو نے بہت بڑی قیمت ادا کی ہے علم ہندسہ کے اندر، اچھا تو ایک طرف تو یہاں تھی، ایک طرف روم والوں سے ان کی تجارت نصاریٰ سے تھی، تو لہٰذا وہ اپنے یہاں رومیوں کا سن استعمال کیا کرتے تھے، کلینڈر میں اپنا سن رومیوں کا استعمال کیا کرتے تھے، تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے قمری سال کے سوا باقی جتنے بھی جنتریاں ہیں، جتنے ارگنٹ ہیں، سارے کے سارے سورج سے چلتے ہیں، سورج کے دو نظام ہیں، نظامِ بطلیموسی، نظام فیساغورس، نظام بطلیموس میں زمین ساکن ہے، سورج گرد گھومتا ہے، نظام فیساغورس میں سورج رکا ہوا ہے اور زمین اس کے گرد گھوما کرتی ہے، آج یہ نظام فیساغورس ہی مستعمل ہے، تو یہ سارے سورج کے حساب سے ہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ سورج کے حساب سے تین سو پینسٹھ دن اور چھ گھنٹے کا ایک سال ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ جو سال ملتے ہیں تو حتمی ایر میں یعنی جب سال برابر تقسیم ہو جائے تو مہینہ ایک انتیس دن کا قرار دے کر وہ کمی پوری کی جاتی ہے، ایک سو سال کے بعد یہ چھ گھنٹے مل کر پورے چوبیس گھنٹے بنتے ہیں، اس کے بعد ہر نئی صدی پر ایک دن کی زیادتی ہو جاتی ہے، اسی واسطے شمسی طریقے کے اندر موسم ہمیشہ مہینوں کے ساتھ ملتے ہیں، جون میں ہمیشہ گرمی ہی پڑے گی، دسمبر اور جنوری میں ہمیشہ سردی

ہی آتی ہے، مارچ میں بہار آتی ہے، جولائی، اگست میں ہمیشہ برسات پڑتی ہے شمسی مہینے میں۔ لیکن قمری مہینے میں ایسا نہیں ہے، ہمارے ہندوستان والے اپنا فن قمری چلاتے ہیں مگر کرتے کیا ہیں؟ حساب لیتے ہیں چاند سے یعنی اماوس اور پونم سے مگر حساب اس کا چلاتے ہیں سورج سے لگا کر، اگر سورج سے نہ چلائیں تو کبھی چیت میں بہار آئے کبھی نہ آئے، کبھی بیساکھ میں گرمی پڑے نہ پڑے، کبھی جیٹھ موسم گرما ہو یا نہ ہو کبھی پوس اور ماگھ میں سردی پڑے یا نہ پڑے، جیسے کہ کبھی رمضان میں سردی پڑتی ہے کبھی نہیں پڑتی، کبھی شوال برسات میں آتا ہے، کبھی محرم برسات میں آتا ہے، کبھی رجب المرجب گرمی میں آتا ہے تو یہ صرف قمری سال ہے۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب مکہ کو فتح فرمایا اور اس میں آپ نے خطبہ فتح عطا فرمایا تو خطبہ فتح میں ارشاد فرمایا: سنو اے لوگو! یہ بیت اللہ الحرام ہے، یہ کعبہ اللہ کا حرمت والا گھر ہے، اس کے اندر لوٹ مار جائز نہیں ہے، میرے لیے بھی صرف آج کے دن چند گھنٹوں کے لیے اللہ نے جائز کیا تھا پھر قیامت تک اس کی حرمت ویسی کی ویسی ہے، سنو اے لوگو! آج سے نسی یعنی جسے لپیا کہتے ہیں، اب اسلام میں نہیں لیا جائے گا، اب ایسا نہیں ہوگا کہ لونگ کا مہینہ کہتے ہیں ہمارے یو پی میں اور یہاں شاید ادھک ماس کہتے ہیں، ادھک ماس جو لیا جاتا ہے اب نہیں لیا جائے گا بلکہ چاند کے حساب سے صوموا الرویتہ وافطروا الرویتہ فان غم علیکم فتمموا ثلاثین، نحن مۃ امیۃ لا نکتب و نقصر، ہم حساب و کتاب کے پھیر میں نہیں پڑھتے۔

مہینہ انتیس کا ہے، اگر تمہیں شبہ پیدا ہو جائے تو تیس پورے کر کے اگلی تاریخ شروع کر دو، قصہ ختم ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا کلینڈر پورے سال کے اندر گھومتا ہے، پورے تینوں موسموں میں گھومتا ہے، آپ دیکھیے کہ شروع شروع میں بھری برسات میں آتے تھے محرم، اب جوں جوں گزرتے جاتے ہیں، دو سال اور رہ گئے ہیں دو سال کے بعد وہ شروع جون میں

چلے جائیں گے، پھر منڈوے نہیں باندھیں جائیں گے، آپ کا منڈوہ بالکل کھلا ہوا ہوگا اور بڑے اطمینان سے مولوی صاحب کھلی فضا میں بیان کر رہے ہوں گے، تو معنی یہ ہوئے کہ ہمارے کلینڈر چار کا جو پہلا مہینہ ہے محرم الحرام، یہ حرمت والا مہینہ ہے، عزت والا مہینہ ہے اور اس کی یہ دسویں تاریخ ہے، جسے عاشورہ کہتے ہیں عاشورہ عشرے کی مناسبت سے ہے یعنی دسویں تاریخ، گویا کہ آپ کہئے، ٹینٹ محرم الحرام، تو عاشورہ کی یہ فضیلت اور عاشرے کی یہ برکت کچھ آج ہی کی نہیں ہے، بلکہ عاشورہ کی برکت اقوام عالم میں بہت پرانی چلی آرہی ہے، مجھے کہنے دیجئے کہ سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کہ عاشورے ہی کے روز ان کی لغزش اجتہادی سے توبہ قبول فرمائی گئی، حضرت سیدنا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی عاشورہ کے دن اس نے طوفان سے کنارا کیا تھا، حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود کی آگ سے عاشورہ محرم کو نجات پائی تھی، حضرت سیدنا یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عاشورہ محرم کو مچھلی کے پیٹ سے نجات پائی تھی، حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام عاشورۂ محرم میں صحت یاب ہوئے تھے، حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرعون سے بچ کر اپنی قوم کو لے کر عاشورۂ محرم ہی کو نکل گئے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دشمنوں سے عاشرۂ محرم کو بچا کر آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے۔

تو اگر ساری امتوں میں عاشورۂ محرم کا کوئی بھرم تھا تو کیا آپ جانتے ہیں کہ امت محمدیہ میں عاشورہ کا کوئی بھرم نہ ہوگا ہوا اور بے شک ہوا، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اطراف مدینہ میں جو یہودی بسے ہوئے تھے، وہ عاشورہ کے دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے، خوشی منایا کرتے تھے، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دریافت کیا، تو معلوم یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج اپنی قوم کو ظلم فرعون سے نجات دلائی ہے، اس واسطے آج یہودی یہ دن مناتے ہیں شادمانی کا، ارشاد فرمایا: پھر تو حضرت

موسیٰ علیہ السلام کی خوشی میں شریک ہونے کا میں زیادہ حقدار ہوں، لہٰذا فرمادیا اے بھائیو! عاشورۂ محرم کا روزہ تم پر فرض کیا جاتا ہے، میں آپ کو بتا رہا ہوں جب تک رمضان کے روزے نازل نہیں ہوئے تھے، مسلمانوں پر عاشورۂ محرم کا روزہ فرض تھا، تو یہودی قوم نے جب سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عاشورے میں انہوں نے بھی روزہ رکھنا شروع کیا ہے، اب انہوں نے بغلیں بجائیں، تالیاں پٹھاریں، کہا: دیکھو تو مسلمانو! آج تو تمہارا نبی دب گیا نا ہمارے نبی سے، نہ ملا اسے دوسرا دن روزہ رکھنے کا، آخر تو ہمارا ہی دن ملا اسے روزہ رکھنے کا، یہ طعن سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کانوں تک آیا، فوراً ارشاد فرمایا: ان بدبختوں کو بکنے دو مگر تم ایک بات یہ کرو کہ صوموا قبل عاشورۃ و خالفوا الیھود عاشورے سے ایک دن پہلے بھی روزہ رکھ لیا کرو اور یہود کی مخالفت کرو اس بارے میں۔ چناں چہ عاشورہ محرم کا اصل روزہ کل کا ہے، اور آج کا روزہ ملانا بھی اس کے ساتھ مستحب ہے، یہ فرض روزہ تھا جب تک رمضان نہیں آئے، جب رمضان کے روزے آگئے، ان کی فرضیت ہمارے سروں پر بندھ گئی تو اس کی فرضیت ختم ہوگئی، مگر اس کا سنت مستحب ہونا یہ اب بھی باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں عاشورہ کا دن برکت والا دن ہے، اس دن روزہ بھی رکھو اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ گھر میں جو تم روز کھاتے پیتے ہو اس میں تھوڑا سا زیادہ کر کے کھاؤ، پیو، کیا معنی ہیں؟ مطلب یہ کہ اگر روز تم دال کھاتے تھے تو اس میں تھوڑا سا گوشت ڈال لیا کرو، تمہارے یہاں مثلاً روز جو کی روٹی کھائی جاتی تھی، تو آج تلاش کر کے گیہوں کی روٹی کھاؤ، اگر ایسا تھا کہ خالی گیہوں کی روٹی کھاتے تھے تو آج چاول روٹی دونوں ملا کر کر کھاؤ، تو اصل یہاں سے ہے کہ حدیث میں آج کے دن اپنے اہل وعیال پر وسعت کے ساتھ کھانے پینے کا حکم دیا، مستحب تو جس چیز کی اصل حدیث سے ثابت ہوجائے اس کی کسی خاص صورت پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے، مسلمانوں نے یہ سنا کہ سرور عالم کا یہ منشا ہے کہ آج عاشورہ کے دن

اپنے اہل وعیال کو ذرا زیادہ کھلاؤ اور پلاؤ، تب انہوں نے یہ سوچا کہ بھئی سال بھر کے اندر اُرد کی دال کھاتے ہیں اور کبھی مسور کی کھاتے ہیں، کبھی چاول کھاتے ہیں، کبھی گیہوں کھاتے ہیں کبھی گوشت کھاتے ہیں، لہٰذا اب سال بھر کے بعد اس دن کو فرماتے ہیں کہ زیادہ کرو تو یہ ساری چیزیں ملا کر ایک کھانا تیار کر ڈالو، اس کا نام رکھ دو کھچڑا، قصہ ختم ہو گیا، اصل میں معاملہ اتنا ہے، اب اس کو کھینچ تان کر اگر ایک جماعت اسے معاذ اللہ فرض کہہ دے، وہ بھی غلطی پر ہے، ایک جماعت اگر اسے حرام وبدعت کہہ دے وہ بھی غلطی پر ہے، ہم تو امت وسط ہیں، اعتدال والے ہیں، نہ ہم کسی اللہ کے حلال کو حرام کہتے ہیں، نہ ہم کسی اللہ کے حرام کو حلال کہتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول نے جو حلال کر دیا وہ حلال ہے، اللہ اور اس کے رسول نے جو حرام فرما دیا وہ حرام ہے، اور اللہ ورسول نے جس چیز کو نہ حلال کہا، نہ حرام کہا وہ ایسا ہے کہ اگر اسے کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ کرو تو اس میں کوئی عذاب نہیں، یہ مباح چیزیں ہیں، اب ان میں اگر کسی چیز کو کوئی خواہ مخواہ بدعت کہہ دے تو یہ اس کا دھرم جانے کہ اللہ نے جس چیز کو حرام نہیں کہا اسے بندے حرام کہہ دیں، یہ بندوں کے بس کی بات نہیں، یہ بندوں کے قابو کی بات نہیں۔

تو عاشورۂ محرم بڑی برکت والا دن ہے، میں تمہیں اس کی برکت کا ایک نشان یہ سمجھاؤں کہ آج کی رات جو آج ہے، اس رات کو مت سوچو، آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی جو رات تھی، محرم سن ۶۱ ہجری کی جو رات تھی وہ غضب کی رات تھی، سوچو بیٹھ کر، آج کی نویں تاریخ کو عصر کے وقت عمر بن سعد نے اپنا نقارہ بجوایا تھا، اور سیدنا امام نے اپنے آدمیوں سے پوچھا جاؤ دیکھو، لشکر کا یہ سامنے نقارہ کیوں بجتا ہے؟ آ کر یہ کہا گیا کہ حضور والا بات یہ ہے کہ انہوں نے حملہ کرنے کی تیاری کر دی ہے، کیوں کہ ان کے بادشاہ کا یہ پیغام آیا ہے کہ اگر حسین پر حملہ کرتا ہے تو ٹھیک ورنہ ہمارے لشکر کی کمان شمر بن جوشن کو دے کر واپس آ جاؤ، لہٰذا اس نے حملہ کر دیا ہے، سیدنا امام عالی مقام باہر تشریف لائے ارشاد فرمایا: اے قوم اشقیا! اگر تمہارے

لیے میرا قتل کرنا جائز ہی ہو گیا ہے، یعنی اب تم نے طے کر لیا ہے کہ تم مجھے قتل ہی کر دو گے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے ایک رات کی مہلت دو، ایک رات کی تم ہمیں مہلت دے دو۔

کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ مہلت اس لیے مانگ رہے تھے کہ حضرت امام عالی مقام وہاں سے بھاگ جانا چاہتے تھے، کیا معاذ اللہ جان بچانا چاہتے تھے، دنیوی لحاظ سے ۲۳ ہزار فوج میں گھرے ہوئے تھے امام عالی مقام نہیں، بات یہ تھی اصل میں، صاف صاف فرما رہے تھے، میں یہ مہلت اس لیے نہیں مانگ رہا کہ مجھے ایک رات اپنی جان بچانی ہے، میں یہ مہلت اس لیے مانگ رہا ہوں کہ آج شب عاشورہ ہے، یہ دن اور یہ رات ساری قوموں میں برکت والی رات اور برکت والا دن گنا گیا ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ آج ہم اور ہمارے ساتھی آخری عمر کی آخری عبادت کریں، یہ رات پھر چاہے ملے یا نہ ملے، اس لیے آج رات کی ہمیں مہلت دے دی جائے، قوم اشقیا نے جواب دیا، اے ابن علی! ہم تمہیں مہلت نہیں دے سکتے، یہ بات سن کر ان میں کے ایک شخص نے جس کا نام شعبان قندی تھا، وہ کہنے لگا: تف ہے تمہارے اوپر، اگر تمہارا لشکر ضیغم کے کافروں پر پڑا ہوتا جا کر اور جہاد میں تم مصروف ہوتے، وہ تم سے ایک رات کی مہلت مانگتے، تو تم انہیں ایک رات کی مہلت دے دیتے، تعجب کی بات ہے کہ ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم سے ایک رات کی مہلت مانگ رہا ہے جب کہ تم نے ٹڈی دل گھیر لیا ہے پھر بھی تم ایک رات کی مہلت نہیں دینا چاہتے، چاروں طرف سے تھو تھو ہوئی تو آخر کار کہا: اچھا، ایک رات کی مہلت دی جاتی ہے آج۔

میرے یارو! میرے دوستو! وہ ایک رات کی مہلت جب ملی ہے تو تمہیں معلوم ہے آج محرم سن ۱۳۸۰ھ کی یہ شب عاشورہ ہے، جہاں بیٹھنا ہے بیٹھ جاؤ، یہ عاشور محرم سن ۱۳۸۰ھ کی آج رات ہے، میں تمہیں سن ۶۱ ہجری کی محرم کی دسویں رات کا قصہ تمہیں سنا رہا ہوں مہلت مل گئی ہے، ادھر کیا ہو رہا ہے؟ ہتھیار صاف ہو رہے ہیں، گھوڑوں کو ملا جا رہا ہے، تیروں کو زہر میں

بچھایا جارہا ہے، خنجروں پر دھاریں رکھی جارہی ہیں، نیزوں کی انی کو آزمایا جارہا ہے اور یہاں کیا ہو رہا ہے؟ خیمہ اہل بیت میں حضرت سیدنا زینب کبریٰ ثانی زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ضا ھما عنا مصلی بچھائے ہوئے عورتوں کی قیادت کررہی ہیں اور باہر سید الشہدا امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصلیٰ بچھائے ہوئے مردوں کی قیادت کررہے ہیں، پانی نہیں مل سکا ہے تو پاک مٹی سے تیمم کر لیے ہیں، اندر بھی تیمم ہوا ہے، باہر بھی تیمم ہوا ہے۔

امام ابو اسحاق اسفرائنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ رات بھر خیمہ اہل بیت سے ایسی آواز آرہی تھی جس طرح سے شہد کی مکھیاں بھنبھناتی ہیں، ایسی مکھیوں کی جو گونج ہوتی ہے اس طرح سے خیمہ اہل بیت ذکر الٰہی اور تسبیح وتہلیل سے گونج رہا تھا۔

میرے یارو! اور میرے دوستو! میں انصاف کے نام پر تم سے انصاف طلب کرتا ہوں، میں ایمان کے نام پر تم سے انصاف طلب کرتا ہوں، میں مظلومیٔ حسین کے نام پر تم سے انصاف طلب کرتا ہوں، حضرت سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جان رہی ہیں کہ کل صبح ہماری یتیمی کی صبح ہے، حضرت علی اکبر کو یقین ہے کہ آنے والا سورج ہمارے سروں پر یتیمی کا سایہ ڈالتا ہوا آئے گا، حضرت سیدنا امام عالی مقام کو یقین ہے کہ کل کے بعد سورج ہمارے اوپر نہیں نکلے گا، لیکن اس کے باوجود وہ سب کچھ بھولے ہوئے ہیں، انہیں صرف ایک بات یاد ہے کہ مہلت ایک رات مل گئی ہے ہمیں عبادت خدا کی، بندگیٔ خدا کی، اللہ کی یاد کی، جو مقصد تخلیق انسان ہے، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ جن وانسان کو ہم نے اس لیے پیدا کیا تا کہ وہ ہمیں پہچان کے ہماری عبادت کریں، جب انہیں یہ معلوم ہے تو سب بھولے ہوئے ہیں، خدا کی یاد میں لگے ہوئے ہیں۔

میرے یارو! میرے بھائیو! میرے بزرگو! میں ادب سے تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں، کہ محرم الحرام سن ۶۱ ہجری کی رات جیسے ان مظلوموں نے گزاری تھی، محرم الحرام سن

۱۳۸۰ ہجری کی رات کیا ان مظلوموں کی یاد منانے والے بھی ویسے ہی گزار رہے ہیں؟ میں اس سوال کے جواب کا طالب ہوں، تمہاری زبانوں سے طالب نہیں ہوں، تمہارے ضمیروں سے طالب ہوں حضرت سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ جان رہی ہیں کل صبح ہماری یتیمی کی صبح ہے، دسویں کی رات جیسے ان مظلوموں نے گزاری تھی محرم الحرام سن ۱۳۸ کی رات کیا ان مظلوموں کی یاد منانے والے بھی ویسے ہی گزار رہے ہیں؟ تم سے میں سوال کررہا ہوں کہ ذرا گریبان کے بٹن کھولو، اس کے اندر ذرا منہ ڈالو، اور منہ ڈال کر سوچو کہ تم مظلومیٔ حسین پر آنسو بہانے والے آج کی شب شہادت کیسے مناتے ہو؟

آج کی شب شہادت میں تم مجھے بتاؤ خدا کے واسطے، مجھے معاف کردیں میرے وہ بھائی، مجھے معاف کردیں وہ بہنیں جو آج دوعیدوں کے بعد محرم کی عید مناتی ہیں، اور اپنے بہترین کپڑے پہن کر وہ گھروں سے نکلتی ہیں، مردوں کے ساتھ نکلتی ہیں، مردوں کے بدون نکلتی ہیں اور نکل کر وہ شہر کے بازاروں میں ایسے گھومتی ہیں گویا کہ آج بمبئ شہر میں عید آئی ہوئی ہے اور پھر تمہیں معلوم ہے کہ جب حسن خدارا ہوتا ہے، جب حسن خدارا ہوتا ہے تو آنکھیں حسن بیں بھی، چشم حسن بیں بھی نظارے کے لیے سامنے آجاتی ہے، تم دعوت نظارا دو، تم شہد لاکر رکھو اور مکھی نہ آئے اس پہ، مونگی نہ لگے اس کو تو یہ تو بڑی عجیب وغریب بات ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ تم بن سج کر نکلو اور اس کے بعد مجھ کسی کم بخت جیسے کی آنکھ ایسے اٹھے، ہے موڑی کاٹا،!! دیکھا تم نے، ہمیں دیکھ رہا تھا۔

سبحان اللہ! کیا بات کہی ہے آپ نے، واہ واہ، آپ دکھانے کے لیے تشریف لائیں تب آپ کو لجا نہیں آئی، تب آپ کو شرم نہیں آئی، اب مجھے بتایئے کہ مرد تو مرد ہے، وہ تو عادت اس کی پڑی ہوئی ہے کہ چار طرف دیکھتا ہے، آزاد آنکھیں ہیں اس کی، لیکن تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا؟۔

امہات المؤمنین اپنے گھر میں بیٹھی ہیں، ایک نابینا صحابی ہیں جن کا نام حضرت ابن ام

مکتوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، نابینا ہیں، موذن ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے، گھر میں آنے کی اجازت چاہتے ہیں، تو امہات المؤمنین کہتی ہیں، بلا لیجئے، فرماتے ہیں، پردے میں ہوجاؤ تم، عرض کرتی ہیں کہ سرکار! وہ تو نابینا ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ تو دیکھتے ہی نہیں، تب پردہ کیا؟ ارشاد فرمایا: أأنتما عمیاان: یعنی کیا تم بھی نابینا ہو، کیا تم بھی اندھی ہو؟ کیا تمہارے آنکھیں نہیں ہیں، تم تو دیکھو گی انہیں؟

مجھے آپ بتایئے، جس قرآن نے تمہیں یہ تعلیم کیا: وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ قرآن نے کہا: اے مسلمان مرد! اے مسلمان عورتو! اپنی نگاہوں کو نیچی رکھو، اس قرآن کے ماننے والے اور ماننے والیاں آج رات کو یہ سمجھتی ہیں کہ شاید، آج رات یہ آیت قرآن میں سے اٹھالی گئی ہے آسمان میں۔

میرے دوستو! میرے بھائی! میری بات ذرا کڑوی ضرور لگ رہی ہوگی، مگر بات یہ ہے کہ سچی بات ذرا کڑوی ہی ہوا کرتی ہے، ایک بات مجھے یہ بتایئے خدا کی قسم! تمہیں معلوم ہے الحمد للہ! سنی ہوں، اور سنی بھی کیسا ہوں؟ ٹھکا ٹھکایا ہوا، مہر لگایا ہوا سنی ہوں خدا کے فضل وکرم سے، لیکن ذرا مجھے بتاؤ اللہ کے لیے، برا مت ماننا، یہ مت کہنا، لوگ صاحب، ہم نے تو اتنی محنت کرکے بنائی تھی اور آل مصطفی اپنی بحث کے اندر اس کا رد کرتا ہے، یہ جو تمہاری سبیلیں بنی ہوئی ہیں، میں سبیلوں سے مراد وہ سبیل نہیں لیتا جہاں مٹکوں میں پانی رکھا ہو، تم اس کی حفاظت کے لیے کھڑے ہو پانی ہو، شربت ہو، کاہے کی بھی سبیل ہو، عام لوگوں کی تم پیاس بجھا رہے ہو، ان کو پانی پلا رہے ہو، نیت تمہاری یہ ہے کہ پیاسی آتما پانی پیے گی، اس کا ثواب ملے گا، یہ ثواب عرض کریں گے، الٰہ العالمین! ایک پیاسے کو پانی پلایا، اس کا ثواب اگر کچھ عطا ہو تو اس کا ثواب ہمارے امام سیدنا حسین علیٰ جدہ الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر کردیا جائے،

میں اس سبیل کا ذکر نہیں کررہا ہوں، میں وہ پوچھ رہا ہوں، یہ جو بورڈوں میں سے ریلے نکلتی ہیں، میں وہ پوچھ رہا ہوں جو بھنڈی کے اوپر مٹکے لٹکتے ہیں، میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ جہاں بھان متی کے شعبدے دکھائے جاتے ہیں میں سچ کہنے والا ہوں، چوراسی علما جو تشریف لائے ہیں ان میں کے ممبئی کے صرف دو علما باقی سب باہر سے تشریف لائے ہوئے ہیں، آئے ہیں، بیانات کریں گے، تیرہ چودہ دن بمبئی میں، اس کے بعد تو یہ گشتی لوگ ہیں۔ سیاحین ہیں، سارے ہندوستان میں پھرتے ہیں، لیکن میں بے چارہ گھونٹی کی طرح یہاں گڑا کا گڑا ہی رہتا ہوں، میں تو کہیں ہلتا نہیں، تمہارے پاس رہتا ہوں، تمہارے پہلوؤں میں بیٹھا ہوا ہوں، خدا کے واسطے مجھے بتاؤ کہ بارہ برس میں بھی تم نے مجھے پہچانا یا نہیں پہچانا؟ اور بارہ برس سے میں تمہیں یہ کہہ رہا ہوں، اللہ کے واسطے اپنی حالتوں کی اصلاح کرو، خدا کے واسطے اغیار کو ہمارے حالوں پہ مت ہنسواؤ، تم یہ کھیل تماشے کرتے ہو نام حسین پر اور وہ نابکار جو صرف نام حسین سے جیتے ہیں، وہ آکر ہماری گردن پر ہاتھ رکھ کر پوچھتے ہیں کیوں!! سنی مولوی!! یہی تمہاری سنیت ہے؟ یہی ہے تمہاری سنیت؟ مجھے بتاؤ خدا کے واسطے! تم اپنے کردار سے اور اپنے کرتوت سے سنیت کو بدنام کرتے ہو، امام کے ایصال ثواب کے لیے ہزار صورتیں تھی، امام کے ایصال ثواب کے لیے شربت بناؤ، شربت پر سورۂ فاتحہ پڑھواؤ، خوب پیو اور خوب پلاؤ، اور اس پینے وپلانے میں جو تمہارے بیچ میں آئے اس سے کہہ دو کہ اپنی زبان بند کرلو، تم نہ خدا ہو نہ رسول ہو، اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کرنا تمہاری ہمت نہیں۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بچوں کی تمہیں یاد آرہی ہے آج کی رات اور کل کے دن، خوب کھانے پکاؤ، اللہ تعالیٰ تمہیں حلال کی روزی دے، غربا کو کھلاؤ، مساکین کو کھلاؤ، یتامیٰ کو کھلاؤ، بیوگان کو کھلاؤ، جن بے چاروں کو سوکھی روٹی سال بھر نہیں ملتی، تمہارے یہاں سے حلوے کا ایک ٹکڑا پاجائیں گے، سال بھر جن کو سوکھی روٹی کی عادت ہے، آج یہ حلوہ کھا کر ان کی

آتما جو خوشی نکلے گی، مومن کو خوش کرنا جسے کہتے ہیں، خدا کی قسم!

دل بدست آور کہ حج اکبر است ز ہزار کعبہ یک دل بہتر است

دل کو ہاتھ میں لو، ہزاروں کعبوں سے ایک دل اچھا ہے، اس غریب کا دل تم نے خوش کیا تمہارا دل خدا خوش کرے گا، میں کب کہتا ہوں کہ یہ چیزیں ناجائز ہیں، اس طرح سے نام امام کیوں نہیں لیتے، کل عاشورہ کا روزہ رکھو، کل نوافل پڑھو، نفلیں پڑھتے جاؤ اور اس کے بعد اپنے ثواب کو امام عالی مقام کے لیے وقف کرتے جاؤ، روزہ رکھو، اس کے ثواب کو امام عالی مقام کی نذر کرتے جاؤ، تلاوت قرآن کرو، تلاوت دلائل الخیرات کرو، درود شریف پڑھو، میلاد شریف کراؤ، وعظ کی محفلیں لگاؤ اور ان کا ثواب امام عالی مقام کو دو، کسی بیوہ کو کپڑے بنادو، کسی یتیم کی اسکالرشپ تعلیم جاری کرادو، کسی سنی دارالیتمیٰ، سنی مدرسے کے طلبہ میں اپنی حلال کی کمائی صرف کردو، کوئی مسجد سنیوں کی ٹوٹی ہوئی ہو اس کی مرمت کرادو، اس کی مرمت کرانے والوں کی سہائتا کرو، اور ان سب کا ثواب امام عالی مقام کو دو تو یہ تمہارا سچا عاشورہ، یہ ہے عاشورہ، یہ ہے عاشورۂ محرم، یہ ہے سچا عاشورہ۔

عشرۂ محرم لہو ولعب کے لیے نہیں، عشرۂ محرم کھیل تماشے کے واسطے نہیں، عشرۂ محرم اس لیے نہیں ہے کہ اس کو تم چہل پہل کا ایک دن منالو، یاد رکھو، سوچو بیٹھ کر، وہ ہماری بہنیں جو آج رات کی چہل پہل میں نکلتی ہیں، کل قیامت کے دن حضرت سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے نانا جان کا دامن پکڑے ہوئے جب یہ عرض کررہی ہوں گی، نانا جان!! عاشورہ کی رات ہمارے اوپر ایسی گزررہی تھی کہ ہم پر یتیمی کا داغ لگنا یقینی تھا، ہم کو اپنی جانوں اور اپنی عزتوں کا خطرہ تھا، مگر ہم سب بھولے ہوئے آپ کے رب کی عبادت کررہے تھے، الٰہ العالمین کے رسول، میرے نانا جان! آپ اپنی امت سے پوچھ کر ہمیں بتایئے کہ ہماری یتیمی کی یاد کرنے والوں کرنے والیوں نے یہ راتیں دنیا میں کیسی منائی تھیں، مجھے بتاؤ حضرت سکینہ کی اس فریاد کا

تمہارے پاس کیا جواب ہے؟

تم اہلے گہلے جب پھرتی ہو تو تمہیں معلوم ہے کہ آج کی رات غنڈوں کی بن آتی ہے، تمہاری یہ عرسوں میں پھرنے والیاں!! تم مخدوم مہائمی کے عرس مبارک کو بدنام کرتی ہو، خدا کی قسم!! عرس میرے سرآنکھوں پر، عرس میرا جزوِ ایمان ہے، لیکن عرسوں کے اندر تمہاری یہ چہل پہل، کیسی چہل پہل، ادھر سے اس نے تاکا، دو ہیں ایک ادھر ہے ایک ادھر ہے، اس نے کہا، دیکھنا، ادھر سے آرہی ہے تو آگے سے ماردھکا، میں پیچھے سے مارتا ہوں، عیب جوئی نہیں بالکل؟ حقیقت حال یہ ہے، اس میں مبالغہ نہیں ہے صرف کہنے کی بات نہیں ہے، یہ صرف اس لیے نہیں ہے کہ تمہیں بات سناؤں اور تم سنو، یہ سچی بات میں کررہا ہوں ایسا ہی ہوا کرتا ہے، اور ہر سال تم سنتے ہو کہ میلے میں یہ ہوگیا، وہ ہوگیا، کیا ہوگیا اور کیا ہوگیا آج بتاؤ مجھے، آج عاشورۂ محرم کی اصلاح کرنے کے لیے میں اگر قدم بڑھاؤں تو مجھے اس مجمع میں لبیک کہنے والا کوئی ہے؟ میں اگر محرم کے عاشورے کی اصلاح کا قدم بڑھاؤں، میں اگر یہ اعلان کروں کہ اب عاشورۂ محرم شرعی منایا جائے گا، تمہیں معلوم ہے کہ یہی وہ محلہ ہے، جمنا پوچرا اسٹریٹ، اور یہی میرے نوجوان ہیں، یہی میرے بھائی ہیں، حالاں کہ یہ بے چارے پڑھے لکھے نہیں ہیں زیادہ، یہ تو چھری کے ماہر ہیں، سیدھی بھی چلاتے ہیں، ٹیڑھی بھی چلاتے ہیں، نیچے بھی چلاتے ہیں، اوپر بھی چلاتے ہیں، بکری پر چلاتے ہیں، اور موقع آجائے کوئی دشمن اسلام کا اس پر بھی چلادیں، تو یہ تو بھائی چھری کے ماہر ہیں لیکن یہی جمان پوچرا اسٹریٹ کے بچے ہیں، میں نے ان سے عرض کیا میرے بچو! میری بات پر کان رکھو، حضرت بابا عبدالرحمن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا صندل جمنا پوچرا اسٹریٹ سے نکلتا ہے، ممبئی کے صندل تم نے سنے ہیں؟ اللہ! اللہ!! خدا کی قسم! جب ممبئی کے صندل نکلتے ہیں، بابا عبدالرحمن اپنی قبر میں کھڑے ہوکر کہتے ہیں، میں سچ کہتا ہوں، میری یہ روحانی آنکھیں، یہ جسمانی آنکھیں نہیں، میری روحانی آنکھیں دیکھتی ہیں، کہ بابا عبدالرحمن اپنی مزار میں کھڑے

ہوکر کہتے ہیں:

اے خدا! تو سمجھ لے ان کو، جو میرا نام بدنام کررہے ہیں، ان کو سمجھ لینا، ان کو نیک توفیق عطا فرما، یہ میرا صندل چڑھانے آتے ہیں، ہجڑے نچاتے ہیں، کہتے ہیں صاحب ہجڑے نہ ناچیں تو وہ صندل صندل ہی نہیں ہے، وہ صندل کیا؟ لطف نہیں آتا، جب تک کہ صدنیں اس کے اندر ڈھولک نہ بجائیں، اس کا نام صندل رکھنا بیکار ہے، مجمع نہیں ہوتا، رش نہیں ہوتا۔

خدا کی قسم!! جمنا بوڑ اسٹریٹ کے میرے بچوں نے ایسا کہنے والوں کے منہ پر طمانچہ مار دیا، انہوں نے کہا غلط ہے یہ بات، ہم نکالتے ہیں صندل، یہ صندل ہے جس میں ہجڑے نہیں ناچیں گے، یہ صندل ہے، جس میں صدنیں نہیں ناچیں گی، یہ صندل ہے جس میں ڈھول نہیں بجے گا، یہ صندل ہے جس میں باجا نہیں ہوگا، بس صندل میں صلاۃ اللہ ہوگی، ''یا نبی سلام علیک ہوگا'' الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' کے نعرے ہوں گے ''صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا'' ہوگا ''مصطفی جان رحمت پہ لاکھوں سلام'' ہوگا، ایسا یہ صندل نکلا اور تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے اس غلام نے جو ممبئی کے بازاروں میں نکلنا پسند نہیں کرتا ہے مگر میرے بچے آئے، کہا صدنیں نہیں ہیں، ہجڑے نہیں ہیں، میں نے کہا جب ہجڑے نہیں ہیں تو مرد ہوگا پھر ساتھ، ہجڑے نہیں ہیں تو پھر مرد ساتھ چلے گا، تم ہجڑوں کو رکھوگے تو بھیا! مرد ساتھ نہیں دے سکتا، الحمد للہ! خدا کے فضل وکرم سے صندل نکلا، بڑے آب وتاب سے نکلا، نعت پاک کے ساتھ نکلا، درود کے ساتھ نکلا، سلام کے ساتھ نکلا اور ہم نے بہت ہی آب وتاب کے ساتھ لے جا کر سرکار بابا عبد الرحمن کے مزار اقدس پر اپنا نذرانہ چڑھادیا، مخدوم مہائمی کی مزار پر ہماری چادر جاتی ہے، آل سنی جمعیۃ العلماء کا نذرانۂ عقیدت مخدوم کوکن کی بارگاہ میں ہر سال حاضر ہوا کرتا ہے، آٹھویں جمادی الاُخرہ کو جاتا ہے اور آپ کا یہ غلام، آپ کا یہ خادم، آپ کی جوتیوں کا یہ اٹھانے والا آگے آگے وہ چادر مبارک لیے ہوتا ہے، نہ اس میں باجا ہوتا ہے، نہ اس میں گانا ہوتا ہے، اس میں

صلاۃ وسلام ہوتا ہے، فاتحہ پڑھا جاتا ہے، قرآن پڑھا جاتا ہے اور اس طرح سے تبلیغی طور پر اس میں مضامین تبلیغ اسلام بیان کیے جاتے ہیں یعنی معنی یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو کام یہ بزرگ اپنی ظاہری زندگی میں کررہے تھے وہی کام ہم ان کا نام لینے والے ان کی ظاہری زندگی کے بعد بجالائیں، تبلیغ اسلام ان کا اصل کردار تھا، تبلیغ اسلام ان کا اصل کیریکٹر تھا، تبلیغ ان کا اصل کردار تھا، کرتے کرتے دنیا سے چلے گئے اور ہمیں یہ امانت عطا کرگئے کہ ان کے جانے کے بعد اب اس امانت کی حفاظت کرنا یہ ہمارا فریضہ ہے، یہ ہماری ڈیوٹی ہے اور الحمدللہ!! یہ فریضہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء اور اہل سنت وجماعت کی دیگر محفلیں، اہل سنت وجماعت کی دیگر مجلسیں بخوبی انجام دیا کرتی ہیں۔ یہ ہے سچا عاشورہ، یہ ہیں سچے عرس اور یہ ہے اچھی صندل۔

بات زیادہ ہورہی ہے، اس لیے میں اب عنوان بیان کو آگے لے جارہا ہوں، عاشورے کا بیان میں نے آپ کے سامنے پیش کردیا، عاشورہ کی برکتیں میں نے آپ کو دے دیں۔ اب میں آپ کو تھوڑا سا یہ بتاؤں کہ شہادت کسے کہتے ہیں؟ شہادت کے معنیٰ کیا ہیں؟ میرے دوستو! میں شہادت کو تمہارے سامنے یہ جو بھنڈی بازار میں ایک آنے کی وہ چوپڑی ملتی ہے، عجیب عجیب نام کی، قصۂ بیر مؤنہ، قصہ بیر الم، قصہ جنگ جناں، قصہ جنگ حنیف، عجیب عجیب نام کی چوپڑیاں ہیں، نہ ان کا صحیح کتاب میں پتہ، نہ کسی معتبر حدیث میں ان کا ذکر ہے۔ اور یار لوگ ہیں کہ اسے پڑھ پڑھ کر ادھر ادھر کی باتیں آکر ہم سے پوچھتے ہیں، ہم نے ان سے کہا کہ بھائی! اللہ کے فضل وکرم سے سچے ذخیرے ہمارے پاس کیا کم ہیں، جو تم ان جھوٹے ذخیروں کے اوپر اتنا بھروسہ کرتے ہو، آؤ ہم تمہیں سچے قصے بتائیں، سچی روایتیں ہم تمہیں دیں، ثواب بھی پاؤ اور کچھ تبلیغ اسلام کا کام بھی انجام دو۔

میرے دوستو! مشہور کتاب ہے حنفیوں کی، جس کا نام ہے فتاویٰ شامی، جس کا نام ہے رد المحتار، باب الشہادۃ لکھتے ہوئے حضرت علامہ محمد ابن عابدین شامی شہادت کی تعریف کرتے

شہید کی تعریف کرتے ہیں کہ شہید کسے کہتے ہیں؟ شہید کا کیا معنی ہیں؟ وہ یہ لکھتے ہیں کہ کہ لفظ شہید یا تو شہادت سے نکلا ہے یا شہود سے نکلا ہے، شہات اور شہود دو لفظ یاد رکھنا، شہید کے ماخذ دو ہیں شہادت یا شہود، شہادت کے کیا معنی ہیں؟ گواہی دینا، میری بہنو! آسانی کے ساتھ سنو، یہ تمہارے بھائی آل مصطفی کے زبان کی شہادت ہے، شہادت کے معنی ہیں گواہی دینا اور شہود کے معنی ہیں ظاہر ہونا، حاضر ہونا اور گواہی دینا۔ تم کہو گے بات سمجھ میں نہیں آئی، شہید گواہی دیتا ہے، شہید حاضر ہوتا ہے، یہ بات نہیں آتی سمجھ میں، سمجھو، شہید گواہی دیتا ہے کیسے گواہی دیتا ہے، جب قیامت میں داور محشر کے سامنے حاضر ہوگا شہید، تو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اس کے بدن پر تازہ زخم ہوں گے شہادت کے اور ان زخموں سے تازہ خون بہہ رہا ہوگا اور مشک وعنبر کی خوش بو ان سے آرہی ہوگی، گویا کہ شہید مجسم شہادت بن کر آئے گا اللہ کے سامنے، مجسم گواہی بن کر آئے گا اپنے خدا کے سامنے، الٰہ العالمین! یہ گلستان بدن میں جو پھول کھلے ہیں زخموں کے، چمن جسم میں جو یہ غنچے کھلے ہیں زخموں کے، یہ کچھ ہماری زن، زر، زمین کی لڑائی میں زخم نہیں لگے تھے، بلکہ حق کو پھیلانے میں، حق کو کہنے میں، حق کو سننے میں، اور حق کا نعرہ بلند کرنے میں یہ زخم ہم نے باطل پرستوں کے ہاتھ سے کھائے تھے، تو مجسم گواہی بن کر شہید اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور شہود کے معنی اگر شہید کے لیں، شہود کے معنی ہیں حاضری، تو معنی یہ ہوئے کہ جیسے ہی زخم لگا، جیسے ہی کٹا، بس وہ تو ایک ذرا سا چرکا تو لگتا ہے اور فوراً ان کے سامنے ان کے وہ مدارج جو ان کا رب انہیں جنت میں عطا فرمانا چاہتا ہے، سب ان کے سامنے حاضر کر دیے جاتے ہیں، وہ سارے مدارج ان کے سامنے پیش کر دیے جاتے ہیں، فرما دیا جاتا ہے، نہ گھبرا، بے شک زخم کی تکلیف ہے، سر کٹ گیا ہے تمہارا، زخموں سے تمہارا بدن چور ہوگیا ہے، مگر دیکھنا ان زخموں کے بدلے میں نے تمہارے لیے کیا تیاری کی ہے، یہ اعلیٰ علیین ہے، یہ نعیم فردوس ہے یہ فردوس جنت ہے، یہ آٹھواں درجہ ہے، دیکھو اے شہدائے کرام! ہم نے تمہیں انبیا

کے پائیں میں جگہ دی ہے، صدیقین کے بازو میں جگہ دی ہے اور صالحین کے سر پر ہم نے تمہیں جگہ عطا فرمائی ہے، تو شہید کے معنی شہود کے آتے ہیں۔

شہید کے لیے فرماتا ہے مولیٰ تبارک وتعالیٰ:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ ارشاد فرماتا ہے: اے لوگو! ہرگز ہرگز ان لوگوں کو جو راہ خدا میں جانیں دے چکے ہیں، خدا کے راستے میں قتل ہو چکے ہیں انہیں مردہ مت سمجھنا، انہیں مردہ مت کہنا۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شہید کی روح اس کے جسم سے جیسے ہی جدا ہوتی ہے مولیٰ تبارک وتعالیٰ اس کو نئی زندگی عطا فرما کر پرندوں کے صورتوں میں عرش کے گرد اتار لیتا ہے، فرماتا ہے: انہیں مردہ مت سمجھنا انہیں مردہ مت کہنا، وہ زندہ ہیں، وہ زندہ ہیں، وہ زندہ ہیں، يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ وہ زندہ ہیں انہیں روزی دی جاتی ہے اللہ کی طرف سے، جو مانگتے ہیں انہیں ملتا ہے اور اللہ نے جو انہیں اپنے فضل سے دیا ہے بڑے خوش با خوش ہیں اس میں، وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ اور ابھی جو لوگ نہیں آکے ملے ان سے، ان کے مقابلے میں وہ تن تن کے کہتے ہیں کہ بشارت ہو تمہیں، ادھر گلا کٹا، اب یہاں کل کا نہ کوئی رنج ہے نہ آج کا کوئی ڈر ہے، يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بشارت دیتے ہیں اللہ کی نعمت اور اللہ کا فضل ہمارے سروں پر چھایا ہوا ہے اور اللہ مسلمانوں کی مزدوری کو ضائع نہیں کرتا۔

اے میرے دوستو! شہید کے متعلق میں نے تمہیں یہ ایک معمولی سا جملہ بتا دیا ہے اس لیے کہ میں اگر شہادت کو تفصیل سے بیان کروں تو ہمارے پاس وقت اور تنگ ہوجائے گا، لہٰذا اب میں شہید محرم، شہید عاشورہ، شہید اعظم، شہید انسانیت، شہید حریت، شہید آزادی سیدنا امام

عالی مقام کی شہادت پر تھوڑی سی روشنی ڈالتا ہوں۔

تمہیں معلوم ہے کہ میں نے سالوں شہادت ایسے بھی بیان کی ہے کہ جیسے معلوم ہو کہ ایک سلسلے کے ساتھ میں کتاب پڑھ رہا ہوں، روایت ہے کہ حضرت امام مسلم کعبے سے چلے، کوفے میں گرفتار ہوئے، شہید کردیے گئے، دونوں بچے ان کے پکڑے گئے، میں نے ایسے بھی شہادت بیان کی ہے، اب آپ سے سچ کہتا ہوں کوئی مبالغہ کی تو بات نہیں، کان پکڑ کر کے، تمہارے جوتوں کی خاک اپنے ماتھے پہ لگا کر کہتا ہوں کہ تمہارے ممبئی میں جو علمائے کرام آتے ہیں میرے آقا ہیں وہ سب میرے بڑے بڑے بزرگ ہیں، میرے بڑے بڑے ذی عزت ہیں انہیں کی جوتیوں کے صدقے میں اگر شہادت کو لفظ لفظ بھی سننا چاہے تو ان شاء اللہ آل مصطفی لفظاً لفظاً بھی سنائے گا اور اگر شہادت کو معناً معناً سننا چاہے تو معناً معناً بھی تمہیں شہادت سنائے گا۔

چوں کہ میں کل کہہ چکا ہوں کہ یہ آل مصطفی کی باتیں ہیں تو آل مصطفی کی زبان سے تم سن رہے ہو، آل مصطفی کی کہانی ہے آل مصطفی کی زبانی ہے۔ میرے گھر کی باتیں ہیں اس واسطے یاد رکھو، مثل ہے: اهل البیت ادری بما فیه، گھر کی بات کو گھر والا زیادہ جانتا ہے، بے شک امام عالی مقام تمہارے امام ہیں، امام عالی مقام تمہارے پیشوا ہیں، امام عالی مقام تمہارے مقتدا ہیں، تمہارے رہ بر ہیں، امام عالی مقام پر تم جان چھڑکتے ہو، میں بھی چھڑکتا ہوں، میرے بھی پیشوا ہیں، میرے پیر بھی ہیں، میرے رہ بر بھی ہیں، میرے رہ نما بھی ہیں، میرے آقا بھی ہیں اور میرے باپ بھی ہیں، جیسا بھی ہوں، نابکار ہوں، گنہ گار ہوں، سیہ کار ہوں، بدکار ہوں، لیکن بہر حال ان رگوں میں خون حسین جاری ہے، امام زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور والا کے چھوٹے پوتے، امام زین العابدین کے چھوٹے بیٹے وہ میرے جد امجد ہیں، زیدی سید ہوں، حسینی نسل کا ہوں اور آج تک الحمد للہ رب العالمین! میری نسل کے خون میں حسینی خون کے سوا دوسرا خون نہیں شامل ہوا ہے، تو آج میں سیدنا امام عالی مقام کی جو باتیں

کر رہا ہوں، یہ میرے گھر کی باتیں ہیں، مگر ذرا اس کو رنگ کے ساتھ سنو، میں کہانی نہیں کہنا چاہتا، میں فسانہ نہیں دہرانا چاہتا، میں کوئی تمہارے سامنے فکشن نہیں پڑھ رہا ہوں، میں تمہارے سامنے کوئی ڈرامہ نہیں بتا رہا ہوں، میں تو تمہیں ایک ایسی حقیقت بتا رہا ہوں کہ جو امام عالی مقام نے ہمارے واسطے کیا، اور قیامت تک کے لیے زندۂ جاوید بنا کر اسے ہمارے لیے چھوڑ دیا، امام عالی مقام کی گردن کٹی، امام عالی مقام نے گردن کٹائی، بے شک کٹی گردن اور کٹائی امام نے، لیکن اس کٹی ہوئی گردن نے ہزاروں گردنیں جوڑ دیں، بلکہ میرے یارو! ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دیے امام عالی مقام نے جو اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے۔

ان یزیدیوں کی میں بات نہیں کر رہا، جو آج اس چودھویں صدی میں دوبارہ یزیدیت کو زندہ کرنا چاہتے ہیں، ان سے کہہ دینا یزیدیت زمانہ ہوا اپنی موت آپ مر چکی ہے، اگر تم کچھ ناخلف اولاد یزید کی ابنیت کے نام سے پیدا ہوئے ہو، شوق سے، آزادی کا زمانہ ہے، تم یزیدیت زندہ کرو، ہم حسینیت کو زندہ کرنے کی کوشش نہیں کریں گے، وہ تو زندہ ہے، مردوں میں جان ڈالتی ہے، حسینیت تو ہمیں زندہ کرا ہی ہے، ہم حسینیت کو کیا زندہ کریں گے، تم اپنے سر سے لے کر پیر تک ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کوشش کرو کہ یزیدیت زندہ ہو جائے، ہم چیلنج کرتے ہیں تمہیں، تم میں کے اگر ایک ہزار انسان ممبئی میں یزید بن کر تیار ہو جائیں مگر شرط ہے مرد بن کر آنا پڑے گا، مرد بن کر آنا پڑے گا، ہم جب آگے آئیں، آل مصطفی حسینی کہہ کے جب میں آگے آؤں، تب تمہیں بھی محمود احمد عباسی کہہ کے نہیں، محمود احمد یزیدی کہہ کے آنا پڑے گا سامنے، عباسی کے پردے میں نہیں آؤ گے تم، تم یزیدی کہہ کر آؤ گے، تم یہ کہہ کر آؤ گے کہ سیدنا شمر بن جوشن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پیشوا ہیں، تم یہ کہہ کر آؤ گے کہ سیدنا یزید علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے مقتدا ہیں۔ تم یہ کہہ کر آؤ، میں یہ کہہ کر آؤں گا کہ سیدنا امام حسین علیٰ جدہ الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میرے پیشوا ہیں، آجاؤ!! پیشواؤں کو پیشواؤں کے مقابلے میں اور مقتدیوں کو

مقتدیوں کے مقابلے میں ٹکراؤ۔

ارے دوستو! قرآنی خاک کو زندہ کرنا چاہتے ہو، ان ہڈیوں میں جان ڈالنا چاہتے ہو، جن ہڈیوں کی زندہ برکت اللہ نے اٹھا لی تھی، مردہ میں تم کیا جان ڈالو گے؟ امام حسین زندہ ہیں اور ایسے زندہ ہیں کہ ان کی زندگی سے لاکھوں زندگیاں وابستہ ہیں، ایک دن بے چارے چار کوّے بیٹھے ہوئے تھے، بھوکے تھے چار چھ روز کے، تو دونوں پنجے اٹھا کر کہہ رہے تھے، یا اللہ! ڈھور مرے، پیٹ بھرے، ڈھور مرے، پیٹ بھرے، کیا کہہ رہے تھے؟ یا اللہ! ڈھور مرے، ڈھور کے معنی ہیں جانور بیل بکرا، کوئی مرے، جنگل میں ڈالا جائے تو جا کے اس میں سے نوچ کے کھانے کو ملے، تو دعا کر رہے تھے پنجے اٹھا کر کوّے، ڈھور مرے، پیٹ بھرے، تو کسی نے کہا: کوّے کو سے ڈھور نہیں مرا کرتے، تمہارے کہنے سے حسینیت نہیں مرے گی، تم خلافت یزید جیسی لاکھوں کتابیں لکھو، یزید لیٹریچر کو، تمہیں قسم ہے اپنے یزید کی، تمہیں قسم ہے اپنے یزید کی، یزید لٹریچر کو، تم قرآن لکھنا اور چھاپنا بند کردو، بخاری لکھنا اور چھاپنا بند کردو، قرآن کا پڑھنا اور پڑھانا بند کردو، صرف ''خلافت معاویہ و یزید'' پڑھو، چھاپو اور پڑھائے جاؤ، پھر دیکھنا ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اسپرنگ ہیں جتنا دباؤ گے اتنا اونچا اٹھیں گے، جب تم لکھو گے، جب تم قرآن بند کر کے یزیدی نامے گاؤ گے تو ہم قرآن سے حسینیت ثابت کریں گے، جب تم بخاری کو پس پشت ڈال کر یزیدیت کے نامے گاؤ گے تو ہم بخاری سے ثابت کریں گے حسینیت۔

اللہ اللہ! بخاری کی ایک حدیث سناؤں تمہیں۔ تم ذرا یزید کے متعلق بخاری کی ایک حدیث سنو، پھر شمر بن جوشن کے متعلق بخاری کی ایک حدیث سنو، میں سناتا ہوں تمہیں، سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کھڑے ہیں، ایک عراق والا آتا ہے اور آکر کہتا ہے کہ اے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما! ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں میں آپ سے، کہا: کیا مسئلہ پوچھتے ہو؟ کہا مسئلہ یہ پوچھتا ہوں کہ مچھر کا خون نجس ہوتا ہے یا پاک ہوتا ہے؟ ایک روایت میں ہے ترمذی کی

کہ اس نے آکے یہ پوچھا کہ بتایئے اگر حج کا میں نے احرام باندھا ہے تو مکھی کو مارنا جائز ہے یا ناجائز؟ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خیال کیا، بڑے تم متقی اور پرہیزگار ہو، اللہ اکبر! تقویٰ کی قبر پر لات ماردی انہوں نے، مچھر کا خون نجس ہے، ناپاک ہے یا پاک ہے؟ بڑا تقویٰ اونچا ہے آپ کا، کہا: اچھا یہ بتاؤ!! کہاں کے رہنے والے ہو تم؟ کہا: جی، میں عراق کا رہنے والا ہوں، اتنا سننا تھا کہ عبداللہ بن عمر نے لوگوں سے کہا: ذرا اس کی صورت ملاحظہ فرمایئے!! یہ آج ہم سے مکھی اور مچھر کا مسئلہ پوچھنے آئے ہیں کہ مچھر کا خون نجس ہے یا پاک ہے؟ مکھی کا خون بہانا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ لیکن ان عراقیوں نے ابن رسول اللہ کا خون بہاتے ہوئے نہیں پوچھا فتویٰ کسی سے کہ رسول اللہ کے لیے بیٹے کا خون بہانا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ یہ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے کی کیا شان ہے، یہ سب نہیں پوچھنے آئے تھے، چلا جا میرے سامنے سے۔

سوچو بیٹھ کر، سوچ کر بتاؤ کہ خلافت یزید میں یہ جھلک ہے کہیں؟ یہ حدیث بیان کی تم نے؟ نہیں بیان کی، چور ہو تم، خائن ہو، غاصب ہو، تم نے یہ حدیث کیوں نہیں بیان کی؟ عوام کے سامنے بخاری کی یہ حدیث کیوں نہیں لائے تم؟ لاتے تو لوگوں کو یہ معلوم ہوجاتا کہ امام عرش مقام کا وہ مرتبہ ہے کہ عبداللہ بن عمر نے بہت برسوں کے بعد ان کے قاتلوں کے شہر کے رہنے والوں کو ڈانٹ دیا تھا، یہ حدیث تم نے کیوں نہیں پیش کی؟ پردہ کیوں ڈالا اس حدیث کے اوپر؟ اس لیے کہ اس سے فضیلت نکلتی تھی امام عرش مقام کی، مگر یاد رکھو، سورج پہ پردہ ڈالنے سے پردہ نہیں پڑا کرتا ہے۔

ایک بیوقوف آدمی کھڑا ہوا تھا، تو چاند نکلتا دیکھ کر اس نے تھوکر کے تھوک دیا چاند پر، اچھا، بڑے خوش تھے تھوک کر، بڑے زور سے چاند پر تھوکر کے تھوکا تھا، بڑے خوش تھے کہ چاند پر تھوک دیا، بعد میں دیکھا کہ مرے گال پر کیا آپڑا؟ ٹٹولا تو معلوم پڑا کہ بلغم کا غوطا جو تھوکا تھا چاند

کے اوپر وہاں سے پلٹ کر وہ منہ پر آ گیا ہے، تم چاند پر تھوکنا چاہتے ہو، اس سے پیشتر بھی لوگ تھوک چکے ہیں، ابلیس نے مہتاب آدمیت پہ تھوکا تھا، قوم نوح نے آفتاب نوحیت پر تھوکا تھا، نمرود نے ابراہیمیت پہ تھوکا تھا، فرعون نے موسویت پہ تھوکا تھا، بادشاہ روم نے عیسویت پہ تھوکا تھا، ابوجہل وابولہب نے محمدیت پہ تھوکا تھا، یزید نے حسینیت پہ تھوکا تھا اور غلام یزید حسینیت پر تھوک رہے ہو۔ مگر یاد رکھنا جس طرح سارے تھوک لوٹ کر منہ پر آ گئے تھے، تمہارا ابھی سارا تھوک تمہارے منہ پر لوٹ آئے گا، حسین زندہ ہیں، حسینیت زندہ ہے، اور اتنا یاد رکھو جو زندوں کے ساتھ گھل مل جاتا ہے وہ کبھی مرا نہیں کرتا، ہم نے زندوں کا دامن پکڑ لیا ہے، ہمارا خدا زندہ ہے ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، ہمارے نبی زندہ ہیں، ان کی زندگی کے ساتھ دنیا کی زندگی بندھی ہوئی ہے، تم یاد رکھنا کہ ہمارا حسین بھی زندہ ہے، تو بھلا وہ کیسے گوارا کریں گے کہ ہمارے غلام مر جائیں نہیں!! ہم بھی نہیں مر سکتے، اس لیے کہ ہم ان کی زندگی کے نغمے گاتے ہیں اپنے مجموعوں کے اندر۔ (درود شریف)

روایت فرماتے ہیں صحیح روایت میں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام حسین کی زبان کو ایسے چوستے جیسے کھجور چوسی جاتی ہے، بتاؤ خدا کے واسطے کہ جس بچے نے نبی کی زبان چوس کر پرورش پائی ہو، اس کے علوم، اس کی شرافت کا، اور اس کی عظمت کا کیا ڈھکانا ہے؟ اور یہ آدی باسی مردود احمق یوں لکھتا ہے اپنی اس ناپاک کتاب کے اندر کہ معاذ اللہ! حضرت سیدنا امام عالی مقام نے یزید پر بغاوت کی تھی، یزید پر خلیفہ رسول اللہ لکھا ہوا ہے، متفق علیہ خلیفہ رسول اللہ، معنی یہ ہوئے کہ ابوبکر صدیق تو متفق علیہ نہیں تھے، امام فاروق تو خلیفہ رسول اللہ متفق علیہ نہیں تھے، عثمان غنی تو متفق علیہ نہیں تھے اور علی مرتضیٰ کو تو خلیفہ مانتا ہی نہیں ہے، وہ کہتا ہے کہ امیر معاویہ بھی خلیفہ متفق علیہ نہیں تھے، مگر یزید اس کا خلیفہ ایسا ہے جو بالکل متفق علیہ تھا، میں سوچتا ہوں کہ یزید تھا، خلیفہ رسول اللہ نہ تھا، وہ تو خلیفہ ابلیس لعین تھا اور یہ مردود احمق آدی باسی

اس کا خلیفہ ہے، سمجھے یا نہیں؟

کل تمہیں میں نے سمجھا دیا تھا کہ خلیفہ میں اپنے اصل کی جھلک ہونی چاہیے، لہٰذا اس بے چارے آدی باسی میں بھی جھلک موجود ہے اپنے اصل کی، وہ بھی یزیدی رنگ میں رنگا ہوا ہے، تو میرے دوستو!!! سچی بات یہ ہے، اپنے چھاچھ کو کون کھٹا کہتا ہے، لہٰذا وہ یزید کی تعریف کرتا ہے، ہم حسین کی تعریف کرتے ہیں تو ہم حسینی ہیں، وہ یزیدی ہے، میں تو اس کو خط لکھنے والا ہوں کہ بڈھن اب تم اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو گئے مگر اپنی اولاد کو وصیت کر جاؤ کہ اب سے جو بچے تمہارے خاندان میں پیدا ہوں خبردار ان کا نام یزید، شمر، ابن سعد رکھ دینا، معلوم تو ہو کہ تم یزید والے ہو۔ اللہ اکبر!!

سیدنا امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا ناف سے لے کر پیر تک سراپا مشابہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور حضرت سیدنا امام حسن سر سے لے کر سینے تک مشابہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے۔ میں نے تمہیں کئی بار یاد دلایا ہے اور ایک بار پھر یاد دلاتا ہوں کہ پرانے زمانے میں کبھی ایسا ہوتا تھا کہ خفیہ خط لکھے جاتے تھے، آج کل تو کوڈ ورڈ نکل آیا ہے، کنجی نکل آئی ہے، اس کے بل بوتے یہ راز کے خط لکھے جاتے ہیں، پرانے زمانے میں بھی کوڈ ورڈ ہوا کرتا تھا، اور اس کے بہت سے طریقے تھے، مثلاً عاشق و معشوق آپس میں خط و کتابت کر رہے ہیں، چاہتے ہیں کہ تیسرا ہمارے خط کو نہ دیکھنے پائے، تب کیا ہوتا ہے، عاشق خط لکھ رہا ہے، اپنے معشوق کو، اب اس نے دو ورق لے لیے، دو سادہ ورق لے لیے اب اسے لکھنا ہے مثلاً ہمارے دل کی مالک، اب وہ اسے کیسے لکھے گا، ایک ورق پہ لکھے گا ہمارے کی چھوٹی ہائ، دوسرے صفحے پر لکھے گا ہمارے کی میم، چھوڑ دیا یہیں، اب پہلے صفحے پر لکھے گا ہمارے کا الف، تو دوسرے صفحے پر لکھے گا ہمارے کی رائ، پہلے پر لکھے گا ہمارے کی ے، پھر دوسرے پہ لکھے گا دل کی دال۔



خطبۂ صدارت

سید العلماء حضرت علامہ سید آل مصطفیٰ سید میاں قبلہ
صدر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ممبئی
برموقع: آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کانفرنس کانپور
بتاریخ: ۱۔۲۔۳ نومبر ۱۹۶۳ء **بمقام:** گراؤنڈ حلیم کالج کانپور
زیر اہتمام: سنی جمعیۃ العلماء کانپور

علمائے اہل سنت، مشائخ طریقت، اعیان ملت، ومحترم حاضرین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی مستقل قیادت وصدارت ہی نے ذہن وفکر کو اس قدر بوجھل بنا رکھا ہے کہ اب کسی اور طرف مڑ کر دیکھنے کی سکت باقی نہ تھی۔ مگر سنی جمعیۃ العلماء کانپور کے مرکزی کابینہ کے اس حسن اعتماد کو کیا کہیئے کہ ع

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

سہ روزہ کانفرنس کے آخری اجلاس کی صدارت بھی میرے نحیف وناتواں کاندھے پر ڈال دی گئی۔ حالانکہ مجھے اس امر کا بخوبی احساس ہے کہ آخری اجلاس جس کی صدارت سے

میرے بدن کی ہڈیاں چٹختی جا رہی ہیں۔ اس بار گراں کو ہنستے بولتے اٹھانے والے میری جماعت میں مجھ سے کہیں زیادہ بہتر اور صاحب صلاحیت افراد بھی موجود ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کرسی صدارت ہے یا میرے بلند حوصلوں کی آزمائش گاہ!

سچ جانیے اگر مجھے کانپور کی کابینہ پر اعتماد کلی نہ ہوتا تو میں یہ کہے بغیر نہ رہتا کہ علما و مشائخ کی بھری محفل میں میری تضحیک کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ لیکن میں وقت کی یہ بہت بڑی فیاضی اور سعادت بھی تصور کرتا ہوں جب کہ وہ ایک بیمار غم کو کسی مسیحا کے جھرمٹ میں ڈال دے۔ اب بھی اگر میں خاموش رہتا ہوں میری جماعت کی بدنصیبی کا پہلا اور آخری دن ہوتا۔

اظہار حال:

اے ملت کے نگہبانو! مائک پر کوئی چارہ ساز و مسیحا نہیں آیا بلکہ ایک بیمار غم نے آپ سے دور رہ کر عالم کرب و اضطراب میں چھ کروڑ پریشان حال کا نسخۂ شفا مرتب کیا ہے۔ مجھے آپ کی اصابت رائے اور حق گوئی پر اتنا ہی اطمینان و بھروسہ ہے جتنا کہ کل کی صبح آفتاب کے طلوع ہونے کا یقین ہے۔ اس لیے اگر نسخہ کے تیر بہدف ہونے اور آنے والی چند سطروں میں پختگی رائے کی آپ کوئی بھی جھلک محسوس فرمائیں گے تو اس میں تحسین و مرحبا ہی سے کام نہ لیں گے۔ بلکہ اس کے ایک ایک نقطہ پر صاد کر کے یہ ثابت کر دیں گے کہ سنی جمعیۃ العلماء کا نظریہ چھ کروڑ سنی مسلمانوں کا مشترکہ اور متفقہ نظریۂ حیات ہے اور اگر آپ فکری لغزشوں پر مطلع ہو جائیں گے تو محض چشم پوشی سے اپنی فراخدلی کی داد نہ چاہیں گے۔ بلکہ بھری محفل میں انگلیوں کے اشارے سے اس کی نشاندہی فرما کر اپنا فرض منصبی انجام دینے میں کوئی کوتاہی نہ برتیں گے۔

کانپور کا انتخاب:

اس عنوان کی تفصیل تو خطبۂ استقبالیہ میں گزر چکی اور سچ جانیے یہ عنوان صدر مجلس استقبالیہ کے حق میں اتنا ہی مختص و متعارف ہے جتنا کہ جماعتی پالیسی کا عنوان صدر جماعت کے

لیے لیکن کانپور میں ہونے والی کانفرنس کی جو بات سطح ذہن پر ابھری تھی وہ یہ تھی کہ کانپور اگرچہ اتر پردیش کا دل نہیں۔ مگر دل کی دھڑکنوں سے اتنا ہی قریب ہے کہ اس پر بے خبری کا الزام بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ پھر کیوں نہ ایسا ہو کہ ایک راز دار ہی کی انجمن میں افشاء راز کیا جائے۔

لمحہ فکریہ:

اے کانپور کے دوستو! اگر آپ حضرات جھانک کر کسی کا دل دیکھنا نہیں جانتے تو کبھی قریب آکر صدائے دل پر اپنا کان ہی لگا دیتے، آپ کو کیا معلوم اس ٹوٹے ہوئے دل میں آپ کی پائمالی پر رنج وغم کی کیسی شعلہ بار انگیٹھی سلگ رہی ہے اور اسی ایک دل نے آپ کی کامیابی وکامرانی کے کتنے حسین ودیدہ زیب ایوان ومحل سجا رکھے ہیں۔ اے کاش دل کی جس بھڑکتی ہوئی آگ میں میرا جسد خاکی جل رہا ہے، اس کی ایک چنگاری ہی آپ کے دامن تک پہنچ پاتی، شاید کہ میں غلط کہہ گیا! نہیں نہیں، آپ سب کے سب سلامت رہیں میرا ہی جلنا آپ سب کے کام آجائے۔ مقتدائے ملت حضور مفتی اعظم ہند کے ایما پر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ممبئی کا ایک باوقار وفد اس وقت مالیگاؤں کی گلیوں کی خاک چھان رہا تھا اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کی لپٹ سے لوگوں کا دامن بچانے میں سپاہیانہ حق ادا کر کے وطن دوستی کا ثبوت دے رہا تھا۔ جب کہ ملک کی دوسری جماعتیں دور سے اٹھتا ہوا دھواں دیکھ رہی تھیں اور اس وقت کا انتظار تھا کہ اگ سرد پڑ جائے تو ایک خوفزدہ اور لوٹی ہوئی قوم سے اسی کی آبرو کا واسطہ دے کر چندہ کی بھیک مانگی جائے جیسا کہ جمعیۃ العلماء ہند دلی نے اپنے ماضی میں کچھ ایسا ہی رکارڈ چھوڑا ہے اور میرے اپنے خیال میں جمعیۃ العلماء ہند دلی اور آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ممبئی کا یہی وہ خط امتیاز ہے جو عمل کی راہ میں ایک کو دوسرے سے ممتاز بنا دیتا ہے۔

میرے پیارے بھائیو! خطبہ صدارت کی چند سطریں لکھتے ہوئے دل ڈوبا جارہا ہے اور آنکھوں تلے اندھیرا ہے بس اتنا ہی سوچ کر حیران ہوں کہ بات کہاں سے اٹھائی جائے اور کہاں

ختم کی جائے۔ جبل پور کہتا ہے کہ پہلے مجھ پر ماتم کر لو تب الفاظ ومعانی کا محل اٹھاؤ۔ مالیگاؤں کی سسکتی ہوئی دنیا کا تقاضہ ہے کہ ہمارے چہروں کا اضمحلال دور کر دو تب دوسروں کے چہروں پر غازہ وسرخی کا اہتمام کرو۔ یہی اپنی آنکھ ہے جو ننھے ننھے یتیموں کا چہرہ دیکھ رہی ہے۔ اور بیکس ومظلوم عورتوں کا لٹا ہوا سہاگ قلم پر پہرہ بٹھانے کے لیے خود زبان اردو اپنی چاک دامانی کے ساتھ نوک قلم تھامے کھڑی ہے کہ یا تو مجھے میرا حق دلا دو، ورنہ زبان وادب کی ڈکشنری کا سہارا چھوڑ دو۔ خدانا کردہ اگر میں ہی مٹ گئی تو اجلاس کی ہما ہمی اور بزم شعر وسخن کی ساری بہاریں اجڑ جائیں گی۔ خواجہ غریب نواز، خواجہ قطب، محبوب الٰہی، سید سالار مسعود غازی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے وہ عزت مآب آستانے جن پر ہماری جانیں نچھاور اور قربان ہیں ہماری قوت اور جذبہ عقیدت کو چیلنج دے رہے ہیں کہ تمہاری خانقاہوں میں غیروں کی ٹھیکیداری کب تک؟

ترمیم مسلم پرسنل لا کا دم توڑتا ہوا بل سرگوشی کر رہا ہے کہ اب تمہاری زندگی کا پورا اثاثہ خطرے کی زد میں آنے والا ہے۔ مقابر دلی میں اسلاف کی وہ بوسیدہ ہڈیاں ہمیں پکار رہی ہیں۔ جن پر جمعیۃ العلماء ہند نے اپنے نام نہاد اقتدار کا محل اٹھا رکھا ہے۔ غرضیکہ یہ چند ابھرتے ہوئے سوالات ہیں اور وقت کے اہم تقاضے جن کے تحت ہم نے آپ کی سربراہی میں یہ سہ روزہ کانفرنس طلب کی ہے۔

اے ملت کے ناخداؤ! میں نے آپ کے پروقار چہروں کی قطار اور اپنے حباب کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر پاکر یہ یقین کر لیا کہ میں اس راہ میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ میری ہم نوائی میں ملت اسلامیہ کا ایک لشکر موجود ہے۔ چنانچہ ہم نے انہیں امیدوں کے سہارے سرزمین کانپور پر ملک کا دل ودماغ اکٹھا کیا ہے۔

ہمارا مزاج:

محترم حضرات! اگرچہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے نام کا جنم دن ۱۹۴۷ء کے بعد کہا جاتا ہے لیکن یہ اپنی روایات اور مسلک ونصب العین کے اعتبار سے اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ لفظ

اہل سنت و جماعت اپنے اعتقادی اور عملی حیثیت سے۔ گویا ایک ہی حقیقت کے یہ دو نام ہیں۔ لہٰذا ہم کسی خوش فہمی کے تحت کسی نئی چھاپ کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ بلکہ ہمالہ قدامت اور پرانا پن ہی ہمارا طغراء امتیاز ہے۔

۴۷ء کے بحرانی دور کے بعد جنہیں جہاں جانا تھا، وہ وہاں جا چکے اور جنہیں یہیں رہنا تھا انہوں نے بغیر کسی جبر و اکراہ کے سمجھ بوجھ کر اپنے آزاد وطن میں اپنی زندگی کا بسیرا ڈال دیا ۴۷ء سے ۶۳ء تک کی ہماری زندگی دیکھی بھالی اور جانچی پرکھی ہے۔ یاد رہے ہم ان راہ گیروں میں نہیں۔ جن کی ہر صبح و شام پر شک و شبہ کا الزام لگایا جا سکے۔ اگر آپ کی مصیبت پر ہمیں حملہ کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا تو سچ بتائیں یہ کس بارگاہ کی فیض بخشی ہے جہاں سے آپ نے اس حق کو اپنے لیے مستعار کر لیا ہے تاکہ ہم نہ سہی تو آپ کی دوسری حریف جماعتیں اس آستانۂ کرم پر دستک دے سکیں۔ معاف کیجئے ہم یہ کیسے باور کر لیں کہ سولہ برس کی طویل مدت میں آپ نے ہمیں پہچانا ہی نہیں جمعیۃ العلماء ہند جو آپ کی پروردہ و داشتہ ہے۔ اس کی کانا پھوسی پر آپ نے آزمائش کے ہر موڑ پر ہمارے ہی عوام کو تختۂ مشق بنایا۔ لیکن آپ اور آپ کے عملے پر سونا و پیتل کا فرق ظاہر ہو کے رہا۔ سخن گسترانہ بات آ ہی گئی ہے تو اسے بھی سماعت فرما لیجیے۔ کل آپ ہی کا کوئی بالک ہٹ پر اتر آئے اور آپ اس کی دل دہی اور دلنوازی کے تحت ہم کو نگاہِ غلط انداز کا نشانہ بنا دے تو اس سے ہمارا وزن نہ گھٹ جائے گا۔ بلکہ خود آپ کے ذمہ دارانہ پوزیشن کی مجروحیت و شکستگی واشگاف ہو جائے گی۔ واضح رہے اب جب کبھی بھی ایسا ہوگا تو آنے والا مورخ اسے ظلم و استبداد ہی سے تعبیر کرے گا۔ خدارا آپ ہمارے مزاج اور ہماری افتادِ طبع سے کھیل نہ کھیلئے۔ ہم مارکیٹ و بازار کے وہ سامان نہیں جس کی قیمت لگائی جائے۔ ہمیں جسے بازار میں بکنا تھا، ماں کی گود ہی میں بک چکے۔ اپنا تو حال یہ ہے:

جب تک بکا نہ تھا تو کوئی پوچھتا نہ تھا
تم نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

اب دنیا کی کوئی طاقت ہماری قیمت نہیں لگا سکتی۔

اگر ہمارا خود ساختہ مزاج ہوتا تو ہم آپ کی عدالت مجاز کی باز پرس سے گھبرا بھی سکتے تھے۔ لیکن یہ ہمارا فطری رجحان ہے۔ جو ہر قسم کی بالادستی سے پرے، دور ہے، ہم کسی ملک میں صرف رہنے کا صحیح شعور و سلیقہ بھی دینا ”امر بالمعروف و نہی عن المنکر“ کے تحت اسلامی فریضہ تصور کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ یاد رہے کہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی کیبنٹ کا ایک خاص مزاج ہے وہ اس عشرت کدہ اور آرام گاہ کو اپنی آنکھوں میں نہیں لاتے جہاں رہ کر زبان و قلم پر پہرہ بٹھایا جا سکے اور قید و زنداں کی اس چہار دیواری میں تسکین روح کی فراوانی محسوس کرتا ہے جہاں دن دہاڑے بارگاہِ احدیت میں سجود نیاز لٹائے جانے کا اذن عام ہو، نہ تو ہم کسی ملک میں رہ کر غیر قانونی چارہ جوئیوں سے اپنے دامن وقار کو داغدار بناتے ہیں اور نہ ہی اپنے جائز حقوق کی پائمالی پر خاموش بیٹھنے کے عادی ہیں۔

دستور ہند کے دیئے ہوئے حقوق کی روشنی میں ہم اپنے مطالبات تسلیم کرانے میں اس وقت تک قانونی جدوجہد کرتے رہیں گے تا وقتیکہ حق بحقدار رسید کی نوبت نہ آ جائے۔

ایک اہم سوال:

آج ملک کے طول و عرض میں ہم سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء خالص مذہبی جماعت ہے یا سیاست حاضرہ سے بھی اس کا گٹھ جوڑ ہے؟ یہ سوال کبھی تو محض سادہ لوح مسلمانوں کی طرف سے کیا جاتا ہے اور گاہے گاہے بعض چالو جماعتیں چور دروازے سے یہ سوال اٹھایا کرتی ہیں۔ سنئے اور دل کا دروازہ کھول کر سنیئے۔ جو ہمارا مذہب ہے وہی ہماری سیاست اور جو ہماری سیاست ہے وہی ہمارا مذہب۔

اس جملے کو جن لوگوں نے ذہنی عیاشی اور فکری تفریح کے طور پر استعمال کیا اگر ان سے یہ سوال کیا جائے تو سائل اپنے سوال میں حق بجانب ہے لیکن ملت کے جن نگہ بانوں نے مذکورہ

قانون کی ٹھوس حقیقت کو سمجھا ہوا اور اسی پر ان کا عمل درآمد بھی ہو تو ان سے سوال کرنا قطعاً بے محل و بے معنی ہے ایسے سائل کے بارے میں ہم یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ یا تو وہ مذہب سے نا آشنا ہے یا اس پر حقیقی سیاست کی پر چھائیں تک نہ پڑ سکی یا پھر وہ دونوں ہی سے نا بلد ہے۔

مختصر یہ کہ ہمارا مذہب سیاست کی جنبش لب کا رہین کرم نہیں۔ بلکہ اسلامی سیاست اس وقت تک اپنا رخ نہیں متعین کرتی تا وقتیکہ مذہب کا کوئی اشارہ نہ پایا جائے۔ لہٰذا نہ تو مذہب سیاست سے جدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی سیاست مذہب سے۔

یہ ایک بولتا ہوا قانون ہے جو سیاست حاضرہ وغیر حاضرہ دونوں کو شامل (**فاعتبروا یا الی الابصار لعلکم تفلحون**) بات تشنۂ تکمیل نہ رہ جائے اس لیے بر سر راہ ایک ایسے اشارہ پر اکتفا کرتا ہوں جس سے مذہب و سیاست میں چولی دامن کا صحیح تعلق بھی واضح ہو جائے۔ ہم اہل سنت اعراس اولیا کے قائل ہیں مگر یہ فتویٰ مرکز اہل سنت بریلی شریف اور مارہرہ مطہرہ کی درس گاہ شریعت وطریقت ہی سے نہیں صادر کیا جاتا بلکہ تلوار کے سائے اور پھانسی کے تختے پر بھی یہی کہا کرتے ہیں۔ لیکن ایک وہ بھی جمعیت ہے جس کی پوری کابینہ مراسم عرس پر شرکت وبدعت کی چھاپ لگاتی ہے۔ مگر تقسیم کے بعد ان کے ناظم اعلیٰ نے بیٹھ کر جھوم جھوم کر قوالی سنی تھی یہی وہ مذہب ہے، جو وقت کی بہتی ہوئی سیاست پر اپنا رخ بدل دیتا ہے۔ غالباً مذہبی تعصب میں جمعیۃ العلماء ہند دلی اور آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ممبئی کا یہی وہ نشان فاصل ہے جو ان کی انتہا پسندی اور ہماری معتدل پالیسی کا راز افشا کر دیتا ہے۔

الیکشن اور ہمارا موقف:

ہم سے یہ بھی دریافت کیا جاتا ہے کہ الیکشن سے متعلق آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی متعینہ پالیسی کیا ہے۔

اے محترم حضرات! یہ مسئلہ نہ اٹھا کر بھی میں آگے گزر سکتا تھا لیکن بات اگر صیغۂ راز پردہ خفا میں رکھی گئی تو ہو سکتا ہے کل مجھ پر کتمان حق کا الزام عائد کر دیا جائے اور حق پوشی اپنا شعار نہیں، یہ کسی اور ہی کو مبارک ہو۔

اس لیے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر ہمیں کسی کے بارے میں یہ یقین کامل ہو گیا کہ دین و دیانت کی پوری سلامتی کے ساتھ ہماری زندگی کا حق ادا کر سکے گا۔ تو ہم اس کے پاؤں میں کوئی زنجیر نہ ڈالیں گے۔ بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی راہ سے کانٹوں کو بھی دور کر دیں۔

اے محترم حضرات! یہ میرے دل کی دھڑکنوں کا اشارہ ہے۔ مبادا پچھلے جملوں نے غلط فہمی میں نہ مبتلا کر دیا ہو۔ اس لیے چند لفظوں میں اپنے نقطۂ فکر کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بات عرض کرنا ہے کہ ایوان تک اپنی آواز پہونچانے کا میں یکسر مخالف نہیں۔ حالات نے اس قدر جھنجھوڑ دیا ہے کہ اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس خطرے کو کیا کہ کہیں اس راہ کا مسافر چراغ راہ کو شمع انجمن اور نشان منزل ہی کو منزل نہ سمجھ لے حالات تو کچھ ایسے ہی ہیں کہ

ع ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد (الا ماشاء اللہ)

بس کہنا یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں اگر اسباب و وسائل سے منہ موڑ کر ہم تو قومی خدمات انجام دیں گے مگر اس کا پس منظر الیکشن کی فیلڈ بنانا نہ ہوگا یہ اور بات ہے کہ ہمارے آزاد اراکین کسی کو بھی سپورٹ کر دیں۔ یا صوبائی علاقائی اور اضلاعی طور پر اپنی صوابدید کے تحت کسی ایسی جماعت کی تائید کریں جو ہمارے مطالبات پورا کرانے میں کوئی ایسی ضمانت دے جس پر ہمیں اطمینان کلی ہو۔

جمعیۃ العلماء ہند دلی اور آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ممبئی:

میں آج کی صدارتی گفتگو میں اس بحث کو نہیں اٹھانا چاہتا کہ جمعیۃ العلماء ہند دلی کے داخلہ پالیسی کس حد تک گھنونی اور گندی ہو چکی ہے جس کی یقین دہانی کے لیے میرٹھ کا وہ حالیہ

اجلاس کافی ہے۔جس میں صدارتی انتخاب کے نتیجہ میں نہ صرف کرسیاں تک پھینکی گئیں بلکہ چھرا چاقو تک کی نوبت آگئی تھی وہ تو کہیے کسی نہ کسی طرح معاملہ رفع دفع کردیا ورنہ نہ جانے کتنی خطرناک نوبت آگئی ہوتی۔ چنانچہ نوبت بہ ایں جارسید کہ ایک جمعیۃ کے لیے دوصدر کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ جمعیۃ العلماء کا یہ طرزِ عمل ملک کے مدبرین کو دعوت فکر دے رہا ہے کہ مسلمانوں کی نمائندگی کا غلط دعویٰ کرنے والی جمعیۃ جوخود اپنے کابینہ پر قابو یافتہ نہیں۔اس پر کیوں کر بھروسہ کیا جائے کہ وہ نیک نیتی سے مسلمانوں کی بے لوث خدمات انجام دے سکے گی۔اس نے صدارتی انتخاب میں اپنی دھینگا مشتی سے اس امر کا اعلان کردیا کہ جوخود گم کردہ منزل ہے کسی مسافر کا اس کے نقشِ قدم پر چلنا مناسب نہیں جمعیۃ العلماء ہند دلی خود اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود چکی ہے۔اب تو وہ اک چلتا پھرتا جنازہ ہے جس کی سمیت اور تعفن سے سارا ملک مسموم ہوتا جارہا ہے۔ میں اس گفتگو کو طول نہیں دینا چاہتا کہ جمعیۃ العلماء ہند دلی کیا ہے؟ اور مسلمانوں کے جذبات کا احترام کیے بغیر اس نے اپنے آرزوؤں کے محل اٹھانے میں اینٹ اور گارے کی جگہ مسلمانوں کا خون اور ہڈی کس بے دردی سے استعمال کیا ہے۔

البتہ مجھے اس وقت اپنی حکومت کو ایک نیک اور مخلصانہ مشورہ دینا ہے کہ وہ اپنی اس پالیسی پر نظر ثانی کرے کہ اپنے اور مسلمانوں کے درمیان جمعیۃ العلماء کو رابطہ بنانے میں وہ کس حد تک کامیاب ہے اور کہاں تک ناکام ہے۔ یہ وقت کا ایک اہم اور بنیادی سوال ہے جس سے بھارت گورنمنٹ کبھی چشم پوشی نہیں کرسکتی۔

اس گفتگو کا اشارہ یہ نہیں ہے کہ حکومت کے چند گنے چنے افراد جمعیۃ العلماء پر اپنی نوازشات کا دروازہ بند کردیں۔مگر یہ بھی کوئی دوست نوازی ہے کہ اپنی تجوریوں پر تو تالے لگا دیے جائیں اور آستانہ غریب نواز کی دلیا اور سید سالار مسعود غازی کے آستانہ کے چڑھاوے جمعیۃ العلماء کے لیے لقمہ تر بنادیا جائے۔ یہ اگر ایک طرح انصاف کا خون کرتا ہے تو خود جمعیۃ

العلماء کے مسلک ومشرب کی بنا پر جو چیزیں ناجائز وحرام ہیں انہیں کو کھلا پلا کر جمعیۃ العلماء کو ارتکاب جرم کا ملزم بھی قرار دینا ہے۔

مقصد گفتگو یہ ہے کہ حکومت اور مسلمانوں کے درمیان جمعیۃ کا نام نہاد غلط رابطہ ہماری گورنمنٹ کے لیے لمحہ فکر یہ کی حیثیت رکھتا ہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ اس رابطہ کی عمر اور زیادہ طویل ہوجانے پر آنے والا الیکشن کانگریس گورنمنٹ پر بہت بھاری پڑ جائے اور حکومت مزید مشکلات میں مبتلا ہوجائے۔

نمائندہ جماعت:

آج ہم یہ اعلان کیے دیتے ہیں کہ ملک کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بھارت کے چھ کروڑ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت جمعیۃ العلماء ہند دلی نہیں بلکہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ہے۔خدا نہ کردہ اگر ہم اپنے اس دعوے میں حقیقت سے الگ تھلگ ہو کر محض تعلّی یا فریب خوردگی کا کوئی اعلان کررہے ہیں تو آج کے بھرے پنڈال میں جہاں سنٹر اور صوبے کے ہوشمند سی آئی ڈی اور پریس واخبارات کے قابل قدر نمائندے اور ترجمان سبھی موجود ہیں۔اپنی امن پسند گورنمنٹ سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اپنی سربراہی میں پرامن طور پر الیکشن کا انتظام کرکے وہ خود بھی دیکھ لے کہ مسلمانوں کی رائے عامہ کس کے ساتھ ہے۔

یاد رکھیے:

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما! محض کہتے کہتے ۴۷ء کی پیداوار ہے، بھارت کی حصول آزادی کے لیے سنی جمعیۃ کے اسلاف واکابر نے اپنے پیچھے ایسی درخشاں تاریخ چھوڑی ہے جس پر کوئی غبار نہیں ڈال سکتا۔

ہم اور ہمارا ملک آزاد:

اے محترم حضرات! اس کھلی ہوئی حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ آزادی وطن کے

لیے ہم ملک کی دوسری قوموں کے نہ صرف دوش بدوش ہی رہے۔ بلکہ بسا اوقات ہمارے ہی مجاہدین امیر کارواں بن کر انگریزوں کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے سب سے پیش پیش نظر آئے۔ اگر آج کی تاریخ فروش دنیا بھول چکی ہے تو آپ آسمان کے ان ستاروں سے آزادی وطن کے سپہ سالار اعظم علامہ فضل حق خیرآبادی کا نام دریافت کریں جن ستاروں نے اس نام کو اپنے کلیجہ سے لگا رکھا ہے۔

انگریزوں کے خلاف جس نے سب سے پہلے فتویٰ جہاد دے کر آزادی وطن کے لیے جد وجہد کی داغ بیل ڈالی ہے وہ ہمارے ہی سرخیل جماعت وامیر کارواں علامہ فضل حق خیرآبادی تھے پھر انہیں کے جواب پر الجواب صحیح کرنے والوں میں مولانا عنایت احمد کاکوروی، اور مفتی صدرالدین دہلوی جیسے علامہ کے ہم عصر ہم زمانہ علما تھے۔ اے دیش کے نیتاؤ! اگر جزیرہ انڈمان پہنچ کر آپ حضرات شہید وطن کی قبر پر عقیدت کا ہار نہ چڑھاؤ تو کم از کم خیرآباد کے اس اجڑے ہوئے محل کے کھنڈرات پر ہی چند آنسو بہائیے ہوتے جب آزادی وطن کے مجاہد نے اپنی آنکھ کھولی تھی۔ مگر یہ تو فرمائیے ملک دشمن انگریز نے شہید وطن کا آباد محل اجاڑ کر اس پر ہل تک تو چلوایا لیکن دستور زمانہ کی رعایت کے تحت محل کا صدر گیٹ بطور یادگار چھوڑ گیا جو آج بھی فضل امام کے شاہزادے فضل حق کی عظمت وشوکت کا خطبہ دے رہا ہے۔

آپ نے بھی کہیں بطور یادگار فضل حق کالج، فضل حق لائبریری، فضل حق ہاؤس، فضل حق یونیورسٹی کی سنگ بنیاد ڈالی؟ کبھی آپ نے بھی فضل حق ڈے منا کر ملک کی سب سے بڑی اقلیت کی دلنوازی کی؟ یاد رہے آج آپ کی دنیا اس سوال پر خاموش رہ سکتی ہے مگر تاریخ آپ سے انتقام لے کے رہے گی۔ جس کے محاسبہ کی گرفت اتنی سخت جس میں راعی ورعایا یکساں نظر آتے ہیں۔

لیکن ہم ننگ اسلاف نہیں یہ تو کسی اور ہی کو زیب دیتا ہے۔ ہم علامہ فضل حق خیرآبادی سے لے کر مولانا نثار احمد کانپوری مولانا فاخر الٰہ آبادی۔ مولانا عبدالماجد بدایونی کی تاریخ جانتے

ہیں کہ ان لوگوں نے آزادی وطن کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کر دیا تھا۔ مگر ہم آپسی فرض شناسی اور اس کی انجام دہی میں ایک انچ پیچھے نہ ہٹے۔

سرحدی جنگ:

کل جس وقت کوہ ہمالہ کے امن سے چینی درندوں نے ہمارے آزاد ملک کو آنکھ دکھائی تھی! اسی آل انڈیا جمعیۃ العلماء نے آزادی وطن کے تحفظ کے لیے ایسی ہمہ گیر آواز اٹھائی تھی جس سے ملک کی سب سے بڑی اقلیت اس طرح حرکت میں آئی کہ بھارت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے شکریہ کا پیغام بھیجا۔ انصاف کا خون نہ کیجیے اگر ہمارے دل میں کھوٹ ہوتا تو ہم بھی اس کا تماشہ گاہ عالم میں تماشہ بینوں کی صف میں نظر آتے مگر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء نے کوہ ہمالہ سے راس کماری تک ملک کی سا لمیت وتحفظ کے لیے ایسا ٹھوس قدم اٹھایا کہ تقسیم ہند کے بعد ایسی یکتا اس قسم کی ایک جہتی اور ایسی بیداری دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ چنانچہ ہماری آواز پورے ملک کی آواز بن گئی کہ اے چین کے وحشیو! واپس چلے جاؤ۔ ہم اپنے آزاد وطن کی ایک انچ بھی زمین تمہیں نہ دے سکیں گے۔ ہم ملک کے باشندوں کا یہی نعرہ ان کے حوصلہ کی پسپائی کا سبب ہوا اور چینی درندوں کو یقین ہو گیا کہ بھارتی سورماؤں کو آنکھ دکھانا اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔

گزشتہ صفحات میں اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء اپنی داخلہ اور خارجہ پالیسی میں اپنا ایک خاص مزاج رکھتی ہے۔

جس طرح ہم بھارت کی ایک انچ زمین پر غیروں کا جابرانہ تسلط نہیں برداشت کر سکتے ایسے ہی ہم اس کا بھی یقین رکھتے ہیں کہ درگاہ معلیٰ اجمیر مقدس اور دوسرے آستانہ جات کے اوقاف سنی جمعیۃ العلماء کی امانت ہیں۔ لہٰذا ہم ان آستانہ جات میں بھی غیروں کی ٹھیکیداری کا اکڑ پن نہیں برداشت کر سکتے۔

مرکزی حج کمیٹی وممبئی پورٹ حج کمیٹی:

دنیا میں جائز وناجائز ہر قسم کا کاروبار ہوتا ہے۔ مگر مذکورہ حج کمیٹیاں عجیب وغریب کاروبار کرتی ہیں مشہور ہے کہ جو حاجیوں اور زائرین کی تجارت کرتی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ تجارت ان کے لیے کافی منفعت بخش تجارت ہے مگر اپنا دینی فریضہ تصور کرکے اپنے طرز فکر اور عقائد میں تبلیغ بھی کرتی ہے اور حجاج وزائرین کو سہولیت پہونچانے کی بجائے راہ میں کانٹے بھی بچھاتی ہے۔ اب ۱۹۶۱ء تک حج کمیٹی تقریباً چوبیس ہزار حجاج ہندوستان سے گئے اور عراق کا ویزا لے کر زائرین بغرض مشاہدہ مقدسہ بزرگان دین ہندوستان سے گئے اور فی کس بارہ سو روپے باجازت معلم حکومت ہند اپنے ساتھ لے گئے ۱۹۶۲ء سے حج کمیٹیوں کی عائد کردہ پابندیوں کی بنا پر صرف پندرہ ہزار حجاج فی کس ایک ہزار روپیہ لے کر شدید پابندیوں کے ساتھ حج کے لیے جاسکے زائرین کے ساتھ کمیٹی نے زیادتی کی کہ ایک مدت تک زیارت سے محروم رکھے گئے یہ تھی ان کی طرز فکر اور عقائد کی تبلیغ کیوں کہ اراکین حج کمیٹی زیارت کے عقیدتاً خلاف ہیں۔

(۱) زائرین کو اجازت بھی دی ہے تو صرف تقریباً سات سو افراد کے لیے وہ بھی فی کس سات سو روپیہ کے ساتھ۔

یہ ظاہر ہے کہ اتنے طویل سفر کے لیے سات سو روپیہ بالکل ناکافی ہیں۔

اس لیے مذکورہ حج کمیٹیوں پر ہم کو بالکل اعتماد نہیں ہے ہم چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ آف انڈیا مرکزی پورٹ حج کمیٹی اور مہاراشٹر اسٹیٹ گورنمنٹ ان کمیٹیوں کو تبدیل کردے اور صحیح نمائندے نامزد کرے اور وہ نمائندے ایسے ہونے چاہئیں جو فریضہ حج اور بزرگان دین کی زیارت گاہوں پر جانے والوں کی خدمت کو خدمت دین تصور کریں۔

(۲) جمعیۃ العلماء ہند پر ہم اب عدم اعتماد کا اعلان کرتے ہوئے یہ واضح کردینا چاہتے ہیں کہ جمعیۃ العلماء ہند دلی، دیوبندی مکتب فکر کے چند گنے چنے افراد کی ترجمان ہے، ملک کے

پچانوے فیصدی مسلمانوں کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بھارت کے چھ کروڑ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ہے۔ لہٰذا حکومت جمعیۃ العلماء کے ساتھ کوئی ایسی مراعات نہ دے جو ۹۵ فیصدی مسلمانوں کی حق تلفی اور دل آزادی کا سبب قرار پائے۔

(۳) ہم حکومت سے یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ صوبائی اور علاقائی طور پر فیصدی کے حساب سے مسلمانوں کو جتنی جگہیں ملنی چاہئیں مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی نہ برتی جائے۔

(۴) ان مساجد کی بازیابی کا بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ جو ابھی تک غیروں کے قبضے میں ہیں حکمت کو چاہئے کہ وہ جلد سے جلد ان مساجد پر مسلمانوں کا قبضہ دے کر جمہوریت کا ثبوت دے۔

ہمارا پیغام:

اے محترم حضرات! مجھے یہ احساس دکھ پہنچا رہا ہے کہ میں نے آپ حضرات کی ضرورت کا کافی وقت لے لیا ہے۔ آپ سے رخصت ہوتے ہوئے یہ گزارش ہے کہ ہم لوگ زندگی کے ایک نئے موڑ پر آچکے ہیں۔ مسجد، مدرسہ وخانقاہ سے باہر بھی زندگی کے کچھ اہم تقاضے ہیں جس سے چشم پوشی اپنی جماعتی زندگی کو موت کی نیند سلادینے کے مترادف ہے۔ آج اسلامی لیبل لگا کر مسلمانوں کی نمائندگی کا غلط دعویٰ کرنے والی جماعتیں ہمارے حقوق کی پائمالی میں سرگرم عمل ہیں۔ ضرورت داعی ہے کہ ہم سب ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو کر ہر باطل پرست کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ آپ سب ہی حضرات مل جل کر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کا ہاتھ مضبوط سے مضبوط تر کریں۔ ہمارے سہ روزہ اجلاس نے یہ واضح کردیا کہ سنی نام کی طبقاتی تقسیم تو قبول کرسکتا ہے مگر سب کا مقصد کار ایک ہی ہے ہم اپنی خانقاہ ومدرسہ میں برکاتی رضوی اشرفی نعیمی حشمتی کی نسبت کو باعث فخر وسعادت سمجھتے ہیں۔ مگر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے پلیٹ فارم پر ہم سنی اور صرف سنی ہو کر ایکتا اور یک جہتی کے مظاہرے پر فخر محسوس کرتے ہیں گویا ہم ایک ہی بڑے دریا کی چند نہریں ہیں اور پھر ادھر ادھر گھوم پھر کے اسی دریا سے گلے مل لیتے ہیں۔

اے محترم حضرات! اب وقت سونے کا نہیں رہا۔ زمانہ اپنی برق رفتاری سے گزرتا جارہا ہے اور ملک کی شاطر جماعتیں اپنی نت نئی شاطرانہ حرکتوں سے ہمارے جماعتی نظام کو منتشر کردینا چاہتی ہیں۔ اگر آپ حضرات یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے حقوق کی پائمالی نہ ہونے پائے تو اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہر جگہ سنی جمعیۃ العلماء کی شاخوں کا قیام عمل میں لایا جائے اور زیادہ سے زیادہ ممبر سازی کرکے یہ واضح کردیا جائے کہ ملک کی رائے عامہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے ساتھ ہے۔ ہمیں آپ جیسی ذمہ دارانہ شخصیتوں پر بھروسہ لے کر آپ حضرات یہاں سے خالی ہاتھ خالی الذہن نہ تشریف لے جائیں گے بلکہ آپ کے ہاتھ میں سنی جمعیۃ العلماء کا دستور ہوگا اور ذہن میں جماعتی تعمیر کا صحیح خاکہ۔

بس یہی میری آرزو ہے کہ جو لگن مرے دل میں ہے وہ آپ سب کے دل تک پہنچ جائے اور پھر خدا نے چاہا تو وہ دن دور نہیں کہ حکومت کی نظر سے جمعیۃ العلماء ہند کی فریب کاری کا پردہ ہٹ جائے گا اور سنی جمعیۃ العلماء اپنے ان سارے حقوق کو حاصل کرلے گی۔ جس کے لیے وہ میدان عمل میں اتر چکی ہے۔

ہدیۂ امتنان وتشکر:

اے محترم حضرات! دل تو یہی چاہتا ہے کہ ممبر پر تشریف فرما باوقار چہروں کا الگ الگ نام لے کر شکریہ ادا کیا جائے مگر وقت کی تنگی اور کام کی ہماہمی جذبات کی راہ میں سنگ گراں بن کر حائل ہے اس لیے ہم تمامی ہی حضرات کی خدمت میں ہدیۂ امتنان وتشکر پیش کرتے ہیں کہ آپ حضرات نے ہماری آواز پر لبیک فرمایا اور ہم آئندہ کے لیے بھی آپ حضرات سے بھی یہی امید رکھتے ہیں۔

اب دل کا دوسرا تقاضا ہے کہ کانپور کے ان جواں مرد اور حوصلہ مند مسلمانوں میں سے ایک ایک کا نام لیا جائے جنھوں نے دن رات ایک کرکے ہمیں قوم کی زندگی سنوارنے کا زریں

موقع دیا ہے۔ مگر یہ خیال دامن گیر ہے کہ اس طویل فہرست پر جتنی وسیع نگاہ محبوب ملت مولانا الحاج محمد محبوب صاحب اشرفی صدر سنی جمعیۃ العلماء کانپور کی ہے اس قدر میری نہیں ہے۔ لہٰذا میں مولانا محمد محبوب کا شکریہ ادا کرکے یہ فہرست انہیں کے سپرد کیے دیتا ہوں کہ وہ اپنی صوابدید کے تحت حسب ترتی اپنے زیر سایہ کام کرنے ولوں کا شکریہ ادا کرکے میرا اور اپنا مشترکہ کام انجام دے دیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آج کا یہ عظیم الشان پنڈال جس کے زیر سایہ ملک کے بالغ نظر اور صاحب الرائے قوم کی تقدیر کا لائحہ عمل مرتب کررہے ہیں۔ یہ مولانا محمد محبوب صاحب اشرفی کی بے پناہ انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ جس کو سنی جمعیۃ العلماء کی تاریخ کبھی فراموش نہ کرسکے گی۔

اور ساتھ ہی مفتی اعظم کانپور مولانا رفاقت حسین صاحب کے ہم تہ دل سے مشکور ہیں کہ ان کے نیک اور مفید مشوروں کے سہارے یہ کاروان عمل آگے بڑھ سکا ہے۔

اب آپ سے رخصت ہوتے ہوئے میری دلی آرزو ہے کہ ہم سب مل جل کر مقتدائے اہل سنت یادگار سیدنا اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم کے لیے دعا کریں کہ رب کریم ان کو صحت وسلامتی سے رکھے اور حضرت کی عمر میں برکت عطا فرما کر ان کے سایہ کو ہم پر دراز سے دراز تر فرمائے۔ آمین۔

بجاہ النبی الامین المکین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ افضل الصلاۃ والتسلیم۔

فقیر آل مصطفی برکاتی قادری

۱۴ر جمادی الاٰخر ۱۳۸۳ھ

◆◆◆

صلح حدیبیہ

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ بالھدیٰ و دین الحق ارسلہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم و بارک علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔

اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تبارک و تعالیٰ: لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِکَ فَتْحًا قَرِیْبًا هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ شَهِیْدًا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ الَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ (پ ۲۶۔ سورہ فتح آیت ۲۷)

صدق اللہ العظیم و بلغنا رسولہ الامی النبی الکریم و نحن علیٰ ذٰلک لمن الشاھدین یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔ اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد و بارک و سلم صلاۃ و سلاماً علیک یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم۔

وعدے کے مطابق آج سیرت پاک صاحب لولاک احمد مختار محبوب پروردگار سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ و بارک و سلم کے مبارک گوشوں میں صلح حدیبیہ اور فتح مکہ آپ کے سامنے ان شاء اللہ تعالیٰ پیش کروں گا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لائے ہوئے چھٹا سال ہے۔ یعنی ۶ ھ ذی قعدہ کا مہینہ ہے یعنی دو عیدوں کے بیچ والا مہینہ جسے ہمارے یہاں خالی کا مہینے بھی کہتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک خواب دیکھتے ہیں۔ آپ کو شاید معلوم ہو اور آپ نے عقائد کی کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خواب بھی وحی الٰہی ہوا کرتے ہیں اور ان کو جو خواب دکھایا جاتا ہے وہ صرف خیال و تخیل میں ہی نہیں ہوتا بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ جل جلالہ عم نوالہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صبح کو اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مجمع میں تشریف فرما ہو کر حسب معمول ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تم میں سے آج کسی نے خواب دیکھا ہے؟ سب نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! نہیں۔ تب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: آج ہم نے یہ خواب دیکھا ہے کہ ہم قربانیوں کے جانور اور اپنے ساتھیوں کو لے کر احرام باندھ کر مکہ مکرمہ کو حاضر ہوئے ہیں اور ہم نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا ہے صفا، مروہ میں ہم دوڑے ہیں اور وہاں پر ہم نے اپنی قربانیاں پیش کی ہیں۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو چھ برس سے مکہ مکرمہ کے

دیدار اور کعبہ کی زیارت سے محروم تھے۔ ان کو اتنی سی بات معلوم ہوئی تو وہ مسرت میں جھوم گئے اور انھوں نے اصرار کیا کہ حضور والا اہتمام فرمائیں۔ ان کے اصرار پر سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور لے کر اور احرام باندھ کر مکہ مکرمہ کا ارادہ فرمایا۔ ایک روایت میں سات سو آدمی اور صحیح روایت میں پندرہ سو آدمی حضور والا کے ہمراہ تھے اور ان سب کے ساتھ میں قربانی کے جانور بھی تھے جن کے گلے میں قربانی کی نشانی پڑی ہوئی تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی جانب رواں دواں ہوئے، حضور والا جب موضع اشفان میں پہنچے تو مکہ مکرمہ کی طرف سے آنے والا قریشیوں کا ایک قاصد ملا جس کا نام تھا بشیر بن سفیان، اس نے آ کر یہ پیغام دیا کہ پہلے تو آپ بتائیے کہ آپ کس نیت سے مکہ جا رہے ہیں؟ حضور والا نے ارشاد فرمایا: کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ ہم سب احرام باندھے ہوئے ہیں اور ہمارے ساتھ قربانی کے جانور ہیں۔ میں جنگ اور لڑنے کی نیت سے کعبہ نہیں جا رہا ہوں بلکہ کعبہ کا اکرام کرنے اور کعبہ کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں۔ آج ہم چھ برس سے کعبہ کی زیارت نہیں کر سکے ہیں۔ بشیر بن سفیان نے کہا: لیکن قریش نے یہ پیغام بھجوایا ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے آپ کو مکہ سے باہر نکال دیا، اب دوبارہ ہم آپ کے مکہ میں داخل ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خدا کی مار ہو ان پر وہ کتنے نادان ہیں ارے مجھے تنہا عرب میں کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ یا تو یہ ہوگا کہ عرب کی لڑائیوں میں ختم ہو جاؤں گا تو بھی ان کا مقصد بر آئے گا یا سارا کا سارا عرب مسلمان ہو جائے گا تو بھی یہ جھگڑا ختم ہو جائے گا اور اگر وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ میں ان کے ڈرانے دھمکانے سے اپنے مولیٰ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کے نام کا ڈنکا بجانا چھوڑ دوں تو میں عمر بھر جہاد کرتا رہوں گا جب تک کہ میں اپنا مقصد پورا نہ کرلوں۔ لہٰذا ان سے جا کر کہنا کہ میں اس وقت لڑنے کے لیے نہیں بلکہ کعبہ کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔ بشیر بن سفیان نے سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا اور بشیر کے جانے کے بعد حضور والا

نے ارشاد فرمایا۔ دیکھو موضع استواء تک قریشی آ گئے ہیں۔ ہم میں کوئی ایسا ہے جو ایسے راستے سے ہمیں لے جائے جس سے قریشیوں کا راستہ کٹ جائے۔ ایک صاحب نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حضور کو ایسے راستے سے لے چلتا ہوں جس میں قریشیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور پہاڑ کی دشوار گزار گھاٹیوں، نیچے اونچے غاروں سے نکالتا ہوا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے چلا، جس سے سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو سخت مشقت اٹھانا پڑی۔ جب یہ راستہ طے ہو گیا اور حضور والا میدان میں اترے اپنے ساتھیوں سے ارشاد فرمایا: سب کے سب مل کر پڑھو:

نستغفر اللہ و نتوب الیہ۔ اے اللہ ہم تجھ سے استغفار کرتے ہیں اور تیری ہی طرف رجوع لاتے ہیں۔ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایک آواز میں پڑھا: نستغفر اللہ و نتوب الیہ۔ اے اللہ ہم تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور تیری طرف رجوع لاتے ہیں اور فرمایا دیکھو موسیٰ کے لوگوں میں اور ہم میں یہی فرق ہے کہ موسیٰ نے اپنے لوگوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا کہا ہوا یہی کہا تھا کہ دیکھو جب تم داخل ہونا ارض مقدس میں حطة، حطة کہتے ہوئے داخل ہونا۔ استغفار ''حطة'' کے معنی تھے اللہ سے بخشش مانگنا، لیکن یہودی موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار بڑے ضدی تھے، بجائے ''حطة'' کہنے کے موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے ''حنطة حنطة'' کہتے ہوئے داخل ہوئے ''حطة'' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ''حنطة'' کے معنی ہیں اے اللہ ہمیں گیہوں عطا فرما۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے بجائے معافی اور بخشش کے مذاق اڑاتے ہوئے گیہوں مانگے، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں چالیس برس کے لیے جنگلوں کے اندر بھٹکتا چھوڑ دیا اور وہ جنگلوں میں گھومتے پھرے۔ برخلاف اس کے کہ میرے ساتھی، میں نے ان سے کہا کہو: نستغفر اللہ و نتوب الیہ۔ تو فوراً انھوں نے میرے کہنے کے مطابق ایک زبان ہو کر نستغفر اللہ و نتوب الیہ کہا اور

پھر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کون سا مقام ہے جہاں ہماری اونٹنی بیٹھ گئی ہے؟۔ اونٹنی کے بیٹھتے ہی ساتھیوں نے کہا خلاق اب یہ اونٹنی یہاں سے نہیں اٹھے گی یہ اَڑ گئی ہے، یہاں پر سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری اونٹنی کو اڑانے کی عادت نہیں ہے بلکہ یہاں پر یہ کعبہ کی تعظیم کے لیے بیٹھ گئی۔ جس رب نے کل حبشیوں کے ہاتھیوں کو بیٹھا دیا تھا جو کعبہ پر حملہ کرنے کے لیے آئے تھے اسی رب کے حکم سے یہ اونٹنی یہاں بیٹھ گئی ہے۔ لہٰذا آپ لوگ یہاں اتر پڑیئے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اترنے کو ہم اتر جائیں لیکن یہاں اندھا کنواں ہے جس کے اندر پانی نہیں ہے اور ہم لوگ پندرہ سو ہیں اور پندرہ سو انسانوں کے ساتھ قربانی کے اور سواری کے جانور ہیں۔ اگر ہم اس بے پانی کے میدان میں اترے تو ہمیں پینے وضو غسل اور اپنے جانوروں کو پلانے کے لیے پانی کہاں سے ملے گا۔ اس مقام پر دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں حضور والا نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر ایک صحابی کو دیا اور کہا کہ جاؤ اس اندھے کنویں میں اترو جس کے اندر مطلق پانی نہیں رہا ہے۔ آپ اس کے پیندے میں جا کر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اس تیر کو گاڑ دینا، پھر دیکھنا کہ پانی کی کیا ریل پیل ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ صحابی کنویں کے اندر اترے اور انہوں نے جا کر سوکھے ہوئے پیندے میں حضور والا کے تیر کو گاڑ دیا۔ جیسے ہی تیر پیندے میں گاڑا ایسا معلوم ہوا کہ جیسے زمین نے اپنا پردہ پھاڑ دیا، اور اس میں سے پانی اگلنا شروع ہو گیا۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے پاس تھوڑا پانی ہے؟ بعض صحابہ نے عرض کیا اور تو پانی نہیں ہے مگر آپ کے چھوٹے مشکیزے میں تھوڑا سا پانی ہے۔ فرمایا: لے آؤ ہمارے پاس، مشک لائی گئی، حضور والا نے لکڑی کے بڑے پیالے میں اس پانی کو اوندھا کر دیا اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور والا نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اپنا داہنا ہاتھ اس پانی کے اندر ڈال دیا۔ حضرت جابر نے کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا

ہے کہ حضور والا کی انگلیوں کے بیچ سے پانی جوش مار رہا تھا اور ہم لوگ پانی لے رہے تھے اور سیراب ہو رہے تھے۔ ہم نے اپنی مشکیں اور کٹائیں اور پانی کے برتن بھرے، ہم نے پانی لیا، وضو کیا، غسل کیا اپنے جانوروں کو پلایا، اس کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اب پانی لے کر اس کنویں میں ڈال دو اور یاد رکھو یہ کنواں قیامت تک کبھی سوکھے گا نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے پوچھا، کہ اس پانی سے فائدہ لینے والے آپ لوگ کتنے تھے؟ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ہم پندرہ سو تھے، لیکن مجھے یقین ہے کہ جس رنگ ڈھنگ کے ساتھ پانی حضور والا کے ہاتھوں میں سے ابل رہا تھا کہ اگر پندرہ سو کے بجائے پندرہ ہزار ہوتے تو بھی وہ پانی کافی ہوتا۔ یہ حدیبیہ کا کنواں ہے اور آج بھی جدہ سے جب آپ مکہ کو روانہ ہوں تو مکہ کے قریب یہ مقام پڑتا ہے اور وہاں یہ کنواں ہے اور اب تک اس کا پانی سوکھا نہیں ہے۔ حالاں کہ پتھروں کے اندر جو کنویں ہوتے ہیں خصوصاً عرب میں وہ سخت گرمی میں سوکھ جاتے ہیں۔ لیکن اس کنویں کے اندر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے کا پانی پڑا ہوا ہے لہٰذا یہ پانی کبھی نہیں سوکھتا۔ الحمد للہ رب العالمین آپ کے اس خادم نے بھی اس پانی سے وضو کیا ہے۔ عصر کی نماز حدیبیہ میں پڑھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ پانی مجھے تھوڑا پینے کو ملا ہے۔

اس مقام پر جب سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہنچے تو قریش کی طرف سے ایک اور قاصد آیا جس کا نام بدیل بن ورقہ خزاعی ہے، اس نے آکر پوچھا، آپ مکہ کس لیے جا رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا تم سے پہلے بھی سفیر تمہارے آچکے ہیں اور میں ان سے کہہ چکا ہوں کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہمارے پاس لڑائی کا کوئی سامان نہیں ہے۔ میں قربانی کا جانور ساتھ لیے ہوئے ہوں اور قربانی کے جانور لے کر مکہ کی زیارت کے لیے جا رہا ہوں میں لڑنے کے لیے نہیں جا رہا ہوں۔ اس نے کہا: سب صحیح ہے لیکن قریش آپ کو دوبارہ مکہ میں آنے کے لیے تیار نہیں ہیں،

سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بھلا بھائی جاؤ اور ان کو میرا پیغام پہنچاؤ، تو یہ بھی یہاں سے واپس چلے آئے اور جب انہوں نے قریش کو پیغام پہنچایا تو قریشیوں نے کہا تم ایک جاہل آدمی ہو تمہیں بات کرنا نہیں آتی، بیٹھ جاؤ یہاں پر پھر اس کے بعد قریش نے اپنا تیسرا سفیر عروہ بن مسعود ثقفی کو بارگاہ سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بھیجا وہ آئے اور انہوں نے سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پھر وہی بات کہی آپ کہاں جارہے ہیں اور کیوں جارہے ہیں؟ حضور والا نے فرمایا: کتنی مرتبہ تمہیں بتاؤں کہ کیوں جارہا ہوں، میں کعبہ کی زیارت کے لیے جارہا ہوں، وہاں ہم کعبہ کا طواف کریں گے۔ وہاں ہم سب اپنا سر مونڈائیں گے اور اپنی قربانیوں کے جانوروں کو ذبح کریں گے۔ کیا کعبہ پر وہ حق جو تم لوگوں کا ہے وہ میرا حق نہیں ہے؟ کیا کعبے کے بانی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تنہا تمہارے ہی باپ ہیں، ہمارے باپ نہیں؟ کیا میں قریشی نہیں ہوں؟ کیا میں ہاشمی نہیں ہوں؟ کیا مکہ اور کعبہ پر میرا حق نہیں ہے؟ تم نے اپنے دشمنوں پر کبھی کعبہ بند نہیں کیا لیکن افسوس یہ ہے کہ تم میرے اوپر آج کعبہ کو بند کر رہے ہو۔ عروہ بن مسعود نے کہا کہ سنیے، یہ جو آپ اپنے ساتھ مدینہ کے چند کھسیاروں کو لے کر آگئے ہیں اگر لڑا پڑی قریش جوتے کی کھالیں پہن کر تیاری کر کے باہر نکل آئیں، مرد و عورت کے ساتھ لڑائی اگر لڑنی پڑی تو یہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور آپ تنہا رہ جائیں گے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے۔ انہوں نے فرمایا: **یا عدو اللہ امصص بظر اللات انفو عنہ**۔ اے خدا کے دشمن! لات کا بظر چوس جا کر، کیا ہم سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ عروہ بن مسعود نے کہا: حضور والا یہ کون بولا یہ کس نے گالی دی؟ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ذرا پہچان کر دیکھو یہ ابن ابی قحافہ ہیں ابو بکر صدیق ہیں اس نے دیکھا اور کہنے لگا اگر کچھ احسان میرے اوپر نہ ہوتا تو میں اس کا تمہیں جواب دیتا۔ عرب کا یہ قاعدہ تھا کہ جب وہ اپنے مقابل سے باتیں کرتے تو داڑھی پر ہاتھ ڈال

ڈال کر باتیں کرتے تھے جیسا کہ ہم لوگ اپنے چاہنے والے سے بات کرتے ہیں تو زانوں پر ہاتھ رکھ کر باتیں کرتے ہیں ارے بھائی سنو! سنو! عروۃ بن مسعود اپنے قاعدے کے مطابق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک پر بار بار ہاتھ ڈالتا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زرہ پہنے ہوئے موجود تھے انہوں نے کہا اے دشمن خدا اپنا یہ ہاتھ ریش مبارک سے ہٹالے ورنہ یاد رکھ یہ ہاتھ دوبارہ تمہارے جیب میں جانے کے لائق نہیں رہ جائے گا چوں کہ وہ زرہ پہنے ہوئے تھے لہٰذا یہ پہچان نہ سکا اس نے کہا یہ کون بولا؟ سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے چچیرے بھائی مغیرہ بن شعبہ ہیں، بڑا شرمندہ ہوا پھر اس نے کہا اچھا میں جا کر قریش سے سارا واقعہ کہے دیتا ہوں پھر اس کے بعد تم جانو تمہارا کام جانے۔ یہ یہاں سے واپس ہو گیا قریشیوں میں پہنچا سب سے پہلے قریشیوں نے اس سے پوچھا تم نے محمد کو ان کے لوگوں میں کیسا دیکھا ہمیں یہ بتاؤ دیکھو قریش پوچھ رہے ہیں کہ تم نے ان کو ان کے صحابہ میں کیسا دیکھا؟ اس کا تو سیدھا جواب یہ تھا کہ جو کچھ عروہ نے دیکھا تھا بیان کر دیتے لیکن وہ یہ جواب نہیں دیتے بلکہ عروہ کہتے ہیں کہ دیکھو میں تمہارا مومن بھائی ہوں جو یہاں سے گیا تھا اور میں مسلمان نہیں ہوا بلکہ جیسا گیا تھا تمہارے دین پر ویسا ہی واپس آیا ہوں مجھے آپ بتائیے یہ سوال کا کیا جواب ہوا کہ کوئی آدمی سوال کرے اس مان کا اور جواب دے آسمان کا، کوئی آدمی سوال کرے کھیت کا جواب ملے کھلیان کا، کوئی آدمی سوال کرے آم کا جواب ملے املی کا، تو یہ سوال کا جواب ہی کیا ہوا، وہ تو یہ پوچھ رہے ہیں کہ تم نے اصحاب محمد میں محمد کو کیسا دیکھا، ان کی کیا شان دیکھی؟ اس کے جواب دینے کی بجائے وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں مسلمان ہو کر نہیں آیا ہوں بلکہ تمہارے دین پر ویسا ہی آیا ہوں جیسا میں گیا تھا تو اس سوال و جواب میں ربط کہاں ہوا؟

ابھی تم سمجھے نہیں، بات در اصل یہ تھی کہ عروہ جو جواب دینے والا تھا اس کو یہ فکر ہو گئی تھی اس جواب سے پہلے اپنی دینی پوزیشن کو صاف نہیں کیا تو قریش کو یہ گمان ہوگا کہ میں بھی وہاں

جا کر مسلمان ہو آیا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ غصہ میں آ کر میری گردن ہی مار دیں لہٰذا اس نے پہلے اپنی پوزیشن کو صاف کیا کہ میں مسلمان نہیں ہوا ہوں میرے جواب کو یہ مت سمجھنا کہ میں مسلمان ہو کر ان کی طرف داری میں کہہ رہا ہوں بلکہ میں نے جو دیکھا ہے وہی کہہ رہا ہوں۔ اس کے بعد اس نے کہا، اب سنو! اپنے سوال کا جواب:

اے معشر قریش! میں نے روم کی بادشاہت دیکھی ہے اور شہنشاہ روم کا دربار دیکھا ہے اور میں ایران گیا ہوں اور میں نے نوشیرواں کسریٰ ایران کا دربار دیکھا ہے میں حبشہ گیا ہوں اور میں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو بھی دیکھا ہے اس وقت دنیا میں یہ تین بڑی بھاری سلطنتیں ہیں۔ لیکن میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جو بات میں نے محمد وآل محمد میں دیکھی وہ میں نے کہیں نہیں دیکھی میں نے یہ دیکھا کہ جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے وضو کے پانی کا کوئی قطرہ زمین پر نہیں گرنے پاتا ان کے صحابی پانی لینے کے لیے جھپٹ پڑتے اور جھپٹنے میں ایک دوسرے پر ایسا گرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں تلوار چل جائے، یہاں تک جب وہ کلی کا پانی تھوکتے ہیں تو کلی کا پانی زمین پر نہیں گرنے پاتا لوگ اسے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں کوئی اسے اپنے منہ پر مل لیتا ہے کوئی پی جاتا ہے کوئی اپنے سینے پر مل لیتا ہے اور جب وہ محفل میں بیٹھے ہوتے ہیں اور لوگ ان کے سامنے ہوتے ہیں تو اس طرح بیٹھتے ہیں کانما علی رؤسھم الطیور (گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں) اور میں نے دیکھا ہے کہ وہ لڑنے کے لیے نہیں آرہے ہیں ان کے پاس قربانی کے جانور ہیں اور وہ سب احرام باندھے ہوئے ہیں، وہ کعبے کی زیارت کے لیے آرہے ہیں لہٰذا میں گزارش کرتا ہوں کہ کعبے کو ان کے لیے کھلا چھوڑ دو وہ آئیں گے، کعبہ کا طواف کریں گے کعبہ میں اپنی قربانیاں پیش کر کے سر منڈائیں گے اور پھر اس کے بعد امن کے ساتھ واپس چلے جائیں گے قریشیوں نے کہا اچھا تم بیٹھو ہم اس معاملے کو ابھی سمجھتے ہیں اور اس سفارش کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بنی

خذاعہ میں کے ایک آدمی کو قریش کے پاس پہلا سفیر بنا کر بھیجا اور کہلا بھیجا کہ احرام کے ساتھ حج کے ارادے سے مکے آیا ہوں۔ میں لڑنے کے لیے نہیں آرہا ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پیغام کے ساتھ انہیں اپنا اونٹ روانہ کیا۔ جب یہ پہنچے تو قریشیوں نے انہیں گرفتار کرلیا اور اونٹ کو قتل کر دیا ان کو گرفتار کر کے قلعہ میں بند کر دیا تب سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اے عمر! اب تم مکہ جاؤ اور ہمارا پیغام مکے والوں کو پہنچا دو۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضور والا مکے میں اب میرے قبیلہ کا کوئی باقی نہیں ہے کہ میری حمایت کرے اور سرکار تو جانتے ہی ہیں کہ میری اور مکے والوں کی کیسی کٹی ہوئی ہے نہ میں انہیں برداشت کر سکتا ہوں اور نہ وہ مجھے برداشت کر سکتے ہیں سفیر تو ایسا ہونا چاہیئے جو کہ آپ کے پیغام کو پہنچا سکے میں ایک ایسا آدمی آپ کو عرض کرتا ہوں یارسول اللہ جو آپ کا پیغام بڑے عمدہ طریقہ سے پہنچائے گا وہ ہیں عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کا بہت بڑا قبیلہ وہاں موجود ہے ابوسفیان سردارِ مکہ ان کا قریبی عزیز ہوتا ہے اور ان کے حمایتی بھی ہیں چونکہ ان کے پاس مال بہت تھا اور انہوں نے مکے والوں کی مالی امداد بہت کی تھی، ان کی تجارت میں مدد بہت کی ہے، مکے والوں پر ان کا احسان ہے چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ حضرت عثمان مکے پہنچے تو سفیان بن امیہ نے انہیں اپنی پناہ میں لیا اور حضرت عثمان نے اپنا پیغام اور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام کو قریش تک پہنچا دیا قریشیوں نے کہا خصوصاً ابوسفیان نے کہا: اے بھائی عثمان! آپ تو ہمارے بھائی ہیں ہمارے برادر ہیں بسم اللہ آپ کے لیے کعبہ کھلا ہے آپ کے لیے قربانی کے اونٹ ہم مہیا کریں گے۔ آپ بڑے اطمینان سے کعبہ کا طواف کیجئے قربانی کیجئے اپنا سر منڈائیے ٹھنڈے ٹھنڈے واپس ہو جائیے لیکن ہم آپ کے دوستوں کو دوبارہ مکے میں داخل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: سبحان اللہ!

میرے آقا ومولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے دوست واحباب اور میرے دینی بھائی مکے کی زیارت سے محروم ہوجائیں اور میں ان کے نہ ہوتے مکے کا طواف کر کے چلا جاؤں یہ مجھے منظور نہیں ہے۔ ہرگز نہ جاؤں گا، میں ہرگز نہ جاؤں گا۔ میں ان کے ساتھ ہی مکے کا طواف کروں گا۔ مگر قریشیوں نے حضرت عثمان کو روک لیا اور ادھر مسلمانوں میں یہ خبر اڑ گئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیے گئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے انہوں نے بڑے غصے کا اظہار کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! قریشیوں کے کئی سفیر ہمارے پاس آئے لیکن ہم نے انہیں مال اور عزت کے ساتھ رخصت کیا اور ہمارے ایک سفیر اور وہ بھی عثمان جیسے حلیم الطبع انسان گیا اور انہوں نے انہیں شہید کر دیا۔ حضور والا نے ایک پیپل کے درخت یا ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر مسلمانوں سے بیعت کی مسلمان جوق در جوق آتے تھے اور سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرتے تھے۔ بیعت کا ہے پر ہو رہی تھی دو چیزوں پر ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے اور ہماری ہر چیز اللہ اور رسول پر قربان کر دی جائے گی۔ جب یہ بیعت مکمل ہوگئی مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے اس بیعت کے متعلق آیت کریمہ نازل فرمائی۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ

(سورہ فتح آیت ۱۸)

اللہ تبارک وتعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہوگیا جو اے پیارے محبوب آپ سے بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے۔

آج جو یہ قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی شجروں میں بیعت ہوتی ہے یہ بیعت کا سلسلہ بھی اسی سے وابستہ ہے اور پیر اپنے مریدوں کو شجرہ دیتے ہیں شجرہ کے معنی درخت کے ہیں۔ یہ شجرہ بھی اسی شجر سے لیا گیا ہے۔ پیپل کے درخت کے نیچے سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیعت لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا۔

(پ۲۶ سورہ فتح آیت ۱۰)

اے پیارے محبوب! جو آپ سے بیعت کرتے ہیں جو لوگ آپ سے مرید ہوئے ہیں وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ید اللہ فوق ایدیھم یہ جو ظاہر میں اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھوں پر رکھ دیا ہے یہ ان کا ہاتھ نہیں بلکہ یہ حقیقت میں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر رکھا ہوا ہے۔

سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب سب سے بیعت لے چکے انہوں نے ارشاد فرمایا میرا عثمان یہاں موجود نہیں ہے جانتا ہوں کہ وہ شہید نہیں ہوئے ہیں لہٰذا میں عثمان کی بیعت لیتا ہوں میں اسے اس بیعت سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔ یہ کہہ کر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ھذا ید عثمان یہ عثمان کا ہاتھ ہے یہ کہہ کر اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے ملا ھذہ بیعة عثمان۔ اسی لیے سیدنا عثمان غنی ذوالنورین جامع القرآن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فخر سے کہتے لوگو! تم نے اپنے اپنے ہاتھ سے بیعت کی سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، لیکن میں نے حضور والا کے ہاتھ سے حضور والا کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور اس کو بیعت عثمان کہا جاتا ہے سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ حضرت عثمان شہید نہیں ہوئے وہ گرفتار کر لیے گئے ہیں اس کے ساتھ قریشیوں نے سہیل بن عمرو نامی ایک آخیر سفیر بھیجا گیا کیوں کہ قریشیوں کو اس بات کا پتہ ہوگیا تھا کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت تنہا نہیں آئے ہیں، پندرہ سو ساتھی ہیں اگر بات بگڑ گئی تو لڑائی زبردست چھڑ جائے گی۔ سہیل بن عمرو آیا، جیسے ہی وہ نمودار ہوا سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا لوگو! یہ جو آدمی آرہا ہے صلح کا پیغام لے کر آرہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں، دیو کے بندے جو کچھ ملے ہوتے ہیں کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا، اپنے پیٹھ پیچھے کی خبر نہیں تھی۔ دیکھو اس سے پہلے قریش کی طرف سے پیغام لے کر بہت آدمی آچکے

ہیں، وہی ایک پیغام، لیکن حضور والا نے کسی کو دیکھ کر یہ نہیں کہا کہ وہ اس لیے آرہا ہے، وہ اس لیے آرہا ہے، لیکن سہیل بن عمرو جو حقیقت میں صلح کا پیغام لے کر آرہے تھے سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی فرمایا: یہ آدمی صلح کا پیغام لے کر ہمارے پاس آرہا ہے حقیقت یہی تھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور والا کو علم غیب عطا فرمایا تھا، خود اللہ کا عطیہ ہے حضور والا نے پہچان لیا، یہ خالی نہیں آرہا ہے، معمولی پیغام لے کر نہیں آرہا ہے، پیغامِ صلح لے کر آرہا ہے۔ سہیل بن عمرو آگے پہنچ گئے اور کہتے ہیں کہ قریش آپ سے صلح کرنا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا، سبحان اللہ، جنگ کے معاملہ میں پہل بھی انہوں نے ہی کی ہے، میں نے ان سے جنگ کی بات نہیں کی تھی، میں نے تو پہل نہیں کی، تو اگر وہ صلح کرنے کے لیے تیار ہیں تو میں بھی صلح کرنے کے لیے تیار ہوں، اللہ اکبر! سہیل بن عمرو نے دیکھا کہ اس وقت حضور والا کی طبیعت بہت نرم ہے تو کہا، مگر ایک بات ہے، صلح کے لیے قریش کی شرائط ہیں وہ آپ کو قبول کرنی ہوں گی۔ حضور والا نے فرمایا جو شرائط تم پیش کروگے اسے ہم قبول کرلیں گے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ جانتے ہیں جلالی انسان تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عمر کو حضرت موسیٰ کا جلال دیا گیا ہے اور ابوبکر کو حضرت ابراہیم کی مہربانی دی گئی ہے۔ سنو! موسیٰ کے جلال کی تجلی تھی حضرت عمر میں، حضرت ابوبکر ساتھ تھے پاس جا کر فرمایا یا ابابکر السنا المسلمین، کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ انہوں نے بلیٰ یا عمر، کیا نئی بات لے کر آ گئے تھے، کہا: یہ بتاؤ، الیس ھو رسول اللہ؟ کیا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ کہا: بے شک ہیں۔ الیسوا مشرکین؟ قریشی کیا مشرک نہیں ہیں؟ کہا ہاں وہ مشرک ہیں، کہا، کیا بات ہے کہ ہم دین میں اتنی ذلیل شرطوں سے صلح کیوں کر رہے ہیں؟ اور یہ کہہ کر حضرت عمر آگے بڑھ گئے اور انہوں نے یہی مکالمہ سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دہرادیا حضور والا نے ارشاد فرمایا، اے عمر! قسم ہے اس رب کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے میں تو اپنی طرف سے کچھ

نہیں کرتا، میں وہی کرتا ہوں جو میرا رب ارشاد فرماتا ہے، میرے رب نے تو یہی کہا تو میں بھی یہی کہہ رہا ہوں، اے عمر سنو! جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ہو، حضرت عمر نے فرمایا، مجھے بہت شرمندگی ہوئی کہ میں نے آقا کے سامنے تیز لہجہ میں بات کی۔ میں اپنے اس تیز لہجہ کے بدلے میں نفل پڑھتا رہا کفارہ کے لیے، میں صدقہ دیتا رہا کفارہ کے، روزہ رکھتا رہا کفارہ کے لیے اور جب سے میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے لیے سن لیا ہے کہ عمر جنت میں جائے گا تب مجھے اطمینان ہوا کہ میری وہ خطا معاف کردی گئی۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت علی مرتضیٰ کو بلاؤ، بڑے مزے کی بات بتا رہا ہوں، ذرا درود شریف کا نعرہ لگاؤ۔ **اللھم صل علیٰ سیدنا مولانا محمد بارک وسلم صلاۃ وسلاما علیک یارسول اللہ**۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے حضور والا نے ارشاد فرمایا: علی! قلم دوات سنبھال لو اور صلح نامہ کا مضمون لکھو، حضرت علی مرتضیٰ کاغذ، قلم، دوات، سنبھال کر بیٹھے۔ فرمایا: سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھو: **بسم اللہ الرحمن الرحیم**، حضرت علی نے لکھا **بسم اللہ الرحمن الرحیم**، جیسے ہی **بسم اللہ** لکھا سہیل بن عمرو کہنے لگا، اے جناب! ذرا ٹھہر جایئے، یہ آپ نے کیا لکھ دیا ''**بسم اللہ الرحمن الرحیم**'' نہیں صاحب! یہ رحمن ورحیم خداؤں کو ہم نہیں مانتے، ہم صرف اللہ کو مانتے، یہ رحمن و رحیم آپ کے دو خدا اور کہاں سے آ گئے، آپ کو صلح نامہ میں عنوان صلح وہی لکھنا پڑے گا جو قریشی لوگ لکھتے ہیں، ہم لوگ اپنے خطوں میں **اللھم** لکھتے ہیں، یہ آپ اپنا کاٹ دیجیے! اس کی جگہ پر ''**اللھم**'' لکھ دیجیے، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سہیل جیسا کہتا ہے ویسا کردو، حضرت علی مرتضیٰ نے ''**الرحمن الرحیم**'' کاٹ دیا اور اس کی جگہ پر ''**باسمک اللھم**'' لکھ دیا، کہا اب اس کے بعد لکھو ''**ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ**'' جیسے ہی حضرت علی نے لکھا ''**ھذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ**'' فوراً سہیل نے کہا، کیا لکھا آپ نے اس کاغذ پر محمد

رسول اللہ لکھ دیا اور اس پر ہم دستخط کریں گے۔ ارے صاحب یہی تو ہمارا ان کا جھگڑا ہے، اگر ہم انہیں رسول مانتے ہوتے تو کیا انہیں کعبہ جانے سے روک دیتے۔ ہماری اور ان کی لڑائی تو یہی ہے کہ تم انہیں رسول اللہ سمجھتے ہو اور ہم انہیں رسول اللہ نہیں سمجھتے نہیں صاحب لکھیے: **"ماقال علیه محمد بن عبد اللّٰہ"** یہ صلح نامہ ہے جو محمد بن عبد اللہ کی طرف سے آیا ہے اے علی **"محمد رسول اللّٰہ"** کاٹ دو اور محمد بن عبد اللہ لکھ دو حضرت علی نے اپنے قلم کو روک دیا عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نے اللہ کے آگے سے رحمن ورحیم کاٹ دیا لیکن آپ کے نام نامی اسم گرامی کے آگے سے رسول اللہ نہیں کاٹ سکتا۔ میں اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کا لفظ نہیں کاٹوں گا سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلح نامہ ان کے ہاتھ سے لے لیا تم جانتے ہو میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رسول امی ہیں، حضور والا لکھتے نہیں ہیں مگر مولی تبارک وتعالیٰ نے معجزہ کے طور پر حضور والا کو اس وقت لکھنے پڑھنے کی قدرت عطا فرمائی اس وقت حضور والا نے اپنے ہاتھ سے محمد رسول اللہ سے لفظ رسول اللہ قلم زد کر دیا اور اس کی جگہ پر محمد بن عبد اللہ لکھ دیا۔ یہاں پر ایک بات ذہن میں رکھنے کے لائق ہے تمہیں معلوم ہے کہ علی مرتضیٰ نے اسم جلالت کے آگے سے الرحمن الرحیم کاٹ دیا لیکن (محمد رسول اللہ) اسم رسالت کے ساتھ انہوں نے رسول اللہ کو کاٹنا گوارا نہیں کیا۔ لیکن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قصہ سمجھ میں نہیں آیا ہوگا۔ اس کو سمجھ لو تو بڑی بات سمجھ میں آجائے گی۔ بات یہ ہے کہ لکھنے والے علی مرتضیٰ ہیں اور علی مرتضیٰ کے باپ کا نام ابو طالب ہے اور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد کا نام ہے عبد اللہ ہے اور ابو طالب اور عبد اللہ دونوں ایک ماں باپ کے سگے بھائی ہیں گویا علی مرتضیٰ یہ کہہ رہے ہیں کہ یا رسول اللہ علی مرتضیٰ نے آپ کو محمد رسول اللہ کہہ کر پہچانا ہے محمد بن عبد اللہ کہہ کر اگر علی پہچانے تو پھر آپ اور علی بھائی بھائی ہو جائیں گے میں چھوٹا بھائی اور آپ بڑے بھائی لیکن ہم نے آپ کو بڑا بھائی نہیں سمجھا ہے، ہم نے آپ کو اللہ کا رسول سمجھا ہے۔ اللہ اکبر میرے دوستو ذرا سوچو! ذرا

خیال کرو، علی مرتضیٰ جو کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چھوٹے بھائی ہیں انہیں یہ حق تھا کہ وہ کہتے کہ میں آپ کا رشتے میں واقعتاً چھوٹا بھائی ہوں لیکن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمر بھر آپ کو بھائی کہہ کر نہیں پچنوایا حضور والا کو کبھی ایہا الاخ کہہ کے آواز نہیں دی بھائی کہہ کر نہیں پکارا ہمیشہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ کہہ کر آواز دی ان کے صاحبزادے سیدنا عباس علم بردار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کربلائے معلیٰ کے اندر انہوں نے اپنے بڑے بھائی آقا سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیدائش سے لے کر وفات تک یہاں تک کہ جب وہ شہید ہو کر آئے تو انہوں نے ان کا سر زانوں پر رکھا اس وقت بھی جو انہوں نے آواز دی یہ کہہ کر آواز دی ہے اللہ اکبر **"مولای ادرکنی مولای اغثنی"** اے میرے مولی دیکھ جایئے میں شہید ہو کر گر رہا ہوں میرے آقا آیئے مجھے دیکھ لیجئے اللہ اکبر! جب حضرت امام عالی مقام نے ان کا سر اپنے زانوں پر رکھا کہ اب گلشن جناں تیار ہونے والا ہے اب اپنی جان خدا کے سپرد کرنے والے ہیں ان کی شہادت ہونے والی ہے تب امام عالی مقام نے ارشاد فرمایا: عباس عمر بھر جب کبھی بھائی کہہ کر نہیں پکارا اب تم جنت جا رہے ہو ایک مرتبہ آخری بار مجھے بھائی کہہ کر پکارو اس وقت حضرت عباس نے بڑے بھائی حسین کو بڑے میٹھے انداز میں کہا: **اخی الکریم**، اتنا کہتے ہی اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ تو حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا میں ابن عبد اللہ کیسے لکھوں اگر میں ابن عبد اللہ لکھتا تو آپ پھر میرے بھائی ہوتے اور میں آپ کا بھائی ہوتا دونوں برابر کے ہوتے اور برابر نہیں۔

اور یہ مان لیجئے کہ یہ شرائط ایک نبی ہی کر سکتا ہے۔ ایک بادشاہ یا فرمانروا نہیں کر سکتا، دنیا کا کوئی حاکم نہیں کر سکتا۔ یہ کوئی ایسا ہی کر سکتا ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم غیب عطا کر رکھا ہو، جو ان شرائط کے انجام کو سمجھتا ہو۔ آج ہم شرائط کرتے ہیں دو فرمانرواں، دو ملک آپس میں صلح کرتے ہیں۔ ان کے سپاہی رہنما آپس میں صلح کرتے ہیں ان میں شرائط انسانی دماغ ایجاد کرتا

ہے لیکن ناکام ہوجاتے ہیں آج دونوں ملک آپس میں کہہ رہے ہیں کہ معاہدے ناکام ہو گئے۔ لیکن جو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر صلح کی جس میں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں دھڑکن پیدا ہوئی کہ یہ معاہدہ نچلی سطح پر جارہا ہے مگر آپ دیکھیے کہ صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ کی بنیاد ثابت ہوئی اور یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ دنیا کی سیاست والے نہیں بلکہ اللہ کے نبی تھے۔ درود شریف کا نعرہ بلند کرو: **اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وبارک وسلم صلاۃ وسلاما علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔**

اب آپ دیکھیں کہ معاہدہ کتنی نچلی سطح پر ہورہا ہے کہ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی ایسا بھی فریق ہوگا جس کو اتنا دبا کر معاہدہ کیا جائے معاہدہ یوں ہورہا ہے (۱) کہ قریش میں اور ہم میں دس برس تک جنگ رکے گی (۲) ان دس برس کے اندر لوگ امن وامان کے ساتھ رہیں گے (۳) ان دس برس کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ جنگ نہ کی جائے (۴) جو قبیلہ محلہ چاہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیں گے اور جو قبیلہ چاہے وہ قریش کی مدد کریں گے جب دونوں فریق علاحدہ علاحدہ ہوکر ایک دوسرے کا ساتھ دے دیں گے تو یہ دونوں آپس میں نہیں لڑیں گے۔ (۵) (مقام غور ہے؟؟ احسن)

ظاہراً وہ بڑی نچلی سطح کی تھی ظاہر میں بڑی دقیق تھی اور سچ بات یہ ہے کہ آج کی کوئی مجبور سے مجبور سلطنت اسے برداشت نہیں کرسکتی، سوائے نبی کے کہ جس کے پاس اللہ کی طرف سے غیب کی خبر ہو اور وہ سمجھتا ہو کہ ظاہر میں ذلت سی ہے لیکن اس کے اندر باطن میں عزت چھپی ہوئی ہے۔ آخری شرط یہ تھی ان دس برس کے درمیان اگر کوئی شخص مکے سے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے تو حضور والا اسے مکے واپس کردیں گے اپنے پاس نہیں رکھیں گے اور اگر کوئی مسلمان مرتد ہوکر مکے میں جائے تو مکے والے اسے واپس نہیں کریں گے آپ نے دیکھا یہ شرط دلوں کو جلبلا دینے والی ہے ایسی شرط خون میں ہیجان پیدا کردینے والی ہوتی ہے یہ شرط دماغوں کو

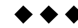
الٹ دینے والی ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلبلا اٹھے یہ کہہ کر کہ الست رسول اللّٰہ کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ السنا المسلمین کیا ہم مسلمان ہیں؟ الیسوا مشرکین کیا یہ مشرک نہیں ہیں؟ تو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر جو میں جان رہا ہوں وہ تم نہیں جان رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہے ہو۔ صلح نامہ مکمل ہوگیا، مسلمان اور مشرکین دونوں کی شرطیں طے ہوگئیں اور تحریر میں آگئیں ایک ایک نقل دونوں کے لیے مرتب کردی گئی اور سہیل بن عمرو نے جیسے ہی صلح نامہ کو لے کر اپنی تلوار کے درمیان رکھا تو دیکھا کہ سامنے سے اس کا لڑکا ابوجندل پیروں میں زنجیروں کے ساتھ قیدیوں کی طرح گھسٹتا ہوا آرہا ہے اور دیکھا کہ اس کے پیروں میں زخم پڑے ہوئے ہیں یہ ابوجندل جو مسلمان ہوگئے اور مکے میں ان کو قید کردیا گیا تھا جب انہوں نے سنا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ پر تشریف فرما ہیں تو یہ قید سے فرار ہوگئے اور بارگاہ میں حاضر ہوئے جیسے ہی آپ حاضر ہوئے سہیل بن عمرو کھڑا ہوا اور ایک طمانچہ رسید کیا اور کہنے لگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہوچکا ہے کہ مکے سے اگر کوئی مسلمان ہوکر آئے تو اسے واپس کردیں گے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل سے فرمایا ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہوچکا ہے اور ہمارے دین میں عہد کرکے غداری کرنا جائز نہیں لہٰذا تم واپس ہوجاؤ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! بے دینوں میں واپس کررہے ہیں تاکہ میرا دین تباہ کردیا جائے حضور والا نے فرمایا: نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارا راستہ نکالے گا حضرت ابوجندل کو ان کے باپ کے سپرد کردیا یہ ان کے ساتھ واپس ہوئے پھر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو سب اپنا سر منڈوالو قربانی کرو۔ لوگ تیار نہ ہوئے پھر حضور والا فرماتے ابھی میں نے تم سے کہا کہ قربانی کرو اور سر منڈوالو مگر کوئی نہیں اٹھا سب سر جھکائے بیٹھے ہوئے ہیں سب کی پیشانی پر بل پڑے ہیں آنکھوں سے حسرت جاری ہے، حضور والا خیمے میں تشریف لے گئے ان کے ساتھ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ تھیں آپ نے فرمایا: ام سلمہ! آج

تک میں نے اپنے معاملہ میں مسلمانوں کو دیر کرتے نہیں دیکھا۔ پہلا موقع ہے کہ مسلمان میرے حکم میں دیر کررہے ہیں، عرض کرنے لگیں۔

اللہ اکبر! کتنے بڑے کی بیوی ہیں، اللہ کے رسول کی بیوی ہیں، خاتم النبیین کی بیوی ہیں، مسلمانوں کی ماں ہیں، آخرعرض کیا: حضوروالا! یہ بات نہیں ہے کہ مسلمان نافرمان ہیں، مگر اس صلح سے ان کے دل ٹوٹ گئے ہیں وہ تو مکہ سے یہ ارادہ لے کر چلے تھے کہ کعبہ کی زیارت کریں گے مگر کعبہ کی زیارت کی بجائے نچلی سطح پر صلح کرنی پڑی ہے دل ٹوٹ گئے ہیں۔ میں ایک بات عرض کرتی ہوں آپ باہر تشریف لے جائیں کسی سے کچھ نہ کہیں قربانی پیش کریں اپنا سر منڈائیں پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے جیسے ہی سرکار نے قربانی کی اپنا سر مبارک منڈوایا بس چاروں طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے اور جن کو بال کٹوانا تھا کٹوائے اور باقی لوگ سر منڈوائے، حضوروالا نے فرمایا: رب العالمین نے سر منڈوانے والے پر اپنی رحمت فرمائی جنہوں نے خالی بال کٹوائے تھے انہوں نے کہا: وعلی المقصرین یارسول اللہ اور جنہوں نے بال کٹوائے تھے؟ ان کے لیے بھی تو، حضوروالا نے فرمایا: ہاں یہاں تک کہ تیسری مرتبہ سر منڈوانے والے پر، یہاں سے یہ قافلہ دوبارہ مکہ روانہ ہوا۔

وآخردعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

(ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کا سیدین نمبر، ص: ۱۱۲۲ تا ۱۱۳۶)



سیرت خواجہ غریب نواز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ہادی لہ و نشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشہد ان سیدنا محمدا عبدہ و رسولہ بالہدیٰ و دین الحق ارسلہ و صلی اللہ تعالیٰ و سلم و بارک علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔

امابعد: صدق اللہ العلی العظیم و بلغنا رسولہ و مولی النبی الکریم و نحن علیٰ ذالک لمن الشاہدین۔ یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔

اللہم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ الہ و بارک و سلم۔

ترے پائے کا کوئی ہم نے نہ پایا خواجہ
تو زمیں والوں پہ اللہ کا سایہ خواجہ
میری کشتی ابھی ساحل سے لگی جاتی ہے
اک ذرا تو نے اگر ہاتھ لگایا خواجہ
ہے قلم رو میں ترے ہند کی پوری اقلیم
ہند کے ساری ولی تیری رعایا خواجہ
لے چلیں گے جو فرشتے مجھے دوزخ کی طرف

میں پکاروں گا ذرا ٹھہرو وہ آیا خواجہ
جوشِ مستی میں کئی آئے ہیں ایسے لمحے
میں بہک جاتا مگر تم نے بچایا خواجہ
بیخودی میں میں خودی ہی کو خدا کہہ دیتا
شکر ہے تم نے مگر یاد دلایا خواجہ
مکرِ شیطاں سے مریدوں کو بچا لیتے ہو
اس لیے پیر تمہیں اپنا بنایا خواجہ
بربطِ عشق پہ توحید کا نغمہ بولے
صدقے جاؤں میں ترے خوب سنایا خواجہ

(درود شریف)

ولایت پہ گفتگو کرتے ہوئے میں نے کل آپ کو یہ بتادیا تھا کہ ولایت اور ولا یہی دو مصدر ہیں ولی کے، ولایت کے معنی آتے ہیں قبضہ، تصرف، ملکیت اور مدد اور ولا کے معنی ہیں محبت، تو ولی اگر ولا سے لیا جاتا ہے تو اس کا معنی ہوتے ہیں محبت کرنے والا اور محبت کیا ہوا۔ یعنی محب اور محبوب، ولی اللہ کے معنی ہوں گے محبوب اللہ اور محب اللہ اور ولی جب ولایت سے لیا جاتا ہے تو ایک تو معنی ہوتے ہیں ناصر لدین اللہ اور منصور من اللہ، اللہ کے دین کی مدد کرنے والا اور اللہ کی طرف سے مدد کیا ہوا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ عزشانہ وجل جلالہ نے اپنے اولیاے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اپنی عطا اور بخشش سے ایسی قوتیں نصرتیں عطا فرمائی ہیں کہ ان قوتوں اور نصرتوں کے ذریعہ سے بحکم ربانی اللہ تبارک وتعالیٰ کے کارخانۂ قدرت اور اس جہان نوع میں وہ تصرف بھی کرتے ہیں اور اللہ کے حکم سے اس کے بندوں کی مدد بھی فرمایا کرتے ہیں، ابن حکیم کی حدیث ہے:

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اور اس حدیث پاک کو ترمذی شریف نے کہا ھذا

حدیث حسن صحیح، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ تو حدیث یہ ہے کہ:

اذا ضل عنکم الدابۃ فی فلاۃ الارض" جب تم میں سے کسی کا کوئی چوپایہ صحرا یا جنگل میں گم ہو جائے تو: فقولوا یاعباد اللہ اعینونی" (دو مرتبہ) اس وقت تم پکارو اور یہ کہو اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو اور اے اللہ کے بندوں میرے لیے اس چوپایہ کو روک کر رکھو، تو فرماتے ہیں محشی علیہ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مقرر فرما دیا ہے او وہ صرف یہی کام کرتے ہیں کہ گمی ہوئی چیزوں کو واپس ان کے مالکوں کے پاس پہنچا دیتے ہیں، تو یہاں سے اب یہ معلوم ہو گیا کہ اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اپنی حاجتوں اور اپنی مشکلوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا مظہر قدرت سمجھتے ہوئے اللہ کا بندہ سمجھتے ہوئے ان کو پکارنا اور ان کا وسیلہ لینا نہ کہ صرف جائز ہے بلکہ حدیث شریف سے بھی ثابت ہے۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میری آنکھیں چلی گئی ہیں، مجھے دونوں آنکھیں چاہئے۔ حضور والا نے ارشاد فرمایا: جنت میں نعمتیں چاہتے ہو یا دنیا میں آنکھیں چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا حضور! میں جنت بھی چاہتا ہوں اور دنیا میں اپنی دونوں آنکھیں بھی چاہتا ہوں۔ تو فرمایا اچھا تم جاؤ اور جانے کے بعد اچھی طرح سے وضو کرو اور وضو کرکے دو رکعت نفل نماز پڑھو اور دو رکعت نماز نفل پڑھنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کرو کہ الٰہ العالمین میں توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا، پھر اس کے بعد ہمارا نام لے کر پکارو، یارسول اللہ "انی اتوجہ بک" میں آپ کے ذریعہ سے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہوں "لتقضی بہ حاجتی" تا کہ اللہ میری حاجت کو پورا فرمادے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی آنکھیں واپس کردیں۔ یہ حدیث ترمذی کی ہے، اس حدیث نے بھی یہ بات ظاہر کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوبوں کا وسیلہ لینا اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے محبوبوں کو پکارنا

اس حدیث میں ہے کہ کہنا "یامحمد! انی اتوجه بک" اے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! ہم آپ کے ذریعہ اور آپ کے وسیلے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو متوجہ کرتے ہیں۔

کہنے والا یہاں پر یہ کہہ دیا کرتا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات شریف کا یہ واقعہ ہے اور اب حضور والا کے وصال کے بعد حضور والا کو پکارنا یہ حرام و ناجائز ہے۔ تو میں آپ سے پھر سے کہہ رہا ہوں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں پھر ایک اندھا آیا اور اس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے خلیفۂ سوم! میرے لیے دعا کیجیے کہ میری آنکھیں مجھے مل جائیں، آپ نے فرمایا دعا تو میں کروں گا لیکن جو آنکھیں تیری گئی ہوئی ہیں مجھے امید ہے کہ تیری آنکھیں شاید نہ ملیں گی، مایوس ہو کر وہ وہاں سے چلا تو راستے میں اسے عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک بوڑھے صحابی تھے، ملے جن کو آنکھیں مل چکی تھیں، تو انہوں نے پوچھا تم کہاں سے آرہے ہو؟ میں امیر المؤمنین کی خدمت سے آرہا ہوں، اس لیے گیا تھا۔ یہ ہے جواب، فرمایا جاؤ، روضہ اقدس پر حاضر ہو دو رکعت نماز پڑھنا اور جو دعا ان کو تعلیم دی گئی تھی، وہی دعا انہوں نے ان کو تعلیم فرمائی اور اس کے بعد اس نے وہ دعا پڑھی اور بفضلہ تعالیٰ انہیں بھی آنکھیں ملیں۔ اب یہ بعد وصال رسول اللہ صلی اللہ تبارک وتعالیٰ وسلم ہے۔

اسی لیے علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "الصواعق المحرقۃ" میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ "لا فرق بین حیاته ومماته" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضور والا کی اس زندگی اور اس زندگی ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح سے حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس زندگی میں تشریف فرما تھے حیات حسی کے ساتھ ایسے ہی حضور والا حیات حسی کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ جو لوگ "نبی اللہ حی" کا ترجمہ کرتے ہیں کہ انبیا کو برزخ کی زندگی ہے۔ برزخ کی زندگی تو ہر ایک کو حاصل ہے۔ کون ایسا مسلمان ہے؟ کون ایسا مردہ ہے جس کو برزخ کی زندگی نہیں ملی ہے۔ برزخ ایک عالم ہے دنیا وعقبیٰ کے درمیان میں۔ قیامت آخرت ہے، دنیا یہ دنیا ہے، ان

دونوں کے بیچ میں عالم برزخ ہے۔ جب کوئی یہاں پر مر جاتا ہے تو اس کی مثال وہاں قائم رہتی ہے تو برزخ کی زندگی تو بہر حال سب کو ملی ہوئی ہے تو یہ کہنا کہ "نبی اللہ حی یرزق" اللہ کے نبی زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے روزی دی جاتی ہے۔ معاذ اللہ یہ تو بیکار کلام ہو گیا، نہیں بلکہ علمائے اسلام کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ وآلہ وسلم اور جملہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اسی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جس زندگی کے ساتھ وہ امتوں کے سامنے تشریف فرما تھے۔

بات صرف اتنی ہوئی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے چونکہ یہ فرمادیا ہے کہ "کل نفس ذائقة الموت" ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہی ہے۔ اس وعدہ کو سچا کرنے کے لیے ایک آن کے لیے ان پر موت طاری کی جاتی ہے، انبیائے کرام پر ایک آن کے لیے وفات آتی ہے اور اس آن کے بعد پھر وہ ویسے ہی زندہ کر دیے جاتے ہیں۔ تو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویسے ہی حیات ہیں جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے حیات تھے جیسے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے حیات تھے، جیسے کہ حضرت امہات المؤمنین کے حجروں میں اپنی بیویوں کے سامنے زندہ تھے، ویسے ہی آج بھی زندہ ہیں اور ویسے ہی قیامت تک زندہ رہیں گے۔

اور حضور والا کی سماعت اللہ اکبر! ارشاد فرماتے ہیں علامہ محمد بن محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ نبی کا عالم یہ ہوتا ہے کہ لوح کے اوپر قلم چلتا ہے تو قلم کے چلنے میں جو صرصراہٹ ہوتی ہے جس کو عربی میں کہتے ہیں "صریر القلم" اس کو نبی زمین پر بیٹھ کر سنتا ہے۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل زمین سے جاتے ہیں آسمان کو اور آسمان سے آتے ہیں زمین کو ان کے آنے اور جانے سے آسمانوں کے دروازے جب کھلتے ہیں تو ان دروازوں کی چرچراہٹ میں مدینہ میں بیٹھ کر سنتا ہوں، حالانکہ سرور عالم صلی اللہ تبارک

وتعالیٰ وبارک وسلم کے جسم پاک سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے رہنے کی جگہ چودہ ہزار برس کا راستہ ہے۔ایک تیز گھوڑا اگر دوڑا دیا جائے اور وہ چوبیس گھنٹہ تک بغیر رکے ہوئے دن رات چلا کرے تو چودہ ہزار برس کے بعد وہ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے گا، جہاں پر رہتے ہیں، حضرت سیدنا جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام۔لیکن حضرات علما فرماتے ہیں کہ جبرئیل وہاں سے چلنے کا ارادہ کرتے ہیں نبی کی طرف اور نبی کو جبرئیل کی خوشبو آجاتی ہے کہ اب جبرئیل چلے سدرہ سے سے ہمارے پاس،تو ظاہر بات ہے کہ جب قرآن مجید وفرقان حمید نے ارشاد فرمادیا کہ "مااتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا۔۔۔" جو نبی تمہیں دیں اسے لےلو اور جس سے نبی تمہیں روک دیں اس سے تم رک جاؤ۔

بخاری ومسلم کی متفق علیہ حدیث ہے اور حدیث بھی معمولی نہیں،حدیث قدسی ہے۔حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کے راوی ہیں،ارشاد فرماتے ہیں کہ مولا تبارک وتعالیٰ جل شانہ نے اپنے پیارے محبوب کو مخاطب فرمایا کہ آپ اعلان کردیجئے "مامن عبد یتقرب الیٰ بالنوافل" بندہ نوافل کے ذریعہ سے مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے۔کتنا قریب ہوتا ہے؟ "حتی کنت احببتہ" یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔ "فاذا کنت احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ" پھر جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ "کنت بصرہ الذی یبصر بہ" میں اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔میں اس کے ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔میں اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے، یہاں تک کہ بکمال بے نیازی مولیٰ نے ارشاد فرمادیا: "وکنت رجلہ التی یمشی بھا" میں اس کے پیر ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلا کرتا ہے۔اس کو روایت کیا دونوں یعنی بخاری، مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے۔تو صحاح ستہ میں دو وہ کتابیں ہیں جو قرآن عظیم کے بعد مسلمانوں میں سب سے زیادہ صحیح

کتابیں ہیں۔ مجھے آپ بتائیے کہ جب بندہ اتنے قرب کی منزل میں پہنچ گیا کہ اس کا کان، آنکھ، ہاتھ، پیر، زبان مولا تبارک وتعالیٰ کا جلوہ بن گیا تو پھر مجھے بتائیے کہ اس سے کون سی چیز سننے سے رہ جائے گی، کون سی چیز دیکھنے سے رہ جائے گی، کہاں اس کا ہاتھ پہنچ نہیں سکے گا اور کہاں اس کی زبان کام نہیں کرسکے گی؟ اس لیے عاشق رسول مولانائے روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مثنوی شریف میں بڑے مزے میں عرض کرتے ہیں کہ:

اولیا را ہست قدرت از الٰہ
تیر رفتہ باز گردانند ز راہ

فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام کو مولا تعالیٰ نے وہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ کمان میں سے تیر چھوڑ دیا جائے اور ہوا میں جارہا ہو اور اللہ کا ولی یہ کہے کہ کمان میں واپس آجا تو وہ کمان میں واپس آجایا کرتا ہے۔

فرماتے ہیں:

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام جو کہتے ہیں وہ اللہ کا کہا ہوا ہوتا ہے، اگرچہ تمہاری آنکھوں کے سامنے وہ ایک بندے کی حلق سے نکل رہا ہوتا ہے۔لیکن حقیقت میں وہ قول ہوتا ہے مولا تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کا۔اسی لیے کہتے ہیں کہ:

کار پاکاں بر قیاس خود مگیر
گرچہ یکساں در نوشتن شیر وشیر

اللہ اکبر!

کتنا بڑا رد کرتے ہیں ان بیوقوفوں اور نادانوں کا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب بندوں کو

اپنا جیسا بشر سمجھ کر ان کا معاذ اللہ اپمان (بے عزتی) کرتے ہیں۔ اپنا جیسا معمولی انسان سمجھ کر ان کی عزت وعظمت کو گھٹاتے ہیں، تو مولانائے روم ان کا رد فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ پاکوں کے معاملے کو اپنے اوپر مت قیاس کرو، اس کی مثال دیتے ہیں دیکھو کاغذ پر لکھنے میں شیر اور شیر دونوں ایک ہی طرح ہوتے ہیں، یعنی ش، ی، ر، مگر بڑا فرق ہے، ظاہر میں دونوں یکساں معلوم ہوتے ہیں، دونوں ایک ہی جیسے معلوم ہوتے ہیں، مگر ارشاد فرماتے ہیں:

آں یکے چیزے کہ مردم می خورد
واں یکے شیرے کہ مردم را درد

کہتے ہیں کہ ظاہر میں دیکھنے میں شیر وشیر ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں مگر زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ایک شیر ہے، شیر کہتے ہیں فارسی میں دودھ کو جسے انسان کھاتا ہے اور ایک شیر ہے جو انسان کو کھاتا ہے تو تم یہ کہہ دو کہ دونوں چیزیں ظاہر میں ایک جیسی معلوم ہوتی ہیں۔ لہٰذا دونوں کا کام بھی ایک ہی ہے، دونوں کی حقیقت بھی ایک ہی ہے۔ یہ بڑی بھول ہے تمہاری، یہ انتہائی نادانی ہے تمہاری، اسی طرح سے اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ظاہری چولا، ظاہری بدن، آنکھ، ناک، کان بھلے وہ ایسا معلوم ہوں کہ وہ ہمارے جیسے ہیں مگر اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حقیقت ہم جیسے معمولی انسانوں سے کہیں بالاتر ہے۔ اسی لیے آپ ملاحظہ فرمایئے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اولیا امتی کانبیاء بنی اسرائیل" میرے اولیائے امت ایسے جیسے کہ بنی اسرائیل کے انبیا۔ اس امت میں ولی دیے ہی اس لیے گئے ہیں اگلی امتوں میں اتنے ولی نہیں ہوتے تھے کیوں؟ اس لیے کہ وہاں پر نبوت کا سلسلہ جاری تھا۔ ایک نبی گیا پھر اس کے بعد ضرورت محسوس ہوئی، زمانے میں تاریکی اندھیاری پھیلنے لگی تو اللہ تبارک نے دوسرا نبی بھیج دیا۔ اس واسطے ان کی امتوں میں ولی نہیں ہوا کرتے تھے یا بہت کم ولی ہوتے تھے۔ لیکن امت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

معاملہ یہ ہے کہ نبوت تو ہو گئی ختم اور سلسلہ انسانیت کا جاری ہے قیامت تک تو اب حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہماری ظاہری آنکھوں سے پردہ فرما جانے کے بعد گمراہ انسانون کی ہدایت کے لیے کیا سامان ہونا چاہئے؟ یہ ہے History اور اسی کو سمجھ لیجیے۔

پہلے زمانہ میں تو یہ ہوتا تھا کہ ایک کے بعد دوسرا نبی آتا تھا۔ اب نبی تو آئے گا نہیں کیوں کہ حضور تو ہیں خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ قیامت تک ان کے بعد اب دوسرا نیا نبی ہرگز نہیں آسکتا۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہماری امت میں یہ انتظام کیا کہ انبیا تو نہیں آئیں گے، مگر انبیا کا کام انجام دینے کے لیے انبیا کے فرماں بردار مطیع متقی بندے بنام اولیاء تشریف لایا کریں گے اور جو کام انبیا کیا کرتے تھے انہیں کی فرماں برداری میں ان کے اتباع میں ان کی نیابت میں وہ اولیائے کرام کیا کریں گے، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ لہٰذا فرمایا: اولیاء امتی کانبیاء بنی اسرائیل "میری امت کے اولیا جیسے کہ بنی اسرائیل کے انبیا، چنانچہ اسی ماتحت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطان الہند غریب نواز معین الدین حسن سجزی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کو ہندوستان کے اندر اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ حضرت خواجہ سلطان الہند غریب نواز عطائے رسول بھی ہیں، ہند الولی بھی ہیں اور نائب نبی بھی ہیں۔ حضرت خواجہ اصفہام میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا نام ہے س ج ز 'سجز' کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے عام طور سے سنا ہوگا کہ حضور خواجہ کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ لفظ "سنجری" لکھا ہوتا ہے۔ لفظ "سنجری" غلط ہے۔ سنجر اس کا نام نہیں ہے۔ سنجر تو آپ کے ہندوستان کے ایک مقام کا نام ہے۔ اس کا نام تو "سجز" ہے س ج ز تو ہوا اصل میں یہ کہ س ج ز کی "زا" کا نقطہ لونے غلطی سے اوپر پڑھ کر "س" "نون" بنا دیا اور اس کے بعد جب "ز" پر سے نقطہ ہٹ گیا تو وہ "ر" ہو گیا اب بن گیا "سنجر"۔ حضور والا کاظمی سادات میں ہیں، امام کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا ان کی خالہ زاد بہن ہیں حضرت فاطمہ ثانی حضرت عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کی، دونوں آپس میں بہنیں ہوتی ہیں۔اسی لیے سرکار خواجہ اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔

حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ کا بچپن ہی کا زمانہ تھا۔آپ ابھی قرآن مجید ہی حفظ کر پائے تھے کہ آپ کے والد ماجد کا وصال ہو گیا۔آپ نے شاید سنا ہو گا کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ بچپن ہی میں تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کی والدہ نے پرورش کیا تو حضرت خواجہ کو بھی ان کی والدہ نے پرورش کیا۔ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ اپنے باغ، انگوروں کے باغ میں تھے، وہاں ایک پن چکی لگی تھی اور انگوروں کے باغ کی رکھوالی اور پن چکی میں آٹا پیسنا یہی ذریعہ معاش تھا حضرت خواجہ کے والد ماجد خواجہ سید غیاث الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اور ان کے وصال کے بعد یہی ذریعہ معاش تھا حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، باغ سے انگور بیچتے اور پن چکی میں شہر والوں کا آٹا پیستے، تو چوں کہ تنہا تھے لہٰذا باغ کے اندر رکھوالی بھی کر رہے تھے اور آٹا پیس پیس کر لوگوں کو بانٹ رہے تھے۔یکا یک ایک مجذوب وارد ہوئے باغ میں، ابراہیم ان کا نام ہے، باغ میں آئے تو دیکھا کہ ایک لڑکا تیرہ چودہ برس کا انگور کھا رہا ہے۔فرمانے لگے کہ بیٹا! اللہ کا ایک فقیر تمہارے سامنے آیا ہے اور بھوکا ہے کچھ اسے کھلاؤ، حضرت خواجہ نے بڑے ہی چاؤ کے ساتھ انگوروں کا ایک بڑا ہی پکا ہوا خوشہ پیڑ میں سے توڑا اور لا کر اس مجذوب کے سامنے حاضر کر دیا۔تو مجذوب نے اپنا دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا کہ بیٹا! ہمارے ان ہاتھوں میں کوڑھ ہے، ہماری ساری انگلیاں سڑ گئیں ہیں اور ان میں سے پیپ اور خون ٹپکتا ہے، لہٰذا یہ اب آپ اپنے ہاتھ سے یہ ہمیں کھلا دیجئے۔خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ نے ایک ایک کر کے وہ انگور اس فقیر کو کھلا دیا۔ابراہیم قندوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب وہ انگور کھا چکے تو انہوں نے ارشاد فرمایا دیکھو ہم جو صدری پہنے ہیں اس کی جیب میں ہاتھ ڈالو تو اس کی جیب میں تمہیں کچھ ملے گا۔

حضرت خواجہ نے ہاتھ ڈالا تو ملا وہاں سے کیا؟ کھلی کا ایک ٹکڑا۔کھلی کا ایک ٹکڑا ملا۔فرمایا کہ اسے میرے منہ میں رکھ دیجیے۔منہ میں رکھ دیا انہوں نے اسے چبایا جب وہ کھلی کا ٹکڑا چب کر ملائم ہو گیا تو فرمایا بیٹے! اب تم اپنا منہ کھولو اور انہوں نے وہ چبایا ہوا کھلی کا ٹکڑا حضرت خواجہ کے منہ میں ڈال دیا۔مجذوب تو اپنے راستے چلے گئے، یہ کھلی کا ٹکڑا کھانا تھا کہ حضرت خواجہ کا عالم پلٹ گیا اور حضرت کے اوپر ایک وارفتگی اور مستی کا عالم طاری ہوا اور حضرت اپنے گھر تشریف لے گئے۔ماں سے عرض کی اماں ہمارا وقت بہت ضائع ہو رہا ہے۔یہاں پڑھنے، پڑھانے کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔اب ہم راہ خدا میں دین خدا کی خدمت کی تیاری کرنا چاہتے ہیں اور دین خدا کی خدمت بغیر علم حاصل کیے نہیں ہو سکتی۔لہٰذا اب آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم یہاں سے پڑھنے کے لیے چلے جائیں، ماں نے آپ کو اجازت عطا فرمائی اور حضرت خواجہ اپنے گھر سے نکل چلے، چنانچہ آپ وہاں سے نکل کر تحصیل علم کے لیے تقریباً آپ نے پورا وسط ایشیا چھانا اور قندھار، عراق، بلخ، بخارا میں حدیث، قرآن، تفسیر، فقہ کی تحصیل کرتے ہوئے آپ بغداد مقدس ایسے وقت میں پہنچے جب آپ فارغ التحصیل ہو چکے تھے اور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا تیسرا سن کا زمانہ تھا۔آدمی کے تین سن ہوتے ہیں بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔تو حضرت غوث اعظم اس وقت میں کبیر السن ہو چکے تھے، خبر ہوئی کہ سجز سے ہمارے خالہ زاد بھائی حسن سجزی آئے ہیں، چنانچہ آپ نے اپنے خدام کو بھیجا۔کہا جاؤ اس نوجوان کو بڑے چاؤ مان کے ساتھ لے آؤ اور ہمارے مدرسہ میں ہمارے خاص حجرے میں انہیں ٹھہرا دو، چنانچہ حضرت خواجہ وہاں پر ٹھہرے اور تین دن تک حضور سرکار غوث اعظم نے آپ کی مہمانی کی اور تیسرے دن تنہائی اور خلوت میں اپنے پیارے بھائی کو سینے سے لگایا اور آپ کو اسم اعظم تعلیم فرمایا، اس کے بعد میں ارشاد فرمایا کہ جاؤ، ہمیں امید ہے کہ بغداد پھر تم واپس آؤ گے لیکن اب جب واپس آؤ گے تو ہمیں تم اس دنیا کے اندر زندہ نہیں پاؤ گے، جاؤ میں نے سمجھ لیا ہے کہ تمہارا حصہ کہاں ملنے والا ہے۔

حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں سے واپس ہوکر حج کو گئے۔ پہلا حج کیا حضور غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، حج کرنے کے بعد واپس گھومتے ہوئے۔ پھر جب بغداد آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال ہو چکا ہے۔ خواجہ غریب نواز کے دل ودماغ میں یہ بات آئی کہ اب ہم حج بھی کر آ چکے ہیں، ماشاء اللہ ہم نے تو دینی علم بھی حاصل کرلیا ہے۔ لہٰذا اب ہمیں راہ طریقت میں کسی سے بیعت ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے تلاش کرنے کے بعد بغداد کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے ''ہرون''۔ ہرون میں جب آپ تھے تو وہاں پر نماز کے بعد آپ نے دیکھا کہ مرد بزرگ تشریف لا رہے ہیں اور جیسے ہی ان کی نگاہ پڑی حضرت خواجہ پر، ارشاد فرمایا حسن تم آ گئے؟ حضرت خواجہ کو بڑا تعجب ہوا کہ میں نے تو کبھی ان کو دیکھا نہیں، میں تو آج پہلی مرتبہ ملاقات کر رہا ہوں۔ مگر یہ تو مجھے پہچانتے ہیں۔ تو میں نے سلام کرنے کے بعد پوچھا، کیا حضرت آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: ہندوستان کے بادشاہ کو کون نہ پہچانے گا؟ میں تو تمہارا انتظار کر رہا تھا اور تمہارے انتظار میں ہی اب تک میں جی رہا ہوں، چنانچہ یہ ہیں حضرت خواجہ آدم عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا جو پیر و مرشد ہیں حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے۔ حضور نے کہا پھر مجھے بیعت کر لیجئے۔ فرمایا آج رات کو ہمارے حجرے میں رہو اور رات کو تم ایک ہزار مرتبہ سورہ قل ہو اللہ شریف کا ورد کرو، چنانچہ رات بھر حضرت خواجہ نے ایک ہزار بار سورہ قل ہو اللہ کا ورد تمام کیا اور صبح میں جب حاضر ہوئے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد مرشد برحق نے پوچھا کہو رات کیسی گزری؟ ورد پورا کیا؟ کہا جی ہاں الحمد للہ، کہا آؤ ہمارے قریب آؤ۔ خواجہ قریب گئے، خواجہ اعظم نے اپنا ہاتھ سیدھا ان کی پیشانی پر ایسے رکھا کہ گویا کہ جالی بنا دی آنکھوں کے سامنے اور کہا کہ دیکھو اب تمہیں کیا دکھائی دیتا ہے؟ کہنے لگے حضور زمین کے اوپر کی ہر چیز میری آنکھ کے سامنے ہے، اب کوئی پہاڑ کوئی دیوار کوئی درخت میرے لیے پردہ نہیں ہے۔ میں مشرق، مغرب، دکھن، اتر، پورب سب ان آنکھوں سے دیکھ رہا

ہوں۔ فرمایا آج پھر تم رات رہنا اسی حجرہ میں اور آج سورہ بقرہ کا ورد کرنا اور صبح کو پھر آ جانا۔ صبح کو پھر جب حاضر ہوئے، حضرت نے پوچھا کہو ورد تمام کیا؟ کہا ہاں بالکل صاحب رات بھر پڑھتا رہا۔ پھر آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر فرمایا اچھا بتاؤ معین الدین! اب تمہیں کیا دکھائی دیتا ہے؟ حضرت نے ان انگلیوں میں سے بیچ سے کہا واللہ! حضرت اب تو مجھے یہ دکھائی دے رہا ہے کہ زمین کے نچلے تلے سے لے کر عرش معلیٰ تک سب آنکھوں کے سامنے ہے۔ فرمایا الحمد للہ اب تمہارا کام پورا ہو گیا۔ تہارا دماغ روشن ہو گیا۔ یہ کہہ کر ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کیا، قینچی نکال کر خواجہ برحق کے اگلے بالوں میں تھوڑے سے بال کترے اور اس کے بعد فرمایا اب ہمارے پاس تم رہو گے، انشاء اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری تعلیم وتربیت ہم اپنے ساتھ کریں گے۔

مرید اور مرشد یہ دونوں بارہ برس تک سفر کرتے رہے، خانہ خدا میں پہنچے، تیسرا حج کیا اور حج کرنے کے بعد جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو خواجہ آدم حضرت عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ معین الدین آج ہمارا خیال یہ ہے کہ تم مسجد اقدس میں روضہ اقدس کے قریب اپنے داہنے ہاتھ پر اپنا رخسار رکھ کر اور قبلے کی طرف منہ کر کے سو جاؤ۔ حضرت خواجہ کہتے ہیں کہ میں سو گیا، رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے جد کریم حضور سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور ارشد فرمایا کہ بیٹا حسن! اٹھو ہم نے ہندوستان تم کو عطا فرمایا، ہندوستان کی روحانی تاجداری تمہیں دی جاتی ہے اور ہندوستانی گمراہوں کو جا کر راہ راست پر لانا، اب یہ کام تمہیں سپرد کیا جاتا ہے اور ہندوستان میں رہ، اب قیامت تک تمہاری روحانیت ہندوستان میں چلتی رہے گی۔ چنانچہ اس کے ساتھ ہی حضور نے فرمایا اس کی نشانی کے طور پر یہ انار ہم تمہیں دیتے ہیں اور یہ انار تم کھا لو، اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے دل کو اپنے نور سے منور فرما دے گا۔ چنانچہ حضرت خواجہ جب اٹھے تو دیکھا کہ وہ انار آپ کے ہاتھ میں موجود ہے اور اس انار کے متعلق حضرت خواجہ کہتے ہیں کہ جب میں نے اسے چکھا اور کھایا تو حالانکہ عمر بھر

میرا ملک ہی اناروں کا ملک تھا لیکن میں نے کبھی اس مزے اور لذت کا انار نہیں کھایا تھا۔ میں نے اپنے مرشد سے جب یہ واقعہ ذکر کیا تو انہوں نے کہا الحمدللہ معین الدین اب تمہاا کام پورا ہوگیا ہے۔ لہٰذا اب ہم تمہیں رخصت کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے سر سے عمامہ شریف اتارا، حضرت خواجہ کو عمامہ باندھا، اپنا کرتا اتارا حضرت کو خرقہ پہنایا، اپنا عصا حضرت خواجہ کو دیا اور اس کے بعد کہا اب میں نے تمہیں خدا ورسول کے سپرد کردیا ہے، جاؤ جو تمہارا کام ہے جو تمہارے گھر والوں کا کام ہے، تم اہل بیت میں سے ہو، تم آل عبا میں سے ہو، تم آل محمد میں سے ہو، تمہارا کام یہ ہے کہ گمراہوں کو راہ ضلالت سے نکال کر راہ ہدایت دکھانا، اب ہندوستان تمہیں دیا گیا ہے، جاؤ ہندوستان تمہیں مبارک ہو۔ حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھ اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت فخر الدین گردیزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو پیر بھائی بھی ہیں اور پھوپھی زاد بھائی بھی ہیں، انہیں لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل چلے ہندوستان کے ارادے سے۔ سفر تو بڑا طویل ہے اسے میں کہاں تک بیان کروں گا؟ مگر ایک بات یاد آرہی ہے کہ جب آپ وہاں سے نکل کر ایران کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے سبزوار، جب سبزوار میں اپنے مریدوں کے ساتھ پہنچے تو شہر کے کنارے ایک باغ میں یہ درویشوں کا قافلہ مقیم ہوگیا۔ باغ کے رکھوالے نے آکر کہا کہ جناب آپ لوگ شاید اجنبی ہیں۔ باہر سے آرہے ہیں؟ کہا ہاں، کہا تو پھر یہاں پر اب شام ہورہی ہے اب آپ لوگ یہاں سے ہٹ جایئے۔ ہمارے نواب صاحب تشریف لانے والے ہیں، نواب یادگار محمد صاحب اور وہ بڑے تیز مزاج ہیں مذہب کے شیعہ ہیں اور بڑی جلدی ان کو غصہ آجاتا ہے وہ آپ کو گوارا نہیں کریں گے، حضرت نے ارشاد فرمایا بھلے آدمی تیرا نواب آتا ہے آنے دو، ہم تو دراز زمین کے اوپر باہر سے تھکے مسافر آرہے ہیں ہم نے تھوڑی دیر کے لیے یہاں آرام کیا ہے اور ہم شکار کرکے لائے ہیں، ابھی ہم نے اپنا گوشت چڑھایا ہے پکانے کے لیے، یہ پک جائے گا کھائیں گے، نماز پڑھیں گے تب یہاں سے رخصت ہوں گے۔ اب اتنے

میں یادگار محمد کی سواری آگئی، نواب یادگار محمد جو اس شہر کا نواب تھا اس نے پوچھا آج ہمارے باغ میں یہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے یہ پیوند لگی گدڑیاں اوڑھے کون لوگ ہیں؟ نواب صاحب! کیا کیا جائے؟ بہت ان سے کہا لیکن وہ مانتے ہی نہیں، بڑے ضدی ہیں۔ نواب گھوڑا دوڑا کر سامنے آیا، کون ہو تم لوگ؟ کہا: اللہ کے بندے ہیں، جو تم ہو وہ میں ہوں۔ کہا، نہیں میں تو نواب ہوں، فرمایا ہم فقیر ہیں۔ تم نواب اور ہم فقیر ہیں۔ اور اتنی زیادہ باتیں کیوں کرتا ہے؟ ذرا گھوڑے سے نیچے اتر کر آ۔ افقیروں کے ساتھ بیٹھ اور اس کے بعد دیکھ، ہم تمہیں دعوت کرتے ہیں۔ لے ہمارے ہاتھ کے بنے ہوئے کباب کھا۔ کچھ ایسا اس پر رعب چلا کہ وہ اپنے گھوڑے سے اتر آیا اور زین بچھا کر بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ نے اپنے ہاتھ کے تلے ہوئے کباب کھلائے بس صاحب! اس کا دل کباب کردیا۔ ایک مرتبہ اس نے خواجہ کے چہرے پر نظر ڈالی اور نظر ڈالنے کے بعد کہا کہ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا تم شیعہ ہو، ہم سنی ہیں۔ شیعہ سنی میں بیعت نہیں ہوسکتی۔ کہا میں توبہ کرکے بیعت کروں گا۔ کہا اچھا تو پھر توبہ کرو۔ حضرت نے ان سے توبہ لی اور توبہ لینے کے بعد ان سے بیعت لی۔ یہ وہی شیخ یادگار محمد ہیں جو حضور کے خلیفہ بھی ہیں، مرید بھی ہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کا مزر بھی اجمیر شریف میں ہے۔ بس ساری نوابی کے ٹھاٹ باٹ چھوڑ کر شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تو ساتھ ہوگئے۔ اس وقت جو مجاور کہلاتے ہیں روضہ پاک کے ان کے دو گروہ ہیں۔ ایک شیخ زادگان کہلاتے ہیں اور ایک سید زادگان کہلاتے ہیں۔ جو شیخ زادگان کہلاتے ہیں، وہ انہیں شیخ یادگار محمد کی اولاد ہیں اور جو سید زادگان کہلاتے ہیں وہ حضرت سید فخر الدین گردیزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضور خواجہ کے پھوپھی زاد بھائی کی اولاد ہیں اور یہی تقریباً آٹھ نو سو برس سے حضرت خواجہ کے روضہ پاک کی خدمت کرتے ہیں۔ تو صاحب اب حضور والا پھر آگے چلے۔ ایران کے ایک شہر میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مجوسیت کی ایک بہت بڑی اگیاری ہے، حضرت کا وہاں پر خیمہ لگا اور فقیر سے کہا جاؤ اور وہاں سے تھوڑی آگ

مانگ لاؤ۔ گئے اس نے کہا یہ ہماری پوتر آگ ہے، یہ ہماری پاک آگ ہے۔ اس میں سے مسلمانون کونہیں دیا جاسکتا۔ انہوں نے جا کرعرض کیا کہ حضور وہ تو آگ کی پوجا کرتے ہیں آگ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ فرمایا اچھا چلو ہم چلتے ہیں۔ خود تشریف لائے، ارشاد فرمایا اس سے آگ ہمیں نہیں دوگے؟ کہا نہیں صاحب! یہ آگ پوجا کی آگ ہے۔ پاک آگ ہے یہ مسلمان کونہیں دی جاسکتی۔ فرمایا تم اس کو کب سے پوج رہے ہو؟ کہا صاحب! آپ کو کیا بتائیں یہ تو ایک ہزار برس سے پوج رہے ہیں۔ ہمارے باپ دادا نے کبھی اس اگیاری کو بجھنے نہیں دیا، ہماری اگیاریاں کبھی بجھا نہیں کرتیں۔ ہماری اگیاریوں میں ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار برس کی آگ پڑی ہوئی ہے۔ فرمایا تو اچھا ڈیرھ ہزار برس سے تمہارے باپ دادا اسے پوجتے آرہے ہیں۔ تو یہ تو خوب پہچانتی ہوگی تمہیں؟ کس طرح پہچانتی ہوگی؟ اگر تم اس کے اندر چلے جاؤ تو سوجاؤ۔ تو کیا یہ جلا دے گی تمہیں؟ کہا واہ! ڈیڑھ ہزار برس ہوگئے تمہیں اس کو پوجتے ہوئے اور یہ تمہیں پہچان نہیں پائی! یہ اپنے پجاریوں کو پھر بھی جلا دے گی؟ اور یہ کہہ کر وہاں پہ ایک پارسی عورت کھڑی ہوئی تھی مجوسن، اس کے پاس ایک ننھا سا بچہ تھا۔ آپ نے کہا مائی ذرا یہ بچہ تو مجھے دینا، یہ کہہ کر بچے کو لے لیا اور کہا "بسم اللہ الرحمن الرحیم یانار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم" اور یہ آیت کریم پڑھ کر بسم اللہ کر کے حضرت خواجہ نے پیر ڈال دیا آگ میں۔ اب وہ عورت چلائی، ارے تو جاتا ہے تو جا میرے بچے کو آگ میں لے جاتا ہے اور بچہ وہاں سے ہنس رہا تھا، کہہ رہا تھا ماں آگ کہاں ہے؟ یہاں تو مجھے ایسا آرام آتا ہے کہ بڑے میاں کے کاندھے پر سر رکھ کے سوجاؤں، یہاں پھول کھلے ہوئے ہیں۔ یہاں تو باغ کھلا ہوا ہے، خوشبو آرہی ہے۔ بس حضرت کی یہ کرامت باسعادت دیکھ کر وہ سارے مجوسی مع اپنے سردار کے مسلمان ہوگئے۔

اس طرح سے حضرت خواجہ فائز وسائر اللہ کا راستہ صاف کرتے ہوئے، دین اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے مریدین کا سکہ بڑھاتے ہوئے غزنی پہنچے اور غزنی سے جب

آپ نے سفر کیا تو درہ خیبر اتر کر آپ تشریف لائے لاہور، اور لاہور میں حضرت داتا مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مقدس میں آکر آپ اپنے مریدوں سمیت ٹھہر گئے۔ چنانچہ لاہور میں مخدوم داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درگاہ شریف میں حضرت خواجہ کا چلہ ابھی تک مشہور ہے۔ اب داتا علی ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا سے فیض لینے کے بعد لاہور سے چل کر دلی تشریف لائے اور دلی آنے کے بعد آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ ہم آپ کو دلی دارالسلطنت نہیں دیں گے بلکہ اب آپ کو دارالسلطنت ایسا دیں گے جیسا آپ کے نانا جان کو ہم نے مکہ دیا تھا۔ آپ نائب رسول ہیں تو آپ کو دارالسلطنت بھی ایسا ہی دینا چاہیئے جو مکہ کا نائب ہو۔ اب آپ دیکھئے ملاحظہ کیجئے بڑے تعجب کی بات! آپ جانتے ہیں کہ مکہ پوری زمین کے بیچوں بیچ میں ہے۔ اسی لیے ناک زمین کہلاتا ہے۔ مکہ مکرمہ زمین کے درمیان میں ہے جس کو Middle Land کہتے ہیں۔ اس کو خط استوا کہتے ہیں، خط استوا کے بالکل قریب ہے مکہ مکرمہ۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے چاہا کہ مکے سے جو دین اٹھے اور مکہ میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کا پہلا گھر بنے، اس کی نسبت ساری دنیا کے لیے یکساں ہو۔ نہ تو پورب والوں کا اس پر دعویٰ ہو نہ پچھّم والوں کا نہ اتر والوں کا نہ دکھن والوں کا۔ وہ پورب، پچھّم، اتر، دکھن سب کے لیے یکساں ہو، تا کہ وہ بیچ زمین کے اوپر ہو اور وہاں پر اللہ تعالیٰ کے سارے بندے آئیں اور اس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کریں، جس نے سب کو چھوڑ کر اپنا رشتہ اللہ سے جوڑ لیا، تو یہ تو ہوا کعبہ! دیکھا آپ نے کہ وہ پوری زمین کے بیچ میں ہے۔ کعبہ (آپ کو اللہ مکے جانا نصیب کرے، تو آپ جا کے وہاں دیکھیں گے کہ) چاروں طرف پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے، سوکھی، جھلسی خشک پہاڑیاں، ٹوٹی پہاڑیاں، وہاں پر سبزہ نہیں اُگتا، پانی وہاں نہیں برستا، لوگوں کا کہنا ہے کہ مکہ کے اندر پتھر باہر ریتا۔ باہر تشریف لایئے تو آپ کو چاروں طرف ریت ملے گا اور اندر آپ کو کنکر پتھر ملے گا، وہاں پر بالکل سبزہ موجود نہیں ہے۔ گرم وہاں، بہت زیادہ گرم، لوگ وہاں کے سخت،

بڑے خردرے، بڑے خشن ۔اب آیئے ذرا دیکھئے کہ سرکار خواجہ کو دلی نہیں دی گئی بلکہ اجمیر دیا جارہا ہے۔اگر آپ نے ہندوستان کا نقشہ دیکھا ہے تو اجمیر ہندوستان کے بیچ میں ہے۔مدھیہ پردیش اگر آپ سمجھیں تو کہنے کو مدھیہ پردیش سے وہ الگ ہے ورنہ حقیقت میں وہ مدھیہ پردیش میں ہے۔اسی لیے برٹش کے زمانہ میں اجمیر **Central India** میں تھا۔ **Central India** میں ہے اجمیر بیچوں بیچ ہے ہندوستان کا، اگر آپ اجمیر گئے ہیں چاروں طرف پھر کے دیکھا ہے تو آپ کو وہی ٹوٹی ہوئی، جھلسی ہوئی پہاڑیاں ملیں گی۔آپ کو اجمیر کے اندر بھی کنکر ملے گا اجمیر کے باہر آپ کو ریت ملے گا اور اجمیر میں بھی آپ کو بارش نہیں ملے گی۔وہاں بھی وہی سوکھا آپ کو ملے گا۔اور وہاں کے لوگ بھی بڑے بڑے کٹھور، بڑے سخت دل۔آج کے اجمیر پہ غور نہ کیجئے گا، آج کا اجمیر نہیں خواجہ کے زمانہ کا اجمیر، خواجہ کے زمانے سے اجمیر میں رائے پتھورا پرتھوی راج چوہان جو دلی اور اجمیر دونوں کا مشترک راجہ تھا اس کی سلطنت تھی۔تارا گڑھ پہاڑ پر اس کا قلعہ تھا اور پورا اجمیر اس کی راجدھانی تھی۔حضرت خواجہ کو معلوم ہوا کہ اجمیر ہماری راجدھانی ہے تو تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس سفر مین حضرت خواجہ اور ان کے ساتھیوں کے جوتے جب ٹوٹ گئے تو انہوں نے تانت کے ٹکڑے باندھ لیے تھے اور پاؤں تمام کے تمام لوگوں کے زخمی ہو گئے تھے، ناخن پیروں میں کے جھڑ گئے تھے۔نہ ان کے پاس کوئی ناشتہ تھا، نہ ان کے پاس کوئی کھانا تھا، لیکن ایک لگن تھی ان کے دل میں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین ہم بے دینوں میں پہنچا کے رہیں گے۔

چنانچہ جب اجمیر مقدس آپ تشریف لائے تو اجمیر مقدس کی نکاسی پر آپ کو وہ تارا گڑھ کی پہاڑی نظر آئی اور اس کے نشیب میں تھوڑی زمین آپ کو صاف نظر آئی، وہیں پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے خیمے لگائے۔جب شام ہوئی تو یہاں پر کچھ شتربان آئے اور انہوں نے اپنے اونٹ بٹھائے، انہوں نے دیکھا، کہا: یہاں اور کون لوگ آ گئے؟ تو پوچھا تم کون لوگ ہو؟ کہا

مسافر ہیں۔فقیر ہیں، باہر سے آئے ہیں۔یہاں پہ کچھ دن آرام کرنے کے لیے ہم نے رہائش اختیار کی ہے۔کہا تو پھر یہاں سے اٹھ جاؤ اس لیے کہ یہ باڑہ پرتھوی راج چوہان کے اونٹ بیٹھنے کی جگہ ہے۔تو فرمایا اونٹ بیٹھنے کے لیے سارا میدان پڑا ہے۔فقیروں نے تو اتنی سی جگہ گھیری ہے۔مگر وہ کاہے کو ماننے والے تھے، کہنے لگے تم ملچھ قسم کے لوگ ہماری پوتر بھومی کو ناپاک کرنے کے لیے آئے اور پھر ہم سے باتیں کرتے ہو، نکل جاؤ یہاں سے۔حضور خواجہ اٹھ بیٹھے اور کہا سن بھئی ’’ملک خدا تنگ نیست و پائے کساں لنگ نیست‘‘ اللہ کا ملک تنگ نہیں ہے اور فقیر پیروں سے لنگڑے نہیں ہیں، لو بھئی ہم اٹھے جاتے ہیں، اب تو اپنے اونٹوں کو بٹھا رکھ وہ بیٹھے ہی رہیں گے اور یہ کہہ کر حضرت خواجہ اپنے ساتھیوں کو لے کر تالاب انا ساگر کے کنارے جا کر مقام اختیار کر لیا۔رات ہو چکی صبح کو ساربانوں نے جب اونٹ اٹھائے تو تمہیں معلوم ہے کہ:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ان کا کہنا تو اللہ کا کہنا ہوتا ہے۔وہ نکلتا بندے کے حلق سے ہے مگر وہ ہوتا ہے خدا کا قول۔ فرمادیا تھا کہ تیرے اونٹ بیٹھے ہی رہیں گے، اب اونٹ بیٹھے ہوئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے زمین کے ساتھ سی دیا ہے انہیں، ان کو نیزے مارے جاتے تھے وہ ادھر سے ادھر ہلتے تھے مگر اٹھ نہیں سکتے تھے، تب ساربانوں نے ایک دوسرے سے کہا میاں! وہ فقیر کل بددعا دے گئے ہیں یہ سارا انہیں کا کرا ہے، پہنچے جا کر بڑے روئے، گائے۔کہا دیکھو فقیروں کو کبھی ستایا نہیں کرتے ہیں۔فقیر کسی کو نہیں ستاتا ہے تو تم فقیروں کو کیوں ستاتے ہو۔اچھا جاؤ تم نے توبہ کر لی ہے جا تیرے اونٹ اٹھ کھڑے ہوں گے، حضرت خواجہ کی ان باتوں کا شہرہ ہونا شروع ہوا اور ساتھ ہی ساتھ انا ساگر کے کنارے جو شیوالے اور مندر بنے ہوئے تھے وہاں کے پنڈتوں اور پجاریوں کی نظروں میں مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا گروہ کھٹکنے لگا۔آپ کا درویش ایک دن گیا ہوا تھا اس نے چاہا کہ انا ساگر میں سے ایک مشک پانی بھر لے، جبھی ایک پجاری نے یہ

کہہ کر کہ دیکھو جی ہم تمہیں برداشت نہیں کر سکتے، تم نے بہت زہر پھیلائے ہیں اور یہ ہمارا پوتر ساگر ہے، اس میں سے ہم تمہیں پانی نہیں لینے دیں گے، ڈال دو واپس مشک اور چلے جاؤ یہاں سے، آ کے اس نے عرض کی کہ حضور آج تو وہ پانی نہیں لینے دیتے۔ فرمایا اچھا، حضور والا خود تشریف لے گئے، اپنی چھوٹی سی مشک کاندھے پہ ڈالی اور اس کے بعد اناساگر کے کنارے پہنچ کر فرمایا ساگر! اللہ کا ایک بندہ تجھ سے کہہ رہا ہے کہ تو اس مشک میں آجا اور اے اجمیر کے سارے پانیو! اس مشک میں سما جاؤ، اور یہ کہہ کر اپنے مشک کا دہانہ باندھا اور باندھنے کے بعد اپنے خیمے میں آ گئے، تو تاریخ لکھتی ہے کہ اس دن اجمیر میں صرف اناساگر ہی نہیں بلکہ جانوروں اور انسانوں تک کے تھن سوکھ گئے تھے، دودھ سوکھ گیا تھا، کنوؤں کا پانی سوکھ گیا تھا اور پورا شہر پیاسا ہو گیا۔ تب ان پجاریوں کے خیال میں آیا کہ یہ اناساگر یکبارگی کیسے سوکھ گیا، ان میں سے ایک نے کہا یہ فقیر لوگ جو آئے ہوئے ہیں، یہ انہیں کے جادو کا کرشمہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ بڑے جادوگر معلوم ہوتے ہیں، کہا اچھا جاؤ پہلے پانی تو نکلواؤ پھر ان کے جادو کو جادو سے ہم توڑ ڈالیں گے، آیا کوئی، کہا کہ اچھا مان گئے اب تو پانی دو گے نا اناساگر سے؟ کہا ہاں صاحب! پانی واپس کر دیجئے جتنا پانی چاہئے لے جائیے، کہا وہ پانی تمہارا ٹنگا ہوا ہے مشک میں، اسے لے جاؤ اور لے جا کر ساگر میں ڈال دو۔ اب وہ چھوٹی سی مشک تھی اسے اٹھانے لگا مگر اناساگر اس کے اندر بھرا ہوا تھا صاحب وہ ایسے تھوڑی اٹھ سکتی تھی۔ فرمایا تو نے دیکھ لیا، اپنے درویش کو حکم دیا، لے جا یہ، اللہ کے حکم سے ساگر کو واپس کر دے، ہم ظالم نہیں ہیں مگر ظالموں کو یہ بتا دیا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کی قدرت ساری قدرتوں سے اونچی ہے۔ اس کے آگے کسی کی قدرت وقوت وتصرف وغرور نہیں چلا کرتا ہے، یاد رکھ فقیریوں اور درویشوں کو نہیں ستاتے۔ ہم تمہیں نہیں ستاتے تم ہمیں مت ستاؤ، اس بات کا شہرہ بڑھا اور بہت سے پجاری مسلمان ہو گئے اور حضور والا کے انفاس کریمہ کی برکت سے اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ مہاراج

پرتھوی راج چوہان کے درباریوں کے اچھے اچھے لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے تو رائے پتھورا کو بڑا اندیشہ ہوا اور اس نے اپنے استاد جوگی جیپال کو بلایا اور بلا کر یہ کہا کہ کیوں جی مہاراج! تم کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے ہو؟ اور وہ مسلمان فقیر آ کر ہماری پوری بھومی کو لوٹنا چاہتا ہے۔ دیکھو تو سہی تم میں کے کتنے مسلمان ہو چکے ہیں اور اگر یہی حالت رہی تو ایک دن وہ تمہارا تختہ الٹ دے گا۔ جیپال نے کہا: مہاراج! میں سب دیکھ چکا ہوں، سب سن چکا ہوں، ساری چیزیں میری نظروں میں ہیں، لیکن میں کیا کروں مہاراج؟ ایک بات مجھے اس سے مقابلہ سے روکتی ہے، کیا بات روکتی تمہیں اس سے مقابلہ سے؟ کہا شاید مہاراج کو یاد نہیں کہ راج ماتا نجوم جاننے والی تھیں اور انہوں نے اپنے نجوم سے جان کر ایک تصویر کھینچی ہے اور وہ تصویر آپ کے خزانے کے اندر محفوظ ہے۔ اس تصویر میں انہوں نے لکھا تھا کہ جب ولایت قندھار کی طرف سے یہ فقیر سرزمین اجمیر پر وارد ہو گا تو ہمارے بیٹے چوہان کو چاہئے کہ اس سے مقابلہ نہ کریں اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دیں، میں وہ تصویر دیکھ چکا ہوں مہاراج، اور وہ تصویر بعینہٖ اس فقیر کی صورت سے ملتی ہے۔ اس لیے اس سے مقابلہ کر کے میں اپنا مان کھونا نہیں چاہتا، میں اجمیر کی تباہی نہیں چاہتا، لیکن آپ جانتے ہیں کہ تین ہٹیں ہوتی ہیں ان میں سے ایک راج ہٹ بھی کہلاتی ہے۔

بادشاہ نے اپنی ضد کے آگے نہیں سنا، یہ سب تم باتیں بناتے ہو، اپنے سر سے بار ہلکا کرتے ہو۔ تمہیں حکم دیتا ہوں گرو مہاراج کہ جا کر تم اس کا مقابلہ کرو، جیپال مقابلہ کے لیے آتا ہے، بہت بڑا ریاضت والا ہے، بڑے استدراجات، بڑے شعبدے اپنے ہاتھ میں لگائے رکھے ہیں حضرت خواجہ کے سامنے آتا ہے، حضور والا جب دیکھتے ہیں، مقابلہ میں آیا تو اپنا عصا لیتے ہیں، اپنے درویشوں سے کہتے ہیں، سب سمٹ آؤ اور جلدی سے ان کے گرد ایک دائرہ کھینچ دیتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں جانتے ہو یہ دائرہ کاہے کا ہے؟ حدیث پاک میں ہے: **لا الہ الا اللہ حصنی من قالھا دخل حصنی و من دخل حصنی فقد امن من عذابی** "لا الہ الا اللہ محمد رسول

اللہ'' کا یہ کلمۂ طیبہ ہمارا قلعہ ہے۔ اللہ فرماتا ہے جو اسے سچے دل سے پڑھ لے گا اور اس کے حقوق ادا کرے گا وہ ہمارے قلعہ میں داخل ہو جائے گا اور جو ہمارے قلعہ میں داخل ہو جائے گا وہ ہمارے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ لہٰذا یہ میں نے قلعہ تیار کر دیا ہے اس کے باہر قدم مٹ ڈالنا، ان شاء اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا اور جناب والا اس وقت حضرت خواجہ غریب نواز پر تو بنے ہوئے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور مقابل میں گویا آئے ہوئے تھے فرعون والے جادوگر۔ آپ کے سامنے اپنا پورا علم، وہ سفلی علم جو اسے آتا تھا جھونک مارا کبھی اژدہے بن کر چلتی، کبھی آگ بن کر چلتی، کبھی شیر نکلتے لیکن جب اس لکیر کے پاس پہنچتے نیست و نابود ہو جاتے۔ آخر کار جب وہ حیران ہو گیا، تو کہنے لگا کہ دیکھو میں ایک آخری کمال اور دکھاتا ہوں اور ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آسمان کی جانب اڑ رہا ہے، ارشاد فرمایا کہ ڈیڑھ سو برس میں تو نے بس اتنا ہی کمال حاصل کیا ہے؟ یہ کمال تو ہمارے کھڑاؤں کو بھی حاصل ہے۔ یہ کہہ کر اپنے پیر کی کھڑاؤں سے ارشاد فرمایا: اے اسلام کے راستہ میں تبلیغ کے راستے میں ہدایت کے راستے میں چلنے والی لکڑی کی کھڑاؤں! اللہ کے حکم سے اس دشمن خدا کو زمین کی طرف لے آؤ، حضور کی کھڑاؤں بھی اڑ رہی تھی اور ایسے اڑ رہی تھیں کہ جیپال کے سر کے اوپر جیسے نقارہ پہ چوٹ پڑتی ہے ایسے خواجہ کی کھڑاؤں جیپال کے سر پر بول رہی تھیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیپال زمین پر آیا اور آتے آتے اس نے پڑھا: ''اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ'' اور حضور والا نے ان کا نام رکھا عبد اللہ بیابانی، یہ بات بھی راجہ کو پہنچ گئی۔ وہ اپنی جگہ پر بہت زیادہ ملول ہوا، بڑا رنجیدہ ہوا کہ میں نے گرومہاراج کو بھیجا تھا اس کو ہرانے کے لیے، بجائے ہرانے کے وہ تو خود ہی ہار کر بیٹھ گئے، وہ تو خود ہی مسلمان ہو گئے۔ آخر کار اس نے حضرت خواجہ کو ایک خط لکھا اور اس میں لکھا کہ میں یہاں کا بادشاہ ہوں، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تمہاری بات بہت بڑھ گئی ہے چوبیس گھنٹہ کے اندر ہماری راجدھانی کو تم خالی کر کے کہیں بھی چلے جاؤ اور تمہارے

جتنے ساتھی ہیں سب کو یہاں سے نکال لے جاؤ، حضرت خواجہ نے جواب میں اس کو لکھا کہ ہم فقیر تیرا کچھ نہیں لیتے، تیرے راج پاٹ سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہے، مگر سن یا تو تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جا، ہمارا بھائی بن جا اور نہیں تو پھر ایسا کر کہ سلطنت خلافت اسلامیہ عباسیہ کو تو جزیہ دے اور آرام و چین سے رہ۔ ورنہ یاد رکھنا کہ فیصلہ اس کا اسی طرح کیا جائے گا۔

وہ تو اپنے غرور کے اندر مست تھا، وہاں سے کہلا بھیجا کہ اس فقیر سے کہہ دینا کہ جب تک میں خاموش رہا تم سر چڑھتے چلے جا رہے ہو؟ خالی کرتے ہو تو کرو، نہیں تو میں اپنی فوج بھیج کر اپنی راجدھانی تم سے خالی کرا لوں گا۔ حضرت خواجہ کو یہ بات پہنچی، ارشاد فرمایا ''ما پتھورا را گرفتار کردیم بہ لشکر اسلام دادیم'' ہم نے پتھورا کو پکڑا اور لشکر اسلام کو دے دیا۔ اللہ اکبر! یہ بات حضور خواجہ نے فرمائی...... لوگ تعجب میں تھے کب پکڑا؟ کہاں پکڑا؟ اور کون پکڑے گا؟ لیکن آپ دیکھئے کہ ''گفتۂ او گفتہ اللہ بود'' ان کا کہنا اللہ کا کہنا ہوتا ہے۔ وہ لوح محفوظ سے دیکھ کر کہا کرتے ہیں۔ وہ جو کہتے ہیں وہ پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ انمٹ ہوتی ہے۔ یہ بات ایک طرف رکھ دیجئے دوسری بات سن لیجئے۔ رائے پتھورا، پرتھوی راج اور جے چند راجہ قنوج یہ آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ ان دونوں کا نانا دلی کا بادشاہ تھا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو چوں کہ اس کے کوئی لڑکا نہیں تھا یہی دو لڑکیاں تھیں ایک پتھورا کی ماں اور ایک جے چند کی ماں۔ لہٰذا اس نے اپنا راج پاٹ سوچا کہ دلی کا راج ان دونوں نوابوں میں سے کسی کو دے دینا چاہئے۔ پتھورا ذہین بہت تھا۔ بہادر بہت تھا۔ لہٰذا نانا نے بجائے جے چند نواسے کے پتھورا نواسے کو منظور کیا اور دلی کا راج بھی اس کے نام لکھ دیا۔ جے چند نے جب یہ بات سنی تو اس کو بڑا غصہ آیا۔ نانا کو ایسے ہی راج دینا تھا تو بانٹ کر دیتے، آخر میں بھی تو ان کی لڑکی کا بیٹا ہوں۔ یہ کیا کیا کہ انہوں نے ایک ہی طرف سارا بانٹ دیا۔ دل میں اس کے دشمنی بیٹھ گئی اور اسی زمانے میں اس کی بیٹی ''سنجوگیتا'' راج کماری سیانی، بالغ ہوئی۔ راجپوتوں میں قاعدہ یہ تھا کہ

جبلڑکیاں بالغ ہوجاتیں تو ان کی شادی کے واسطے ایک تقریب منائی جاتی جس کو کہتے تھے سویمبر، سوئمبر میں تمام راجاؤں کو دعوت دیتے تھے۔ اور اس دعوت میں سارے راجہ جمع ہوتے تھے۔ اس کے بعد کنواری لڑکی اپنے ہاتھ میں ورمالا لے کر نکلتی اور ان میں سے جس کو پسند کرتی اس کے گلے میں وہ ہار ڈال دیتی، اس کے ساتھ اس کی شادی ہوجاتی۔ یہ راجپوتوں کا پرانا قاعدہ تھا، سوئمبر رچایا تھا دیوتا کے لیے لیکن چوں کہ دل میں دشمنی بیٹھ گئی تھی۔ پتھورا کو اس نے دعوت نہیں دی بلکہ پتھورا کی صورت کی سونے کی مورتی بنوا کر اپنے دربار کے دربان، جہاں پر چپراسی کھڑے ہوتے وہاں پہ کھڑی کردی نیزہ ہاتھ میں دے کر، گویا کہ لوگوں کو یہ بتایا کہ پتھورا کا میرے یہاں مان بس اتنا ہے کہ وہ میرے دربار کا چپراسی ہے۔ یہ بات پہنچی پتھورا کو اور وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر قنوج کے جنگل میں آکر پوشیدہ ہوگیا۔ ''سنجوگیتا'' ورمالا لے کر نکلی اور اس نے سارے راجپوتوں اور راجاؤں کا جائزہ لیا۔ جس راجہ کے پاس پہنچتی اس کا بھانڈا اس کی تعریف کرتا ہمارے راجکمار ایسے، ہمارے مہاراج ایسے۔ وہ سنتی، سن کر آگے چلی جاتی مگر کسی کے گلے میں اس نے ورمالا نہیں ڈالی، سب راجا حیران تھے کہ کسی ایک کو پسند نہیں کیا۔ سنجوگیتا باہر نکلی اور باہر نکل کر دربار کی جگہ پر پتھورا کی جو مورتی تھی اس کے گلے میں ورمالا ڈال دیا۔ جیسے اس کے گلے میں ورمالا ڈالا، پتھورا وہاں چھپا کھڑا تھا وہاں سے نکل کر آیا سنجوگیتا کی کمر میں ہاتھ ڈالا، گھوڑے پر بٹھایا اور اس کے بعد اجمیر پہنچا دیا۔ یہ گویا کہ جے چند کے سینہ پر اس نے دوسرا داغ دیا۔ پہلے تو سلطنت لی اس کے نانا سے اور دوسرا داغ یہ دیا کہ لڑکی کو لے کر گیا۔ اس سے زیادہ بے عزتی جے چند کے لیے کیا ہوگی؟ جے چند نے ایک خط لکھا کسے لکھا؟ جانتے ہو؟ کسی ہندوستان والے کو نہیں لکھا، سلطان شہاب الدین غوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سپہ سالار رسول کو لکھا۔ اسی لیے تو کہہ دیا کرتا ہوں کہ ہم تو بلائے ہوئے آئے ہیں، مہمان آئے ہیں تمہاری لجا بچانے کے لیے آئے تھے۔ اب اپنی لجا کو بچانے والوں کو چاہے

ذبح کرو، چاہے جلا ڈالو، جو چاہے کرو مگر آئے تھے تمہاری لاج بچانے کے لیے، خط لکھا ہے شہاب الدین غوری کو، سپہ سالار غزنی کو کہ آپ کچھ سال پہلے راوڑی کے میدان میں پتھورا سے ہار کے گئے تھے، لیکن میں اب آپ کا ساتھ دوں گا آیئے میں آپ کا ساتھ دوں گا، میرے ساتھ پتھورا نے بڑا برا برتاؤ کیا ہے، لڑکی میرے لے بھاگا ہے جس کی وجہ سے میری بدنامی بڑھ گئی ہے۔ آیئے اور آنے کے بعد میری طرف سے لڑیئے میں آپ کی مدد کروں گا، میں آپ کا معاون بنوں گا۔ سلطان شہاب الدین غوری سپہ سالار لشکر غزنی اپنے چچیرے بھائی حضرت سلطان غیاث الدین شہنشاہ غزنی کے پاس یہ خط لے کر پہنچے، شہنشاہ غزنی نے کہا دیکھو بھائی شہاب الدین تم پہلے سال جاچکے ہو، ہندوستان ہمارے یہاں سے بہت دور ہے۔ وہاں کی آب وہوا ہمارے یہاں کی آب وہوا میں فرق ہے، وہاں وقت پڑنے پر ہم مدد نہیں بہم پہنچا سکتے۔ لہٰذا بری طرح تم ہار کے وہاں سے آئے اور تمہارے سپاہی وہاں سے پیٹھ پھیر کر بھاگے تو میں نے ان نامردوں کے منہ کے پر گھوڑے کے دانہ چرنے کے توبڑے چڑھوا دیے تھے، لہٰذا میں تو رائے نہیں دوں گا اور معلوم نہیں یہ سب وفاداری کریں یا غداری کریں؟ لہٰذا یہیں بیٹھے رہیے اللہ نے ہماری وسعت سے زیادہ ہمارے اوپر کوئی فریضہ نہیں ڈالا ہے۔ رات کو شہاب الدین غوری خواب دیکھتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ ایک صاحب تشریف لائے ارشاد فرمایا شہاب الدین اپنی کمر کس اور اپنے ساتھیوں کو لے کر ہندوستان پہنچ، اس دفعہ ہندوستان میں تخت تیرے قدم چومنے کے لیے بے چین ہو رہا ہے۔ شہاب الدین اٹھے اور عرض کی حضور یہ خواب میرا جھوٹا نہیں ہوسکتا اور میں نے ان صاحب کو اچھی طرح پہچان لیا ہے ان کی صورت میں نے اپنی نظروں میں بھر لی ہے۔ وہ صورت بھی کسی جھوٹے کی صورت نہیں تھی، چنانچہ یہ لشکر پھر آتا ہے اور دلی سے اسی میل اوپر تھانیسر کے میدان میں راوڑی کی پہاڑیوں کے درمیان میں پھر ایک مرتبہ خاک چھانتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پتھورا اپنا پورا لشکر لے کر

خود کمان کرتا ہے۔ جے چند شہاب الدین غوری کو دھوکہ دیتا ہے اور اپنی فوجیں لے کر قنوج کو واپس ہو جاتا ہے۔ پورے میدان کے اندر مسلمانوں کو راجپوتوں میں گھرا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔ سچی یہ ہے کہ غداروں سے غداری کے سوا اور کچھ بن نہیں پڑتا۔ آج ہم کو غدار کہنے والے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ حقیقت میں غدار کون ہے؟ اچھا جناب والا شہاب الدین غوری پر قریب ہے کہ شکست وارد ہو جائے جو پہلے ہوئی تھی اس سے زیادہ شکست وارد ہو۔ یکا یک ایک مرد سبز پوش وارد ہوتے ہیں اور وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے سیدھے جاتے ہیں پتھورا کے پاس پتھورا جھنڈا لیے ہوئے کھڑا ہے اور اس کے بعد ایک کمند پھینکتے ہیں اسے گرفتار کر کے لاتے ہیں اور لا کر شہاب الدین کے سپرد کر دیتے ہیں کہ یہ پتھورا ہے۔ شہاب الدین کہتے ہیں ذرا اپنے چہرے سے نقاب تو اٹھائیے۔ میں آپ کو دیکھوں کہ آپ کون ہیں؟ چہرے سے نقاب اٹھا لیتے ہیں۔ کہا پہچانا غزنی کے خواب میں آنے والے تو آپ ہی تھے، غزنی سے مجھے یہاں بھیجنے والے بھی تو آپ ہی تھے۔ فرماتے ہیں خاموش! سامنے سے چلے جاتے ہیں پتھورا زندہ گرفتار ہو جاتا ہے اور تخت دہلی کے اوپر سلطان شہاب الدین کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ یہاں کا معاملہ ٹھیک کرنے کے بعد اب وہ پہنچتا ہے اجمیر پاک جو راجدھانی ہے پتھورا کی۔ پتھورا ختم کر دیا جاتا ہے۔ جب اجمیر میں پہنچتا ہے تو وہاں پوچھتا ہے کیوں جی اس کا کوئی شہزادہ موجود ہے؟ کہاں ہاں راجکمار ہیں، شہزادے کو اجمیر میں بلایا، کہا دیکھو بیٹا تمہارا باپ حد سے آگے بڑھ گیا تھا۔ نمرود، شداد اور فرعون نے جو طریقے اختیار کیے تھے انسانیت کو ستانے کے لیے وہ راستے اس نے اختیار کیے تھے، اپنی سزا کو پہنچا، لیکن ہم غاصب نہیں ہیں۔ تخت دہلی تو تمہارا تھا ہی نہیں وہ تو خواہ مخواہ تمہیں ملا تھا۔ یہ تمہارا تخت ہے میں تمہیں واپس کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر ایک شرط ہے کہ عہد کرو کہ مسلمانوں کو نہیں ستاؤ گے، مسلمانوں کو اپنے حال پہ رہنے دو تو میں تم کو دیتا ہوں۔ راجکمار نے اقرار کیا پتھورا کی تلوار شہاب الدین نے جو اتاری تھی وہ اپنے

ہاتھ سے اس کے شہزادے کی کمر میں باندھ کر اسے اجمیر کے تخت پر بٹھا دیا۔ جب یہ کام کر چکے تو کہا بتاؤ لوگوں تمہارے اجمیر کے اندر کوئی اللہ والا ہے؟ لوگوں نے کہا لیجئے آپ پوچھتے ہیں ارے صاحب! ایک یہاں درویش بڑے دنوں سے آئے ہوئے ہیں اور جو یہ آپ دکھتے ہیں کبھی کبھی یہاں ''حی علی الصلاۃ'' کی آواز آجاتی ہے۔ یہ انہیں کے دم قدم کا صدقہ ہے۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں جاؤ اور ان سے کہو کہ غزنی کا سپہ سالار شہاب الدین غوری آپ سے ملنے کے لیے آرہا ہے۔ حکم دیا وہاں سے کہ شہاب الدین سے کہنا کہ ملنے کو آسکتے ہو مگر تنہا آنا، اکیلے آنا، دوسرا ساتھ نہ ہو۔ شہاب الدین جھونپڑے میں پہنچتے ہیں۔ غریب نواز اندر تشریف فرما ہیں۔ شہاب الدین جیسے آگے بڑھتا ہے نظر پڑتی ہے کہتے ہیں سبحان اللہ! خواب میں ایک دفعہ آئے، راوڑی کے میدان میں دو مرتبہ آئے اور اب تیسری مرتبہ میں حاضر ہوں۔ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ مجھے غزنی سے بھیجنے والے بھی آپ، پتھورا کو گرفتار کرانے والے بھی آپ۔ ارشاد فرماتے ہیں: شہاب الدین سن جب تک ہم زندہ رہیں، اس وقت تک یہ واقعہ تیری زبان سے کسی کے سامنے نہ آنے پائے، ہم اپنی شہرت نہیں چاہتے۔ ہم نے جو کیا ہے اللہ کے لیے کیا ہے۔ کسی بندے کے واسطے نہیں کیا ہے۔ حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ اب آرام واطمینان کے ساتھ ہیں اور ان کے شاگرد رشید مرید نے یعنی جیپال نے اپنے گھر لا کر ان کے لیے گھر بنا دیا ہے۔ جہاں پر ان کا مزار پاک ہے یہ جیپال کا گھر تھا، یہاں پر لا کر اس نے جھونپڑے تیار کیے ہیں اور حضرت اپنے مریدین کے ساتھ یہاں پر تشریف فرما ہوئے، اسلام کا راستہ صاف کر رہے ہیں اور اپنے مریدین ومتوسلین کو ہندوستان کے اندر بھیج رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ قدوہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کو بھیجتے ہیں یوپی کے خطے میں وہ آپ کے خلیفہ ہیں۔ ان کی اولاد قدوائی مشہور ہے۔ رفیع احمد قدوائی بھی انہیں میں سے تھے اور جناب والا حضرت فخر الدین گردیزی کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں، اپنے مرید خاص وخلیفہ

خاص قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ کو دلی دی جاتی ہے۔ اسی طرح سے ہندوستان کے پورے خطے میں حضور خواجہ اپنے خلفا کو جگہ جگہ بانٹ چکے ہیں اور اسلام کا راستہ صاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ہیں میرے خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی حسن سجزی اجمیری ہند الولی عطائے رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔

الحمد للہ رب العالمین کہ آج انہیں اس دنیا سے تشریف لے گئے بھی تقریباً سات آٹھ سو برس ہو چکے ہیں۔ لیکن بقول ایک انگریز مورخ کہ میں ہندوستان گیا اور میں نے جا کے دیکھا تو مجھے جہاں اور بہت سی چیزیں نظر آئیں، وہاں یہ بھی نظر آئی کہ وہاں ایک قبر بادشاہت کرتی ہے۔ ہندوستان میں ایک قبر بادشاہت کرتی ہے۔ تو حقیقت بھری بات یہ ہے کہ اجمیر مقدس میں آپ چلے جائیے، آج کا اجمیر جو ثانی سندھ بن چکا ہے سوائے درگاہ بازار کے عام مسلمان آپ کو اجمیر میں دکھائی نہیں دیں گے، کا کوار مہاراج بڑودا آتے ہیں، یہاں پر ملکہ وکٹوریہ پہنچتی ہے، ملکہ وکٹوریہ نے اپنا نشان بنوا دیا درگاہ معلیٰ اجمیر پاک کے اندر۔ جہاں سر یوک پہنچے دیکھنے کے لیے، یہ وہ درگاہ پاک ہے، کیا بات ہے کہ قبولیت ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا'' جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کیا اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی محبتیں دلوں کے اندر رکھ دیتا ہے۔ تو ان کی محبتوں کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے دلوں میں رکھ دیا ہے۔ یہ صلہ ہے ان کی اس خدمت کا جو انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کے راستے صاف کرنے میں کی۔ ورنہ یاد رکھئے کہ کوئی کام کو چاہتا ہے چام کو نہیں چاہتا ہے۔ کام سب کو پیارا ہوتا ہے۔ میاں چام کسی کو پیارا نہیں ہوتا۔ تو یہ کام ہے خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہ انہوں نے اپنے نانا جان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین پاک کے لیے اپنے اوپر ہزاروں قسم کے کشٹ (تکلیف) اٹھائے اور کشٹ اٹھا کر ایسی جگہ کو جو اوسر اور بنجر تھی نہایت غیر آباد، بے آب وگیاہ تھی مگر الحمد للہ رب العالمین آج اجمیر، اجمیر مقدس سارے عالم میں مشہور ہے۔

بڑے بڑے انگریز آتے ہیں خواجہ اجمیر کے آگے آ کر وہ اپنے سر سے ٹوپ اتار لیتے ہیں، پریڈ کرتے ہیں خواجہ اجمیر رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو اور سچ بات یہ ہے کہ ہندوستان کے اندر اسلام کی نمود حضرت خواجہ اجمیر سے ہے۔ اگر آپ ملاحظہ فرمائیں تو چشتی سلسلے میں، اجمیر مقدس سے جو چشتی سلسلہ نکلا، اسی نے سارے ہندوستان میں اسلام پھیلایا، حضرت قطب الاقطاب مخدوم بختیار کاکی، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رضی اللہ عنہ، حضرت خواج مخدوم علاء الدین صابر کلیری حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین دہلوی، حضرت سلطان نصیر الدین محمود چراغ دہلوی، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، حضرت شیخ سراج الدین کپتان، حضرت شیخ سارنگ، حضرت شیخ ذکی، حضرت شاہ مینا، شیخ شاہ مظہر جان جاناں، میر واحد بلگرامی، حضرت میر عبد الجلیل بلگرامی مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی کچھوچھ، کہاں کہاں یہ سلسلہ ہے اور چشتیت کے سلسلہ میں سارے ہندوستان کو چھاپ رکھا۔ حضرت مرشدنا احمد فاروقی سرہندی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف والے، یہ ایسی ہستیاں ہیں کہ جنہوں نے اسلام کو بڑھاوا دینے میں اور اسلام کی جڑوں کو ہندوستان میں مضبوط کرنے میں اپنا تن من دھن سب قربان کر دیا۔ الحمد للہ کہ ہم لوگ بھی خواجہ غریب نواز کے ماننے والے ہیں۔ مگر ایک بات یہاں پر یاد رکھئے گا۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، تو چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھنے کا مطلب کیا ہوا؟ کہ سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عشا سے لے کر اور فجر تک حضرت خواجہ نے اپنی پیٹھ زمین سے نہیں لگائی۔ تو مجھے آپ بتائیے کہ خواہ نے چالیس برس تک عشا کے وضو سے فجر پڑھی اور ہم تو عشا کے وضو سے عشا نہیں پڑھتے، فجر کے وضو سے فجر نہیں پڑھتے تو میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت خواجہ کا نام لینا تو بڑا آسان ہے، لیکن کبھی آپ نے سوچا کہ حضور خواجہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو تعلیم کیا دی تھی؟ آپ کو بتایا کیا تھا؟ جو خواجہ پاک عبادات وریاضات میں۔

اللہ اکبر! وصال کے بعد حضرت خواجہ پاک کا جب جبہ اتارا گیا نہلانے کے لیے تو بارہ سیر کا تھا، تولا گیا تو بہت بھاری تھا، آپ سوچتے ہوں گے کہ کون سا کپڑا تھا؟ جو بارہ سیر کا تھا، بات اصل میں یہ تھی کہ وہ کرتا، بس ایک ہی تو کرتا تھا حضرت خواجہ کے پاس جب وہ پھٹ جاتا تھا تو اس پر پیوند پہ پیوند چڑھا لیتے تھے، تو اس پر بوری کے پیوند لگے ہوئے تھے، کمبل کے پیوند اس میں لگے ہوئے تھے، اگر کہیں پر چمڑا مل گیا تو چمڑا اس میں ٹانک لیا۔ کپڑا مل گیا تو اسے ملا لیا، جس قسم کا کپڑا مل گیا اور جبہ پھٹا ہوا ہے اپنے ہاتھ سے اسے ٹانک لیا، تو کپڑا اور کپڑا، پیوند در پیوند ہوتے ہوئے وہ بارہ سیر کا ہو گیا تھا۔ وہ خواجہ اجمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ جن کے مرید کے مرید تھے شہنشاہ دلی سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ رضیہ سلطانہ کے باپ، رضیہ سلطانہ جو خود بھی ملکۂ ہندوستان ہوئی ہے۔ اس کے والد ماجد سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ شہنشاہ دہلی حضور کے مرید کے مرید تھے، حضور کے مرید قطب الاقطاب بختیار کاکی اور ان کے مرید ہیں حضرت سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ، مرید بھی ہیں خلیفہ بھی ہیں۔

اللہ اکبر! میں آپ کو بتا رہا ہوں حضرت خواجہ کے فیض کا عالم تو دیکھئے کہ دیندار تو دیندار، درویش تو درویش، فقیر تو فقیر ایک بادشاہ دنیا، اللہ اللہ! قطب الاقطاب کا جب وصال ہونے لگا تو آپ نے فرمایا کہ ہماری نماز جنازہ وہ پڑھائے گا جس کی نماز تہجد قضا نہ ہوئی ہو، اب ہو گیا وصال، قطب الاقطاب کا وصال ہو گیا۔ بڑے بڑے علما، بڑے بڑے اولیا موجود تھے، لیکن جس سے یہ کہا جاتا کہ حضرت یہ وصیت کر گئے ہیں کہ نماز تو وہ پڑھائے جس کی تہجد بھی قضا نہ ہوئی ہو۔ پیچھے ہٹ جاتے کہ ایک آدھ تو قضا ہو ہی گئی ہوگی۔ اب نماز میں دیر ہونا شروع ہوئی، جب کوئی آگے نہ بڑھا تو سلطان شمس الدین آگے بڑھے اور کہنے لگے پیر! آج تم نے میرا راز کھول دیا۔ میں جس بھید کو چھپائے ہوئے تھے، جس کو میں نے آج تک نہیں ظاہر کیا، آج وہ راز آپ نے کھول دیا اور یہ کہہ کر سلطان شمس الدین التمش نے نماز پڑھائی حضرت بختیار کاکی کی۔

آپ دیکھئے سوچئے، کہ جو لوگ دین کا دعویٰ کرتے ہیں وہ کہاں؟ اور دنیا کا ایک بادشاہ کہاں؟ دنیا کے یہ بادشاہ تھے، تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خواجہ خواجہ پکارتے ہیں، غریب نواز غریب نواز کے نعرے لگاتے ہیں، لیکن کبھی ہم نے سیدھے سے یہ سوچا ہے کہ خواجہ غریب نواز کا جو کردار ہے حضور والا کا جو اسوۂ حسنہ ہے، ان کی جو عادات کریمہ ہیں، اس کی بھی کبھی پیروی کرنے کی ہم نے کوشش کی ہے؟ نہیں، ہم نے تو صاحب یہ دیکھا ہے معاف کیجئے شراب بیچیں، شراب بنائیں، شرابیں پئیں اور اس کے بعد شراب کی کمائی سے بنام خواجہ آج قوالی ہو رہی ہے۔ ہم لوگ چشتی ہیں اور آج قوالی ہو رہی ہے۔ کاہے ہو رہی ہے صاحب؟ ہم لوگ چشتی ہیں، خواجہ کے یہاں قوالی ہے، لہٰذا ہم بھی قوالی کرر ہے ہیں اور دو بوتلیں آج زیادہ بکی تھیں ان کے پیسوں سے قوالی ہو رہی ہے تو بات یہ سمجھ میں نہیں آئی، سب سمجھ میں آیا مگر یہ چشتیت میری سمجھ میں نہیں آئی اور یہ تو چشتیت کے نام پہ دھبہ ہے چشتیت کے نام پر داغ ہے۔ اگر ہم خواجہ کا نام لیتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم خواجہ کے اسوۂ حسنہ کو اپنائیں۔

پانچویں رجب المرجب کی حضور اپنے حجرے میں تشریف لے گئے تو رات بھر آپ کے ذکر الٰہی کی آواز آتی تھی۔ خدام باہر بیٹھ کر ذکر کرتے تھے، حضور اندر بیٹھ کر ذکر کرتے تھے۔ خدام نے سوچا کہ رات بھر تو ذکر کی آواز آتی رہی، صبح کے قریب آواز آنا بند ہو گئی۔ خلاف معمول تھا یہ۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا تو فجر جب طلوع ہوئی تو نماز باجماعت کے لیے خدام نے آواز دی ورنہ خود تشریف لاتے تھے۔ آواز نہیں آئی اندر سے، جب دروازہ توڑ کر اندر گئے تو ملاحظہ کیا کہ حضرت خواجہ قبلہ کے رخ لیٹے ہوئے ہیں اور آپ کے پیشانی پہ لکھا ہوا ہے ”مات حبیب اللہ فی حب اللہ“ اللہ کا دوست اللہ کی یاد اور محبت میں دنیا سے رخصت ہوا۔ ساتویں رجب المرجب کا دن گزر کر تقریباً ستانوے برس کی عمر میں حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے اسی حجرے میں وصال کیا جس حجرے میں آج حضور کا مزار مبارک ہے۔ یہی آپ کی جگہ تھی اور

یہی آپ کی آخری قیام گاہ قیامت تک کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسا کرے کہ حضرت خواجہ کے فیض وکرم سے ہمیں بھی حصہ عطا فرمائے، سب سے بڑی بات یہ کہ ہمیں ان کے اسوہ حسنہ کی اطاعت کی توفیق عنایت فرمائے اور الٰہ العالمین ہماری عبادتوں، ریاضتوں اور ہمارے نیک کاموں کو قبول کرے، برائیوں سے ہمیں دور کرے اور ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے، سچے دل سے ہم توبہ نصوح کریں۔

اللھم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین۔ (آمین)



محبت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا محمداً عبدہ ورسولہ بالھدیٰ ودین الحق ارسلہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبارک علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

صدق اللہ العلی العظیم

یارب تو کریم، رسولِ تو کریم	صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم
ماعاشقانِ روئے جمالِ محمدی	ما امتے محمد وآلِ محمدی
مارا کہ تست نعت غلامی مصطفیٰ	ما کمترین وغلام بلال محمدی
غوث اعظم بمن بےسروساماں مددے	قبلہ دیں مددے، کعبۂ ایماں مددے
انتظار کرم تمت من عینی را	اے خدا جو وخدا بین وخداداں مددے
بہ گرداب بلا افتاد کشتی	مدد کن یا معین الدین چشتی

بہ آواز بلند درودشریف پیش کیجئے بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں:

اللھم صل علیٰ سیدناو مولانامحمدو علیٰ آل سیدنامحمدو بارک و سلم۔

بیان، تقریر، وعظ، تحریر یا اسپیچ، سیاسی ہوں یا مذہبی ہوں یا خانگی اور پرائیویٹ ہوں، بہر حال جب گفتگو کی جاتی ہے تو اس کا ایک ٹاپک ہوتا ہے، ایک موضوع ہوتا ہے، ایک عنوان ہوتا ہے۔ یعنی ہمیں گفتگو کا ہے پہ کرنی ہے، مثلاً دو خاندانوں میں شادی ہونے والی ہے، دونوں طرف کے لوگ آئے ہوئے ہیں، اب ان میں جو گفتگو ہوگی اس کا موضوع ہوگا شادی، جہیز کیا ہوگا؟ بارات کیسے آئے گی وغیرہ وغیرہ، دو تاجر جب آپس میں بات کرتے ہیں تو ان کا موضوعِ گفتگو ہوتا ہے بیوپار اور تجارت، دو سیاسی لیڈر جب گفتگو کرتے ہیں تو لے دے کے اپنے موضوع پر آجاتے ہیں اور وہ ہے ووٹ بینک۔ تو گفتگو کوئی بھی ہو اس کا ایک ٹاپک ہوتا ہے اور یہ موضوع ایسے سمجھئے جیسے دائرے کا مرکز ہوتا ہے، سرکل کا جیسے فوکس ہوتا ہے بیچ کا حصہ کہ پورا سرکل اسی بیچ کے نقطے کے گرد گھومتا ہے۔ ایسے ہی پوری گفتگو کسی عنوان کے گرد گھومتی ہے۔ ہمیں جس پر گفتگو کرنا ہے گھوم پھر کے ہم اسی پہ آ کے رک جاتے ہیں۔

یہ گیارہویں شریف کی مجلس ہے۔ ابھی نماز عشا اور وتر پڑھ کر جب دعا مانگی تو میں سوچ رہا تھا کہ آج کے بیان کا موضوع کیا ہونا چاہیے، یکا یک ذہن میں یہ بات آئی کہ ہماری آج کی

گفتگو کا موضوع ہے ''محبت''۔ بڑا پیارا موضوع ہے محبت، پریم، یہ اتنا پیارا موضوع ہے کہ اگر آپ غور کریں تو یہ پوری کائنات ہستی ایک لفظ ''محبت'' میں سمٹی ہوئی ہے، اگر خدا کو محبت نہ آئی ہوتی تو یہ کائنات نہ بناتا، اس نے بڑے پریم سے یہ کائنات بنائی، کیوں بھئی! اس نے کیا غصے سے یہ کائنات بنائی ہے؟ نہیں نا۔ کیا اس نے جلال میں بنائی ہے یہ کائنات؟ یہ اتنی بڑی کہ عالم یہ ہے کہ ہم تو اتنی سی زمین پر رہتے ہیں اور ہم نے اپنی زمین کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے۔ زمیں بہت بڑی نہیں ہے، اللہ کی کائنات میں اسے ایسا سمجھ لو جیسے افریقہ کے ریگستان میں ریتے کا چھوٹا سا ذرہ، اتنی بڑی ہے بس ہماری زمین، ورنہ اللہ کی کائنات کا اگر تم مطالعہ کرو اور اسے سمجھو بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آدمی سب چیزوں کو چھوڑ دے اگر خود اپنا مطالعہ کرے، اپنے آپ کو دیکھے کہ میں کیا ہوں؟ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اگر آدمی صرف صبح کا جو نور ہوتا ہے، صبح جو کرن نکلتی ہے، اس پر غور کرے تو مولیٰ تبارک وتعالیٰ کے شکر اور اس کی مہربانی میں ڈوب جائے، میں روز مرہ کی باتوں میں ایک بات آپ سے کہہ رہا ہوں، ابھی پچھلے زمانے میں نادانوں کی نادانی سے آپس میں ایک جھڑپ ہوئی، ہماری گفتگو اس پر ہو چکی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عین اسی کے لگ بھگ مجھے وطن جانا تھا اور میں نے فرسٹ کلاس ریزرو کرایا، اتنی عمر میں میں نے ایسا سفر کبھی نہیں کیا تھا، جیسے یہاں سے بیٹھے اناؤنسر نے پکارا کہ رتلام جب آجائے تو آپ ساری کھڑکیاں بند کر دیں، مکمل طور پر اپنے ڈبے کو کالا کر لیں تو لوہے کی جو کھڑکیاں گاڑی میں ہوتی ہیں وہ ڈال دیں۔ اور رتلام سے جب آگے بڑھے تو اس کے بعد ڈبے کا ماحول ایسا ہو گیا مانو آسمان سے کاجل برس رہا ہو، ایسا اندھیرا ہو گیا، ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھائی دے رہا تھا اور میں اندھیرے سے بہت گھبراتا ہوں، اندھیرا جب ہو جاتا ہے تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرا دل سینے سے باہر نکل جائے گا، مگر اب کیا کیا جائے؟ جاڑوں کے دن تھے، میں اپنی برتھ پر آیا اور ایک ہی علاج مجھے سوجھا کہ میں نے اپنا کمبل لپیٹا اور آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا اور ایک ہی لفظ وردِ زبان تھا: **حسبنا اللہ**

ونعم الوکیل۔ اللہ ہمیں کافی ہے اور اسی پہ ہمارا بھروسا ہے۔ اس لیے اب اس کے سوا اور چارہ بھی کیا تھا، کس سے فریاد کرتے صاحب؟ مگر آدمی کب تک آنکھیں بند کر کے بیٹھے گا، ذرا ذرا دیر کے بعد تھوڑا کمبل ہٹاتا آنکھوں سے، پھر دیکھتا تو وہی گھپ اندھیرا ہی رہتا۔ ایک دفعہ جب میں نے اپنی آنکھ کھولی تو وہ جو لوہے کی کھڑکیاں بند تھیں تو اس کے سوراخ سے ننھی ننھی صبح کی کرن پھوٹ رہی تھی، ان سے صبح کا نور چھن رہا تھا۔ میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ دولت دنیا اگر کوئی مجھے دیتا تو میں اس نور کی کرن کو دیکھنے کے لیے اس کے بدلے تیار ہو جاتا، اس نور کی کرن میں ایسا معلوم ہوا جیسے میرے دل کو دھکا لگا اور ساری گھبراہٹ دور ہو گئی حالاں کہ نہ کوئی آیا نہ کوئی گیا، ایک ہم تھے ایک ہمارا اس کیبن کا ساتھی تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے روشنی میں اتنا کمال پیدا کیا ہے۔

اور آپ یہ ملاحظہ فرمائیے کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے جو چیزیں کائنات عالم میں پیدا کی ہیں ان کو تم نہیں جانتے، ان کی حقیقی مصلحت تو تم جان ہی نہیں سکتے، اللہ نے کس کو کیوں پیدا کیا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھے ہوئے تھے تو ایک چھپکلی نے آپ پر پیشاب کر دیا، تو آپ جلالی رسول ہیں تو دیکھا اور دیکھنے کے بعد اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کیا: الٰہ العالمین! اس جانور کو تو نے کیوں پیدا کیا؟ اس کا کیا کام تھا؟ صورت سے دیکھتے گھن آئے، ارشاد فرمایا: موسیٰ! تم تو آج ہم سے پوچھ رہے ہو کہ ہم نے اسے کیوں پیدا کیا ہے، یہ نالائق روز پوچھتی ہے کہ تو نے موسیٰ کو کیوں پیدا کیا ہے؟ اور ارشاد فرمایا: موسیٰ! تم نہیں جانتے، یہ ہماری مخلوق ہے ہم نے اسے پیدا کیا ہے، ہم جانتے ہیں۔

حضرات! آپ اگر اس کائنات ہستی کو تصور کریں تو جس سے آپ ناپتے ہیں، تو آپ کو ناپنے میں سنکھیا کے لیے شبد تک نہیں ملیں گے۔ ذرا آپ غور کیجئے، ذرا بتایئے تو سہی، خلا میں یہ جو آپ کا سورج ہے اسی کو آپ بڑا سمجھے ہوئے ہیں ٹھیک ہے بہت بڑا ہے، آپ کی زمین سے تیرہ

لاکھ گنا بڑا ہے، آپ کی زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے، لیکن آسمان کے جاننے والے کہتے ہیں کہ خلائے بے کراں میں اس سورج سے کروڑوں درجے بڑے سورج اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا کیے ہیں، وہ چمک رہے ہیں اور ایسے چمک رہے ہیں کہ کھربوں سال نوری ہوئے تب وہ چمکے تھے لیکن آج تک ان کی روشنی زمین پر نہیں آئی، اتنے دور ہیں۔

میں نے آپ سے ایک لفظ کہہ دیا ''سال نوری'' اس کا کیا مطلب ہے؟ کیوں کہ اس کائنات میں جو چیزیں ہیں وہ ہمارے اعداد سے نہیں ناپی جا سکتیں، انچ ہے، فٹ ہے، میٹر ہے، سینٹی میٹر ہے، میل ہے، کلومیٹر ہے، اس سے وہاں کی چیزیں نہیں ناپی جا سکتیں، ان کی رفتار ہے ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ۔

آدمی کا دماغ پھٹ جائے سوچتے سوچتے۔ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل ایک سیکینڈ میں چلتا ہے اور ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کو اگر آپ ۶۰ر سے ضرب دے دیں تو ایک منٹ نوری بنے گا اور حاصل ضرب کو پھر ۶۰ر سے ضرب دے یں تو ایک گھنٹہ نوری بنے گا اور اس کو اگر آپ چوبیس سے ضرب دے دیں تو ایک دن و رات نوری بنیں گے اور اس کو تین سو ساٹھ سے ضرب دے دیں تو ایک سال نوری بنے گا تو تقریباً ایک ارب چھیانوے کروڑ میل کا ایک سالِ نوری ہوگا۔ اب کہنے والا یہ کہتا ہے کہ ایسے سورج اللہ عزوجل نے پیدا کیے ہیں جو کھربوں سالِ نوری ہم سے دور ہیں۔ اگر اتنے دور ہیں تو آپ ان کی سنکھیا تو پھگر میں نہیں لکھ سکتے، آپ زیادہ سے زیادہ شنکھ، دس شنکھ، مہاشنکھ، مہاشنکھ کے بعد کچھ ہے ہی نہیں آپ کے پاس۔ اتنی بڑی کائنات ہے، تو مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے ان سب کو محبت سے پیدا کیا ہے۔ یہ ساری کائنات اللہ عزوجل نے محبت سے پیدا کر دی ہے تو یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ یہ کس کے لیے پیدا کی ہے؟

اللہ تبارک نے اس پوری کائنات کو بنایا اور اس کو بنانے کے بعد اپنے لاڈلوں کی محبت میں اسے تیار کیا لاڈلا کون ہے اللہ کا؟ ایسا پیارا کون ہے اللہ کا؟ کہ جس کے لیے مولیٰ تعالیٰ نے اتنی

بڑی کائنات بنائی اور اس کو پتہ تھا کہ اس کا یہ لاڈلا اندھیروں میں نہیں بیٹھے گا تو اس نے دن کو پیدا کر دیا، رات کو بھی اسے اندھیرا نہیں چاہیے تو چاند کو پیدا کر دیا، اسے یہ معلوم تھا کہ میرے لاڈلے کے لیے سر پہ سایہ ہونا چاہیے تو اس نے آسمان پیدا کیا اور اس کو سونے بیٹھنے کے واسطے بچھاون ہونا چاہیے تو اس نے زمین کو بچھایا، میرے لاڈلے کو پینے کے لیے پانی ہونا چاہیے تو زمین پر سمندر پھیلا دیے، اب جو اس نے اپنے لاڈلوں کے لیے بنانا شروع کیا ہے، اپنے محبوب کے لیے، اپنے حبیب کے لیے بنانے کا آغاز کیا ہے تو بن رہا ہے اور بنتا ہی چلا جا رہا ہے اور وہ ہستی ایک ہے اور وہ ہے انسان اعظم، یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے بنائی ہیں جبھی تو ارشاد فرماتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ یہ سب تو تمہارے لیے بنایا اور تمہیں اپنے لیے بنایا، یہ ہے محبت والی بات، جگر مرادآبادی ایک مطلع کہتا ہے وہ ہمیں بڑا پسند ہے، وہ کہتا ہے: ؎

اک لفظ محبت کا ادنیٰ یہ فسانہ ہے
سمٹے تو دلِ عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

اگر محبت سمٹ جائے تو عاشق کے دل کے اندر ہے اور اگر پھیلے تو پوری کائنات کو محبت گھیرے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اپنا محبوب بنایا، اور ان انسانوں میں مولیٰ نے خود چناؤ کیا، خود انتخاب کیا، ظاہر ہے کہ آج بچہ بچہ جانتا ہے کہ الیکشن اور انتخاب کیسے ہوتے ہیں، میرے خیال میں ملّا سے زیادہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ الیکشن کیا ہوتا ہے؟ میں تو نہیں جانتا کہ الیکشن کیسے لڑا جاتا ہے، تو ماشاء اللہ بچے اچھی طرح جانتے ہیں کہ الیکشن کسے کہتے ہیں اور کیسے لڑا جاتا ہے؟ مگر ایک بات ہمیں معلوم ہے کہ الیکشن اور سلیکشن کے لیے دو فن بہت ضروری ہے، ان کے بغیر الیکشن اور سلیکشن نہیں ہو سکتا، پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا علم ہو کہ سب سے بہتر کون

ہے؟ ورنہ ہم سب سے اچھے کو چن نہیں سکتے، اور دوسری چیز ہے اس کو لینے کی طاقت کا ہونا مثلاً آپ کو معلوم تو ہے کہ فلاں دوکان کا فلاں ٹیپ ریکارڈ اچھا تو ہے لیکن آپ کی جیب میں اس کے مطابق دام نہیں ہے تو بھی آپ اس کو نہیں خرید پائیں گے۔ اس لیے نہیں کہ آپ نے اسے جانا نہیں، آپ کو معلوم نہیں ہوا بلکہ آپ کا اختیار اور آپ کی قوت اس کو خرید نہیں سکتی، تو معلوم ہوا کہ الیکشن اور سلیکشن میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے، ایک علم ہونا، دوسرے اختیار ہونا۔

اب آپ غور فرمائیے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے ”محمد مصطفیٰ“، مصطفیٰ کا معنی ہے ورڈ بائی ورڈ، شبد بائی شبد، لفظ بہ لفظ، سلیکٹیڈ، یعنی چنا ہوا، وہی معنی ہے عربی میں مصطفیٰ کا، اچھا ایک بات اور ہے کہ سارے انبیا چنے ہوئے تھے، کیا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام چنے ہوئے نہیں تھے؟ کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ چنے ہوئے نہیں تھے؟ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ نہیں، وہ سب بھی چنے ہوئے تھے، لیکن ایک بات یاد رکھیے کہ لقب ”چنا ہوا“ صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔ نہ آپ آدم کو مصطفیٰ کہتے ہیں، نہ آپ نوح کو مصطفیٰ کہتے ہیں نہ آپ ابراہیم کو مصطفیٰ کہتے ہیں، نہ آپ موسیٰ اور عیسیٰ کو مصطفیٰ کہتے ہیں، مصطفیٰ جب آپ کہتے ہیں تو محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

اب اللہ عزوجل نے انہیں چنا اور میں نے آپ سے کہہ دیا کہ چننے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک علم، دوسری اختیار، اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب انہیں چنا ہوگا تو تمہارے علم سے تھوڑی چنا ہوگا، تمہارے اختیار سے تھوڑی ہی چنا ہے، خدا نے انہیں چنا ہے اپنے علم واختیار سے، تو چننے کے لیے جب ہم نکلیں کوئی بھی چیز، تو ہوسکتا ہے کہ ہماری نظروں سے اچھی چیز اوجھل ہو جائے، ہم نہ جان پائیں، ہم نہ چن پائیں اسے، لیکن خدا کی نگاہ قدرت سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہے، اٹھارہ ہزار کائنات جو اللہ نے پیدا کی ہے وہ اس کے علم میں ہے اس نے جب انہیں پیدا کیا ہے تو ان سب کو اس سے بہتر جانتا ہے جیسے ہم اپنی ہستی کو جانتے ہیں، اور اسی

طریقے سے جب ہم نے دیکھا کہ یہ چیز بہت بہتر ہے، ہم لالچ کر رہے ہیں، ہم حسرت کر رہے ہیں کہ یہ چیز ہمارے گھر پہنچ جاتی لیکن ہم مجبور ہیں ہم اتنے میں لے نہیں سکتے، اسے خرید نہیں سکتے، لیکن مولیٰ تبارک وتعالیٰ مجبور نہیں ہے۔ اس کی قدرت کا تو یہ عالم ہے کہ ساری قدرتیں اس کی قدرت وطاقت کے سامنے ہیچ ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس کائنات کے اندر کسی کو کوئی قدرت ہے ہی نہیں، ساری قدرت وطاقت صرف اللہ عزوجل کو ہے، اس نے اپنے ایسے علم سے جس کی کوئی انتہا نہیں اور ایسی طاقت سے جس کی کوئی انتہا نہیں اٹھارہ ہزار عالم کی مخلوق میں ایک کو اپنا محبوب بنانے کے لیے چنا۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا، محبت، اسی محبت نے ایک کو چنا اپنا محبوب بنانے کے لیے، اب مجھے بتاؤ جس ایک کو اس نے اپنا محبوب بنانے کے لیے چنا ہوگا، جس ایک کو اس نے یہ کہا ہوگا: وہ میرا محبوب ہے، میں اس سے پیار کرتا ہوں، وہ میرا چہیتا ہے، بتاؤ بھئی! کیا اس نے اپنے چہیتے کو کیا دینے سے چھوڑ دیا ہوگا؟ کیا عطا فرمانے سے چھوڑ دیا ہوگا؟ کیا سنوارنے سے چھوڑ دیا ہوگا؟ کیوں کہ آج ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ جب ہم کسی کو چاہتے ہیں، جب ہم کسی سے محبت کرتے ہیں، تو اس بارے میں تیاری کرتے ہیں، ہمارا بس نہیں چلتا کہ ہم سارا عالم اٹھا کر اس کی جیب میں ڈال دیں، کیوں کہ وہ ہمارا محبوب ہے۔ تو اب مجھے بتائیے کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو کیا دینے سے اٹھا رکھا ہوگا۔

یہ لفظ محبت ہے اور اسی میں ساری کائنات ہے، دیکھو بھئی! ہم ملّا نہیں ہیں ہم تو ہیں فقیر، ہمارا گیان اور ہماری تعلیم جو ہمیں ہمارے مرشد سے ملی ہے وہ یہ کہ اپنے رب کی بندگی کرو اور رب کے جتنے بندے ہیں ان سے محبت کرو، دو چیزیں ہمیں دی ہیں رب کی بندگی اور بندوں سے محبت، جب تک کہ ہم ان دو چیزوں کو اپنا نہ لیں سرخرو نہیں ہوسکتے اور کیسی محبت؟ تو سنیے دھیان سے۔

خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خواجہ اجمیر کے پیر و مرشد ہیں، جب انہوں نے

مدینہ منورہ سے ہندوستان کی طرف حضرت کو رخصت کیا، ارشاد فرمایا: بیٹے! رات کو تمہیں جو ملنا تھا مل چکا، تمہارے نانا جان نے فرمایا: کہ میں نے ہندوستان کا روحانی تاج معین الدین حسن کے سر پر رکھا، مبارک باد ہو تمہیں، تم تاج دار ہو ہندوستان کے، اب تم ہندوستان جا رہے ہو تو سنوارنے اور سدھارنے کے لیے۔ تو ہمارے پاس تمہارے دینے کے لیے کچھ زیادہ نہیں ہے، لیکن بہر حال ہمیں بھی کچھ کہنا ہے تو ہم تمہیں تین چیزیں دے رہے ہیں، خواجہ اجمیر کو خواجہ ہارونی نے تین چیزیں عطا فرمائیں، فرمایا: جب سورج صبح کو نکلتا ہے تو اس کے سامنے غریب کی کٹیا بھی ہوتی ہے اور پونجی پتی کا محل بھی ہوتا ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ وقت کی حکومت پونجی پتی کے محل میں لائٹ کی روشنی پہنچائے اور سرکاری نل بھی پہنچا دے لیکن غریب کی کٹیا میں نہ اپنا نل پہنچائے نہ اپنی روشنی پہنچائے، ہوسکتا ہے کہ حکومتِ دنیا غریب میں اور پونجی پتی میں اَنتر کرے، لیکن سورج تفریق نہیں کرتا، سورج جب چمکتا ہے تو جیسے وہ کروڑ پتی کے محل پہ چمکتا ہے ایسے ہی غریب کے جھوپڑے پر بھی چمکتا ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ پونجی پتی اگر جھوپڑے والے سے ناراض ہے تو اس سے کہے کہ بے وقوف کل دیکھیں گے تیرے یہاں سورج کیسے چمکتا ہے؟ میں سورج نہیں چمکنے دوں گا، وہ کہے گا: احمق ہے تو، لہٰذا اے معین الدین حسن! تم ولایت کے آسمان پر سورج بن کر ہندوستان میں چمکنا تو تمہارے لیے امیر اور غریب دونوں برابر ہونے چاہئیں، تاکہ تمہارا فیض دونوں کو یکساں پہنچے، ایسا نہ ہو کہ بڑوں کو تو تمہارا فیض پہنچے اور چھوٹے تمہارے فیض سے محروم رہ جائیں۔

میں آپ کو ایک مثال بتاتا ہوں، یہ تو خواجہ معین الدین حسن ہیں، اسلام کی تعلیم مساوات کو آپ دیکھیں، آج بڑے زور سے نعرہ لگایا جاتا ہے، سب برابر ہیں، اخبارات اور مظاہروں میں ایک نعرہ آتا ہے، غریبی ہٹاؤ، اللہ کرے ہٹ جائے غریبی، ہم بھی تو یہی چاہتے ہیں، خدا کرے غریبی دور ہوجائے، مگر ہم آپ کو صرف ایک بات بتانا چاہتے ہیں، ہمارے آقا سرور عالم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظّمہ میں تشریف فرما ہیں اور حضور کے پاس مکہ کے بڑے بڑے سردار، عتبہ امیہ بن خلف، کتیبہ وغیرہ آئے اور ایک صحابی تھے بڑے غریب ہیں، ساتھ ہی آنکھوں سے معذور ہیں، نابینا ہیں، ان کا نام ہے عبداللہ ابن ام مکتوم، حضور والا ان پونجی پتوں سے باتیں کر رہے تھے، وہ پونجی پتی مسلمان نہیں، عبداللہ ابن ام مکتوم مسلمان ہیں، سرکار سے بات چیت کرنے کے لیے آئے ہیں اور حضور والا ان کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان فرما رہے ہیں، اب عبداللہ ابن ام مکتوم آئے ہیں، انہوں نے یہ تو دیکھا نہیں کہ حضور والا کے سامنے کون کون بیٹھے ہوئے ہیں، وہ کسی کام کے لیے آئے تھے، لہٰذا بار بار عرض کرتے ہیں: یارسول اللہ! انظرنا، یارسول اللہ! انظرنا، سرکار! ذرا میری بات سن لیجیے، میری طرف متوجہ ہوجایئے، اور حضور والا اس خیال میں ہیں کہ اگر مکے کے یہ بڑے بڑے اسلام میں داخل ہوجائیں گے تو پھر اسلام کو قوت پہنچ جائے گی لہٰذا حضور والا ان کی بات کا جواب نہیں دیتے، اور فرماتے ہیں کہ ذرا انتظار کرلو، ذرا صبر کرلو، ہم پہلے ان لوگوں سے باتیں کرلیں، اس نکتے کو عبداللہ ابن ام مکتوم نہیں سمجھ رہے ہیں، پھر کہتے ہیں: یارسول اللہ! انظرنا، یارسول اللہ! ذرا ہماری طرف متوجہ ہوجایئے، یہاں تک کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتھے پہ شکن نمودار ہوئی، اور ناراضی کے اثرات دکھائی دیے، فوراً آیت نازل ہوئی: عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی وَ مَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰٓی۔ اے پیارے محبوب! آپ نے ماتھے پہ شکن ڈال لی، آپ نے منہ پھرالیا اسی لیے کہ اندھا آپ کے پاس آیا ہے، آپ سوچیے کہ اللہ اپنے محبوب سے فرما رہا ہے کہ اندھے سے آپ نے منہ پھیرلیا، اور ہمارے بغیر بتائے ہوئے آپ کیا جان سکتے ہیں کہ وہ زیادہ پاکیزہ ہوں گے، ہوسکتا ہے وہی زیادہ پاکیزہ ہو ان کے بالمقابل جن سے آپ بات کررہے ہیں، ہوسکتا ہے وہ راہ ہدایت نہ پائیں، وہ آپ کے پاس آیا تھا، غریب اندھا وہ زیادہ سیدھا راستہ چلتا ہو، سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب سے یہ آیت نازل ہوئی ہے عبداللہ ابن ام مکتوم کی عزت میرے دل

میں بڑھ گئی ہے، اب جب عبداللہ ابن ام مکتوم بارگاہ رسالت میں آتے تو حضور ارشاد فرماتے، آؤ عبداللہ ابن ام مکتوم! تمہاری وجہ سے تو ہمارے رب نے ہم پر عتاب نازل کیا۔

آپ نے دیکھا، یہ ہے اسلامی تعلیم، یہ ہے وہ مساوات اسلامی جو حضرت خواجہ کو بڑے خواجہ نے بتائی تھی، کہ جیسے سورج چمکتا ہے تو وہ نہ پونجی پتی کا محل دیکھتا ہے اور نہ غریب کی کٹیا دیکھتا ہے، اب اگر تمہارا سورج چمکے تو نہ پونجی پتی کا محل دیکھنا اور نہ کسی غریب کی کٹیا دیکھنا، اپنا فیض برابر سے امیر وغریب دونوں کو تقسیم کرنا۔

دوسری بات یہ، اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نعمتیں آئیں گی، شرافتیں آئیں گی اپنے آپ کو ندی نہ بنالینا کہ ذرا سا پانی زیادہ پڑا تو کناروں سے ابل گئی، اس کنارے سے بھی گاؤں گئے، اس کنارے سے بھی گاؤں گئے، تم اپنے آپ کو سمندر بنانا، سارے عالم کی ندیاں، آ کے سمندر میں ملا کرتی ہیں، سمندر اپنے کناروں سے ابلا نہیں کرتا، ارشاد فرمایا حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے کہ پیارے! تمہارے اوپر نعمتیں آئیں تو ابلنے مت لگنا کہ اپنی نعمت اور اپنی کمائی کی وجہ سے لوگوں کو ذلیل کرنے لگو۔

تیسری بات یہ ہے کہ یاد رکھو، جس ڈالی پر پھل ہوتا ہے، وہ ڈالی اپنا سر جھکا دیتی ہے اور جو ڈالی میوے سے خالی ہوتی ہے، وہ اپنا سر اوپر اٹھا لیتی ہے، حضور محدث اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس موقع پر ایک بڑا اچھا جملہ ارشاد فرماتے ہیں، فرماتے تھے: میاں! جو اوپر چڑھتا ہے وہ جھک کر چڑھتا ہے اور جو نیچے اترتا ہے وہ اکڑ کے اترتا ہے۔

پستی میں اکڑ کے جاتا ہے آدمی اور بلندی پر جھک کر جاتا ہے، اس لیے جس گھڑے میں پانی بھرا ہو اس میں سے آواز نہیں آتی اور گھڑا اگر خالی ہو تو آواز آتی ہے، لہٰذا جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اتنے بڑے پیر ہیں، ہم پیران پیر ہیں، ہمارا اتنا درجہ ہے، تو بس سمجھ لیجیے کہ یہ خالی ڈھول کا کھول ہے اس کے پاس کچھ نہیں ہے، اس کے پاس کچھ ہوتا تو زمین پر سر جھکا دیتا، تو فرمایا: جو بھی اللہ کی

نعمت تمہارے پاس ہے، جیسے جیسے اللہ تمہارا درجہ بلند کرے ویسے ویسے تمہارا سر اللہ کے آگے تواضع میں جھکتا چلا جائے، زمین کی طرح اپنے آپ کو صحیح کرلو، یہ زمین ہے، ساری آبادی اس پر بستی ہے، پیشاب بھی کرتی ہے۔ پاخانہ بھی کرتی ہے، چلتی ہے، تھوکتی ہے، اس کو کھودتے ہیں، جانور کیا کیا کرتے ہیں، لیکن وہ بے چاری زمین کبھی اُف نہیں کرتی، آپ کے قدموں میں اپنا سر ڈالے پڑی رہتی ہے، فرماتے ہیں: ''اسی طرح سے مخلوق خدا کی سیوا میں تم اپنا سر ڈالے پڑے رہنا، یہ تین چیزیں ہم تمہیں دیتے ہیں، اور یہ تین چیزیں لے کر تم ہندوستان چلے جاؤ''۔

خواجہ اجمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہندوستان میں جو اسلام کی تبلیغ کی ہے، مرشد اعظم کی ان تینوں نصیحتوں کی روشنی میں کی ہے اور یہ ہے محبت کا انجام، محبت فاتح عالم ہے میرے دوست! ڈاکٹر اقبال نے کہا:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

محبت کو اگر فاتح عالم کہا گیا ہے تو آپ کو اس میں ضرور غور کرنا چاہئے، سانپ اور شیر، شیر جنگل کا بادشاہ اور ایک زمین کے اندر کا بادشاہ، لیکن انسان شیر اور سانپ دونوں کو اپنی محبت سے، اپنے پریم سے ایسا سدھاتا ہے، دونوں کو ایسا مسخر کرتا ہے کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ سپیرے گلے میں سانپ کا ہار ڈالے پھرتے ہیں اور آپ نے کبھی سرکس دیکھا ہو تو دیکھا ہوگا کہ ایک معمولی آدمی شیر کو اپنے قبضے میں کیے ہوئے ہے، اپنے ہاتھ میں چمڑے کا پٹہ لیے ہوئے جنگل کے راجہ کو نچائے نچائے پھرتا ہے، یہ سب کچھ محبت سے ممکن ہو سکا، محبت ایسی ہے جو عالم کو فتح کر لیتی ہے۔

آپ کا دشمن آپ کو تھپڑ مار دے تو بدلہ لینے کے لیے آپ کو حق ہے کہ اسے بھی آپ تھپڑ مار دیں لیکن جب آپ بدلے کا تھپڑ اسے مار دیں گے تو بعد میں خیال آئے گا کہ بدلے کے تھپڑ کے بعد ہمیں کچھ ملا نہیں، یہ ضرور ہوا کہ بدلے کے تھپڑے سے ہمارے دل کو ذرا سی تسلی ہوگئی،

لیکن اگر کوئی آپ کو کوئی تھپڑ مارے اور بدلے میں آپ اسے معاف کر دو پھر اس کا اثر دیکھو۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں تشریف فرما ہیں، ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا، ابن علی حسن کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ بیٹھے ہیں، کہنے لگا: تم ایسے ہو، تم ایسے ہو، امام حسن نے کوئی جواب نہ دیا، لیکن آپ کے ساتھی جو تھے انہوں نے کہا: بدتمیز! شرم نہیں آتی، امام حسن نے فرمایا: ٹھہر جاؤ، یہ جو کچھ کہہ رہا ہے ہمیں کہہ رہا ہے، اور فرمایا: بیٹھو! بھوکے ہو تو ہم تمہیں کھانا کھلائیں گے، پیاسے ہو تو ہم تمہیں پانی پلائیں گے، ننگے ہو تو ہم کپڑا دیں گے یا اور بھی کوئی حاجت ہے تو پیسہ دے دیں گے، تم نے ہماری برائیاں بیان کیں، اگر یہ برائیاں سچ مچ ہم میں ہیں، تو تم بھی دعا کرو، ہم بھی دعا کریں کہ یا اللہ! اس سے تو ہمیں پاک فرما، اور اگر جھوٹ ہے، یہ برائی ہم میں نہیں ہے، تم نے ہمارے اوپر تہمت رکھی ہے تو ہم نے تمہیں معاف کر دیا، بس جیسے ہی یہ کہا کہ جاؤ ہم نے تمہیں معاف کر دیا، فوراً آگے بڑھا اور آپ کی چادر اقدس کا کونا لے کر اسے آنکھوں سے لگا لیا اور رو کر عرض کرنے لگا، حضور والا! میری کیا مجال کی کہ میں آپ کی بارگاہ میں گستاخی کروں، لیکن چاروں طرف سے میں یہ آواز سنتا تھا کہ یہ ابن رسول اللہ ہیں، میں نے یہ سوچا کہ ذرا دیکھوں تو سہی کہ ہیں بھی یا نہیں؟ اب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ واقعی رسول اللہ کے بیٹے ہیں۔

اسی طرح امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں آپ قائد و امام ہیں اپنی جنتا کے، رہبر و رہنما ہیں اپنی قوم کے لیکن آپ اپنی جنتا سے فرما رہے ہیں کہ ہم جب تک موجود ہیں، ہم پر جو گزرنی ہے گزر جائے گی لہٰذا آپ لوگ چلے جایئے، یہ ہے محبت کا کرشمہ، انسانیت نے تو یہ کہا جو امام حسین نے کہا تھا، مگر محبت نے کیا کہا، انہوں نے یک زبان کہا: ہم اپنی جانیں بچا کے نکل جائیں اور آپ کو لشکر ظالماں میں تنہا چھوڑ جائیں تا کہ آپ یہاں شہید کر دیے جائیں؟ قیامت میں ہم جب آپ کے نانا جان کے روبرو ہوں گے وہ ہم سے پوچھیں گے، کیوں جی! ہمارا نواسہ دشمنوں میں گھرا تھا، ظالموں کے نرغے میں تھا اور تم اپنی جانیں بچا کے نکل آئے، نہیں ایسا نہیں

ہوسکتا، جس طرح کل بدر کے میدان میں ان کے ساتھیوں نے آپ کے نانا جان سے کہا تھا کہ ہم بنی اسرائیلی نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰہ والسلام سے کہا تھا: اِذْهَبَا اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا، اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ، آپ اور آپ کا رب جائے، ہم نہیں جائیں گے وہاں لڑنے مرنے کے لیے، لیکن نبی کے صحابہ نے کیا کہا: آپ چلیں اور آپ کی نصرت میں آپ کا رب چلے اور ہم آپ کے ساتھ لڑیں گے آپ کے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے، حضور اگر آپ فرما دیجیے تو نیزے کی اَنی تک پہنچ جائیں، اگر کہہ دیجیے تو تلوار کی دھار تک چلے جائیں، اللہ اکبر! اب کربلا میں انہوں نے عرض کیا: کل آپ کے نانا جان کے ساتھیوں نے آپ کے نانا سے جو کہا تھا اپنی وفاداری کو ظاہر کرتے ہوئے میدان کربلا میں وہی ہم آپ سے عرض کر رہے ہیں، حضور والا آپ تیار ہو جائیں، جب تک کہ ہم میں کا ایک بھی باقی ہے اس وقت تک یزید کا کوئی تیر حسین کے بدن تک نہیں آئے گا، یہ بات انہوں نے حسین کی محبت میں کہی تھی۔

اسی طرح جب ہم اپنے مرشد کے ہاتھ پر ہاتھ دیتے ہیں تو ہمارا مرشد ہم سے عہد لیتا ہے کہ تم محبت کرو گے، نفرت نہیں کرو گے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بشِّروا ولا تنفّروا۔ نفرت مت پھیلاؤ، محبت پھیلاؤ۔ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۳۲۳)

محبت کا جو پرچار کرتا ہے، وہ شرمندہ نہیں ہوتا، نفرت کا جو پرچار کرتا ہے وہ شرمندہ و رسوا ہو جاتا ہے، گاؤں گاؤں میں لوگوں نے نفرت کا پرچار کیا، اس کے لیے مخصوص پروپیگنڈہ کیا گیا، یہ سلسلہ چلا، جبل پور میں چلا، جلگاؤں میں چلا، بھیونڈی میں چلا، لیکن چند لمحے، چند گھنٹے، چند ہفتے، چند سال، لیکن جب نفرت نے اپنا اثر دکھایا تو رسوائی اور ذلت ان کا مقدر بنی، وہ بڑا گندا بیج ہے، اس سے جو درخت اُگتا ہے وہ بڑا گندا درخت ہوتا ہے اور اس میں جو پھل نکلتے ہیں وہ انتہائی گندے ہوتے ہیں۔ یہ نفرت ہی کا تو پھل ہے کہ یہ دنیا ایک بھیانک غار کے کنارے تک پہنچ چکی ہے، ایک طرف امریکا بٹن پر ہاتھ رکھے انتظار کر رہا ہے اور ایک طرف روس بٹن پر

ہاتھ رکھے انتظار کر رہا ہے، خدا وہ دن نہ دکھائے، خدا نہ کرے کہ اگر امریکا نے بٹن کو آن کیا یا روس نے بٹن کو آن کیا اور تیسری جنگ رونما ہوئی تو وہ نفرت کا ایسا مجسمہ ہوگی تو اس سے ایک ملک، ایک خطہ نہیں بلکہ سارا عالم تباہ ہو جائے گا، یہ پورا کرۂ ارض برباد ہو جائے گا۔

میں نہیں بتا سکتا کہ ان دونوں قوموں نے تباہی کے جو ہتھیار تیار کر رکھے ہیں اگر ایک ساتھ ان ہتھیاروں کو ٹکرا دیں تو معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، تو تم بتا سکتے ہو کہ اس زمین کا کیا حشر ہوگا، یہ پوری زمین بھسم ہو جائے گی، آپ بارود کا بہت بڑا ڈھیر لگائیں اور ایک ماچس جلا کے اس میں ڈال دیں ایسے ہی اگر نفرت کی ایک چنگاری کسی قوم پر ڈال دی گئی تو معاذ اللہ رب العالمین، وہ بھی ختم ہو جائے گی، اس کا ناموس دھواں دھواں ہو جائے گا۔

ہم پرچار کرتے ہیں محبت کا، لہٰذا اے لوگو! محبت کرو اللہ کے لیے، محبت کرو اللہ کے رسول کے لیے، محبت کرو ان رسولوں سے جن کے لیے اللہ نے ہمیں اور تمہیں پیدا کیا ہے، ہم پیدائشی طور پر محبت کرنے والے ہیں۔ ذرا تصور کریں، اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ماں کے دل میں محبت نہ ڈالی ہوتی، جب ہم بالکل ننھے سے ہوتے تھے اس وقت ہم میں اتنا شعور نہیں ہوتا کہ ہم ماں کی محبت کا مطالعہ کریں کہ ہماری ماں نے ہمیں کیسے پالا، پرورش کی، اچھا، تم نہیں کہہ سکتے تو تم نے اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کو تو دیکھا ہوگا کہ ماں ان کی کیسے پرورش کرتی ہے، جاڑوں کی رات ہوتی ہے، بچے بستر کے اوپر پیشاب کر دیتے ہیں، راتوں کو وہ ان کے کپڑے بدلتی ہے، اپنا بدن صاف کرتی ہے، اگر بستر اور پلنگ بھیگ جاتا ہے تو خود بھیگے ہوئے بستر پر لیٹ جاتی ہے اور اپنے بچے کو سوکھے بستر پر سلاتی ہے، کسی حالت میں وہ اپنے بچے کو خود سے الگ نہیں کرتی، اپنے سینے سے لگا کر اپنا دودھ جو اپنے خون سے تیار کر کے بچے کو پلاتی اور اس کی پرورش کرتی ہے، یہ سب صرف محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، محبت اگر ماں کے سینے میں نہ ہوتی تو کوئی ماں اپنے بچے کی پرورش نہیں کرتی، یہ محبت ہی اسے پرورش کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور اس کے لیے اپنا دکھ سکھ بھول جاتی ہے۔

یہ محبت ہے کہ ہم اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں، ہم اپنے بچوں کو لکھاتے ہیں، یہاں تک کہ اگر بچے کو پھانس لگ جائے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ پھانس ہمارے بچے کو نہیں لگی ہے بلکہ ہمارے دل کو لگی ہے، ہم فقیر ہیں، ہم درویش ہیں، ہمارا مشن ہے محبت کرنا، ہمارا مشن ہے پریم عام کرنا، کہ اگر محبت اور پریم پھیلا کر ہم کامیاب ہو گئے تو اب اس دنیا میں ہمارا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، کاش کہ ایسا ہو کہ لڑنے والے جو لڑ رہے ہیں وہ دونوں اس نکتے کو سمجھ جائیں، کہ اتنے دنوں ہم لوگ نفرت کرتے رہے، نفرت نے ہمیں کیا دیا؟ تو ان کو ہوش آجائے گا کہ ۲۵؍سال میں نفرت نے ہمیں کچھ نہیں دیا، بلکہ بار بار محبت کے ہاتھوں ہم بنتے رہے اور نفرت کے ہاتھوں تباہ ہوتے رہے۔

آج ہم محبت کا مشن لے کر چلے ہیں، آج ہم انسانیت کا درس لے کر چلے ہیں، آج ہم تمہیں اخوت بتانے چلے ہیں، آج ہم تمہیں چاہتے ہیں کہ بھائی چارگی اختیار کرو، ہمارے مرشد برحق مخدوم حضور شاہ برکت اللہ مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام سلسلہ برکاتیہ ان کا تخلص ہے ہندی زبان میں پیمیؔ، وہ ایک دوہا ارشاد فرماتے ہیں: میں سناؤں آپ کو، وہ فرماتے ہیں:

پیمیؔ

یعنی اے پیمیؔ! ہندو اور مسلمان میں ایک ہی رنگ سمایا ہوا ہے اور مندر اور مسجد کے اندر ایک ہی دیے کی روشنی ہے لیکن تم جانتے ہو اچھی طرح سے کہ یہ مورتی خدا نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی سارے عالم میں تعلیم دی تھی کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، اللہ ایک ہے، حضرت ابراہیم نے بھی یہی سکھایا تھا، حضرت نوح نے بھی یہی تعلیم دی تھی، مگر ہر زمانے کے اندر کچھ نے مانا تھا، کچھ نے نہیں مانا تھا، هُوَ اللّٰهُ اَحَد۔ یہ تمام انبیا اور رسولوں نے کہا مگر اپنے پیارے مصطفیٰ سے کس انداز میں کہلوایا، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد۔ آج سارا عالم هُوَ اللّٰهُ اَحَد کہہ رہا ہے۔ حضرت ابراہیم بار بار کہتے تھے: اللہ ایک ہے، لیکن حضرت ابراہیم صرف اکیلے کہتے تھے، اللہ ایک ہے، باقی پوری قوم کہتی تھی نہیں

سورج بھی خدا ہے، تارے بھی خدا ہیں اور نمرود بھی خدا ہے اور دریا بھی خدا ہیں۔ (معاذ اللہ)

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ اللہ ایک ہے مگر قوم کہہ رہی تھی کہ اللہ ایک نہیں ہے، فرعون بھی خدا ہے، عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی کہا کہ اللہ ایک ہے لیکن لوگوں نے کہا، نہیں، اللہ ایک نہیں ہے، مشتری بھی اللہ ہے، اور فلاں بھی اللہ ہے، یہ سب نعرے بلند ہوتے رہے، لیکن جب محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے کہہ دیا: هُوَ اللّٰهُ اَحَد۔ خدا نے کہہ دیا اللہ ایک ہے۔ (جملہ نامکمل ہے)

آج دنیا کے اندر کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہے ہی نہیں، پورا چین یہی کہتا ہے، پورا روس یہی کہتا ہے، تو خدا کا مطلقاً انکار کرنے والے تو ہیں لیکن خدا مان کر ایک سے دو کہنے والا آج دنیا میں کوئی نہیں ہے، اللہ اکبر! یہ ہے میرے محبوب کے قول کا اثر، فرمایا: سب نے کہا کہ اللہ ایک ہے مگر پوری کائنات نے نہیں مانا مگر آپ جب کہہ دیں گے کہ اللہ ایک ہے تو سارا جگت، سارا سنسار کہے گا کہ اللہ ایک ہے، گلاب تو گلاب ہے اس کو آپ نور کہہ دیں تو بھی گلاب ہے پھول کہہ دیں تو بھی گلاب ہے، نام بدلنے سے اصلیت نہیں بدل جاتی، گلاب کا نام بدل دینے سے گلاب کی ذات نہیں بدل جاتی ہے، اللہ کو اگر آپ نے ایشور کہہ دیا اللہ بدل نہیں گیا، اللہ کو آپ نے گاڈ کہہ دیا تو اللہ بدل نہیں گیا، اللہ وہی ہے جو اللہ ہے اور جس کو محمد نے اللہ کہا ہے: هُوَ اللّٰهُ اَحَد۔ اللہ نے ان سے فرمایا: آپ کہہ دیں کہ اللہ ایک ہے، کون کہتا ہے اور کون نہیں کہتا، ہم آپ کو دکھائیں گے کہ آپ کے کہنے کے بعد سب کہیں گے کہ اللہ ایک ہے اور سب نے کہا کہ اللہ ایک ہے۔

میرے دوستو اور میرے بھائیو!! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اب یہ نفرت کا زمانہ نہیں ہے اب یہ محبت کا زمانہ ہے۔ اور خصوصاً ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس محبت کا پرچار کیا ہے میں آپ کو کیا بتاؤں کہ کیسی محبت ہے؟ سبحان اللہ، کہ جس نے اپنے گالی دینے والوں کو

دعائیں دیں اور ایسی دعائیں دیں کہ وہ پتھر مار رہے ہیں اور حضور والا کا پیارا پیارا نازنین بدن زخموں سے چور ہو گیا ہے، حضور والا بے ہوش ہو کر زمین پر آ گئے ہیں، زید بن حارثہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں: یارسول اللہ! ان کو بددعا دے دیجیے کہ سب مر جائیں، سب ہلاک ہو جائیں، ان پر نوح کا طوفان آ جائے، قوم ثمود کی طرح ان پر پتھر برسے، حضور والا کے ہاتھ اٹھتے ہیں، زید بن حارثہ سمجھتے ہیں کہ اب آیا آسمان سے عذاب، اب نکلا زمین سے عذاب، مگر نہیں، نہ آسمان سے عذاب آیا، نہ زمین سے عذاب آیا، ہاتھ اٹھے اور رحمت عالم کی زبان پکاری: **اللھم اھدی قومی فانھم لایعلمونی**، اے اللہ! میری قوم کو سیدھا راستہ بتا دے، وہ مجھے پہچانتے نہیں ہیں، میں ان کی اچھائی چاہنے آیا ہوں، میں ان کی برائی نہیں چاہتا۔

اللہ اکبر! میں آپ سے عرض کرتا ہوں، پرسوں گیارہویں شریف کے بیان میں عرض کر رہا تھا کہ مجھ سے لوگوں نے بار بار پوچھا کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ایسا کیسے ہوا؟ چودہ سو سال کی تاریخ میں ایسا نہیں ہوا تھا تو یار لوگ ضرور پوچھیں گے کہ ایسا کیسے ہوا؟ اب ہمارے لیے تو بڑی مصیبت ہے کہ ایک طرف تو ہم مفتی کے عہدے پر ہیں، ہماری عوام اگر ہم سے استفتا کرے تو ہم حق کو چھپا نہیں سکتے، حق ظاہر کرنا ہمارا کام ہے، اور اگر حق ظاہر کرتے ہیں تو چلے جائیں گے سوا لاکھ کے گھر میں، ہاتھوں میں لوہے کا زیور پہنے ہوئے اور چلو سسرال اور چل کے مکھن کھاؤ بیٹھ کر، نہ پھر کوئی کیس نہ کوئی اپیل، اس طرح پڑے رہو کالی کوٹھری میں، مگر آپ سوچیے کہ حق بلند ہوتا ہے، حق کبھی مغلوب نہیں ہوا کرتا، بشرطے کہ آپ حق کو حق کے لیے کرو، آپ اگر حق کو بدنیتی سے کیجیے گا تب ضرور وہ حق آپ کا ساتھ نہیں دے گا، ہم نے کہا تم یہ پوچھ رہے ہو، تم نے یہ پوچھا کہ یہ ایسا کیسے ہوا؟ سن ۱۹۷۱ء میں ایسا کیسے ہوا؟ اب سے نو برس پہلے ایک بات ہوئی تھی تب تم نے مجھ سے کیوں نہیں پوچھا تھا، کہ ایسا کیسے ہوا؟ ۳۵/لاکھ فلسطین یوں ہیں، اردو گرد ساڑھے سات کروڑ، ۳۵ لاکھ

صرف فلسطین میں ہیں، اور سارے عالم میں کل ستر لاکھ ہیں، ۳۵/لاکھ فلسطین میں ہیں اور ۳۵/لاکھ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، اور فلسطین میں ایسے گھرے ہوئے ہیں کہ جیسے ۳۲/ دانتوں میں زبان گھری ہوتی ہے، ساڑھے سات کروڑ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور ایسا بھی نہیں ہے کہ ان کے پاس روپیہ نہیں ہے، پیسہ نہیں ہے، سونا نہیں ہے یا دولت نہیں ہے، کیا نہیں ہے عربوں کے پاس، آج عربوں کی زمین پگھلا ہوا سونا بھی اگل رہی ہے اور جما ہوا سونا بھی اگل رہی ہے، سنہرا سونا بھی اگل رہی ہے اور سفید سونا بھی اگل رہی ہے، لیکن آپ ملاحظہ فرمائیے کہ ۳۵/لاکھ نے ساڑھے سات کروڑ کو ایسے دبا لیا جیسے فٹ بال کا ایک فلڈر آتی ہوئی فٹ بال اپنی ٹھوکروں پر رکھتا ہے۔

اور چودہ سو برس کی تاریخ اگر آپ پلٹا کر دیکھیں گے تو صرف واحد ذات ملے گی، امیر المؤمنین، غیظ المنافقین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، جب آپ خادم کے ساتھ آ رہے تھے، میں پورا واقعہ بتا دے رہا ہوں، آپ بارہا سن چکے ہو، جب وہاں پر تن تنہا ایک خادم کے ساتھ آ رہے تھے اور خادم سے بھی اس شرط پر کہ ایک منزل تم اونٹ پر رہو گے اور ہم نکیل پکڑ کر چلیں گے اور ایک منزل ہم اونٹ پر اور تم نکیل پکڑ کر چلو گے اور جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو باری یہ تھی کہ خادم اونٹ پر ہے اور امیر المؤمنین نکیل پکڑے ہوئے ہیں، خادم نے کہا: حضور! اب تو دشمن آ گیا ہے قریب، اگر ایسا ہی رہا تو ہم ذلیل ہو جائیں گے، فرمایا: کیوں ہم ذلیل ہو جائیں گے، قرآن میں خدا کا حکم ہے کہ جس سے وعدہ کرو اسے پورا بھی کرو، میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں لہٰذا اللہ کے حکم کی تعمیل کرنے میں ہم عزت والے بنیں گے، ذلیل نہیں ہوں گے، خادم خاموش ہو گیا، یہ ہیں امیر المؤمنین، سترہ پیوند کی گدڑی پہنے ہوئے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے چل رہے ہیں۔ اللہ اکبر! کیا دنیا نے اس سے زیادہ سادہ کوئی حکمراں دیکھا ہے، کہ جس کا نام لینے سے قیصر و کسریٰ کے بدن پر ایسا لرزہ طاری ہوتا تھا مانو کہ ان کو تپ کا مرض ہے

مانو کہ ان کو بخار آیا ہوا ہے، وہ اس حیثیت سے جا رہا ہے کہ اپنے خادم کے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے ہے، جب یہ قافلہ قریب پہنچا، آواز دی گئی کہ ہمارے امیر آ گئے ہیں، پادری آیا، دیکھا، کہا: کہاں ہیں؟ اونٹ پر؟ لوگوں نے کہا: نا، اونٹ پر تو غلام ہے، نکیل پکڑ کر جو کھڑا ہے وہ ہے امیر، پادری نے ایک دفعہ غور سے امیر المؤمنین کو دیکھا اور بیت المقدس کے نگہ بانوں سے کہا کہ کھول دو دروازے، دروازے کھول دیے گئے، مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، اور حضور والا آگے بڑھے، جیسے ہی بیت المقدس کے دروازے پر پہنچے تو سب سے بڑے سردار نے آگے بڑھ کر ایک قدم جھک کر بیت المقدس کی کنجی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں رکھ دی، حضرت والا نے بیت المقدس کا دروازہ اپنے ہاتھوں سے کھولا اور اندر تشریف لے گئے، پادری کہنے لگا کہ اب آپ کی نماز کا وقت آ گیا ہے لہٰذا آپ پہلے نماز پڑھ لیجئے، سب سے بڑے گرجا میں لے جا کر فاروق اعظم سے کہنے لگا کہ نماز کا وقت آ گیا ہے آپ یہاں نماز ادا کر لیں۔ ارشاد فرمایا: نہیں، یہ تمہاری پاکیزہ جگہ ہے، اگر ہم نے یہاں نماز پڑھ لی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان اسے مسجد بنالیں گے لہٰذا میں اس میں نماز نہیں پڑھوں گا، پوربی دروازے پر حضرت عمر فاروق نے آ کر سیڑھیوں پر نماز پڑھی اور وہیں آج مسجد اقصیٰ بنی ہوئی ہے۔

تو میں بتا رہا تھا کہ عیسائی متولی نے ایک اکیلے آدمی کو جو سترہ پیوند کی گدڑی پہن کر گیا تھا اس کو سونے کی کنجی بطور گفٹ دی، وہ کنجی اس جیب سے اِس جیب اور اِس جیب سے اُس جیب میں آتی جاتی رہی۔ حضرت فاروق اعظم نے کسی ایک انسان کا بھی خون بہائے بغیر بیت المقدس کو حاصل کیا تھا اور مسلمانوں کو عطا فرمایا تھا، آج وہ بیت المقدس یہودی ٹرسٹیوں کے ہاتھ میں ہے، وہ اس میں جوتے پہن کے جاتے ہیں، اور ان کے ارادے بڑے بد ہیں۔

میں نے اس پوچھنے والے کے جواب میں کہا تھا تو آج ہم سے پوچھ رہا ہے تو نے چھ سات سال پہلے ہم سے کیوں نہیں پوچھا کہ یہ کیا ہوا؟ جو وہ ہوا تھا وہ یہ ہوا۔

میرے دوستو اور بھائیو! اُحد کا میدان تمہیں یاد ہے، نہیں یاد ہے تو میں اس کے متعلق تھوڑی سی بات بتاؤں، احد کے پہاڑ پر ایک گھاٹی ہے، سرور عالم نے ملاحظہ فرمایا اور پچاس تیر اندازوں کو نکڑ پر کھڑا کیا اور فرمایا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست لیکن میری اجازت کے بغیر یہاں سے مت ہٹنا، اب اس کے بعد جنگ شروع ہوگئی، حضرت مولیٰ علی ذو الفقار اور سید الشہدا امیر حمزہ انعام دار کی تلوار نے تھوڑی ہی دیر میں مکے سے آئے ہوئے ان بد ذاتوں کو ایسے بھگایا وہ ایسے بھاگ رہے تھے جیسے گدھے بدکتے ہیں، بھاگتے ہوئے تلوار یہاں ڈالتے تھے، نیزہ وہاں پھینکتے تھے، انی وہاں، ڈھال یہاں، نیزہ وہاں، اور مسلمان وہ سامان سمیٹ رہے تھے اور ان کا پیچھا کر رہے تھے، وہ جو گھاٹی میں پچاس تیر انداز نوجوان بٹھائے گئے تھے، نوجوانوں میں جوش ہوتا ہے، نوجوانوں کو سپاہی بنایا جاتا ہے اور بوڑھوں کو کمانڈر بنایا ہے، جوش و ہوش دونوں ضروری ہوتا ہے، نوجوانوں نے جوش میں اپنے کمانڈر سے کہا، اب تو کافروں کو شکست ہو چکی ہے، اور ہمارے بھائی مال غنیمت جمع کر رہے ہیں اور ہم یہاں خواہ مخواہ کھڑے ہوئے دیکھ رہے ہیں، لہٰذا اجازت دی جائے تاکہ ہم بھی بھاگیں اور سامان سمیٹیں، کمانڈر نے ارشاد فرمایا، نا، تمہارے آقا نے کیا ارشاد فرمایا تھا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست جب تک کہ میں اجازت نہ دوں اس جگہ کو چھوڑنا مت، ابھی حضور نے ہمیں نہیں بلایا ہے لہٰذا میں اجازت نہیں دوں گا، مگر نوجوانوں کو جوش آ گیا اور وہ کمانڈر اور چند ساتھیوں کو چھوڑ کر میدان جنگ کی طرف چلے گئے اور محاذ چھوڑ دیا، خالد بن ولید جو اس زمانے میں مسلمان نہیں تھے، وہ بھی اپنے دستے کے ساتھ بھاگے جا رہے تھے، ایک دفعہ ان کی نظر پڑی کہ احد کی گلی خالی ہوگئی ہے، اپنے دستے کو اشارہ کیا، چناں چہ وہ ایسے چکر کھا کے آئے اور گھاٹی میں باقی رہ گئے مسلمان کمانڈر اور ان کے چند ساتھیوں پر دھاوا بول کر انہیں شہید کر دیا اور پھر میدان جنگ میں دوبارہ یلغار شروع کر دی، تو نتیجہ معلوم ہے کیا ہوا کہ مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی اور ستر بڑے صحابہ شہید ہو گئے،

حضرت حمزہ حضور کے چچا انعام دار شہید کیے گئے، ان کا پیٹ چاک کر ان کا کلیجہ چبایا گیا، ان کی ناک کان کاٹ دیے گئے، مسلمانوں کا یہ عالم ہوا کہ انہیں یہ ہوش نہیں رہا کہ اب ہم کدھر بھاگ رہے ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دونوں دانت شہید ہو گئے، اور خود کی دو کڑیاں رخسار انور میں دھنس گئیں، اور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے ہوش ہو کر پہاڑ کی ایک گھائی میں تشریف لے گئے اور جنگ احد بغیر فتح و شکست کے ختم ہو گئی۔

وہ صحابہ کرام جن کے اونٹ کے پیروں کے نیچے کی مٹی ہمارے غوث اعظم کی آنکھوں کا سرمہ ہے، سرکار غوث پاک ''غنیۃ الطالبین'' میں لکھتے ہیں: کہ صحابہ کے اونٹ کے پیر کے نیچے کی مٹی میری آنکھوں کا سرمہ ہے، بڑے سے بڑا کوئی قطب ایک ادنیٰ صحابی کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا، وہ کہاں سے لائے گا وہ درجہ؟ کہاں سے لائے گا وہ منزلت، کہاں سے لائے گا وہ قیمت، ایمان کی نظروں سے اس نے وہ چہرہ دیکھا ہے جس میں اللہ کے انوار چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں، حالاں کہ جان کر انہوں نے نافرمانی نہیں کی تھی، انہوں نے تو یہ دلیل دی کہ اب کافروں کو شکست ہو گئی ہے، اب ہمیں انتظار کی کیا ضرورت ہے، انجانے طور پر ان سے نافرمانی واقع ہوئی، جب حضور کی نافرمانی میں صحابہ کو شکست ہو گئی، آج ہم سے مت پوچھو کہ ایسا کیسے ہوا؟ اس لیے ہوا ایسا، میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، وہ بڑی دردناک تفصیل ہے، میں کہوں گا تو اپنے بھی سنیں گے اور غیر بھی سنیں گے، میں تمہیں بتا رہا ہوں اس واسطے کہ ہم محبت کی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیمان محبت باندھا ہے، فاروق اعظم سے آپ نے پوچھا: کیوں عمر! تم ہمیں کتنا چاہتے ہو؟ عرض کیا: یارسول اللہ! میں تمام لوگوں سے، ماں سے باپ سے، اولاد سے، بھائیوں سے، دوستوں سے زیادہ آپ سے محبت کرتا ہوں، ارشاد فرمایا: یہ بتاؤ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ چاہتے ہو یا نہیں؟ عرض کیا: یارسول اللہ! ابھی میرا ایمان اس درجے کو نہیں پہنچا ہے کہ میں اپنی جان سے زیادہ آپ کو چاہوں تو فرمایا تمہارا ایمان

ابھی کامل نہیں ہوا، اتنا کہتے ہی وہ پردہ ہٹا اور فاروق اعظم چلا اٹھے: اب تو میں آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ چاہتا ہوں۔ فرمایا: اے عمر! اب تمہارا ایمان کامل ہو گیا۔

یاد رکھو کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت تو عین ایمان ہے، وہ اصل ایمان ہے بلکہ وہی ایمان ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہی ایمان ہے یہ محبت کا مذہب ہے، یہ پریم کا دھرم ہے، تم مسلمان ہو تو اپنے آپ کو پہلے اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے رنگ میں ایسے رنگو کہ وہ اللہ عزوجل کا رنگ دکھائی دے، وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَةً۔ اور اللہ سے بڑھ کر کس کی رَینُگی۔ یہ اللہ کا رنگ ہے، حضرت بلال حبشی پر جب چڑھ گیا تھا تو بدن ادھڑ رہا تھا، آپ کے پرخچے اڑ رہے تھے لیکن جب ہوش آتا تھا تو یہی کہتے تھے: اَحَدٌ، اَحَدٌ، وہ ایک ہے، وہ ایک ہے۔ یہ رنگ ایسا چڑھا تھا، تم پہلے خود کو محبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رنگ ڈالو۔

ایک بات یاد رکھو، جو کسی سے محبت کرتا ہے اس کی بات مانتا بھی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں آپ سے محبت کا دعویٰ کروں لیکن آپ کا کہا ہوا نہ بجا لاؤں میں آپ سے کہوں کہ میں آپ سے بڑی محبت کرتا ہوں، آپ کہیں اچھا صاحب! ذرا پانی پلا دیجئے تو میں اپنے پلنگ پر جا کر لیٹ جاؤں اور کہوں کہ پانی کسی اور سے لے لیجیے۔ یہ محبت نہیں ہے، اگر آپ محبت کرتے ہوتے تو آپ کے محبوب نے پانی مانگا تھا آپ اپنے محبوب کو پانی نہ پلا سکے۔

مجھے آپ بتائیے آپ کہتے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے محبت کرتے ہیں، حضور والا روزے سے محبت کرتے تھے، حضور والا زکوٰۃ سے محبت کرتے تھے، حضور والا حج سے محبت کرتے تھے، سرور عالم سچ سے محبت کرتے تھے، صداقت سے، دیانت سے، امانت سے محبت کرتے تھے اور ہم حضور سے محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن نمازیں ہم نہیں پڑھتے روزے ہمارے جیسے تیسے ہیں، زکوٰۃ کے معاملے میں تو ہم بڑے ہی سست واقع ہوئے ہیں یہاں تک کہ عالم یہ ہو گیا ہے کہ ایک مدرسے والے

بے چارے میرے پاس آئے میں نے ممبئی کے ایک کروڑ پتی مشہور ترین تاجر کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے کہو کہ ہمیں فلاں نے بھیجا ہے، صاحب! رمضان کے دن، اللہ انہیں معاف کرے، رمضان کے دنوں میں اس بے چارے روزے دار مولوی کو انہوں نے دس دنوں تک دوڑایا کہ صاحب! ابھی سو رہے ہیں، ابھی حمام میں ہیں، ابھی چائے پی رہے ہیں، ابھی یہ کر رہے ہیں، تو مولانا مجھ سے ایک دن قسم کھا کر بولے کہ آپ نے بڑا بڑا نام لے لیا تھا تو ہم نے کہا چلو کام ہو جائیں گے لیکن بڑھے دھکے کھائے لیکن آج تو ہم جیب بھر کے جائیں گے، اتفاق سے وہ سیٹھ صاحب ہمارے ہی پاس بیٹھے ہوئے تھے، مولانا نے پھر وہی بات کہی انہوں نے روداد دیکھی، رسید کا معائنہ کیا اور اندر کی جیب میں ہاتھ ڈالا امید تھی کہ اچھے خاصے نوٹ باہر آئیں گے لیکن کافی دیر بعد جب ہاتھ باہر آیا تو اس میں کراری دو روپے کا نوٹ پھنسا ہوا تھا، انہوں نے چہرہ دیکھا اور کہا: دیکھئے مولانا! دو روپے کا نوٹ ہے، ایک کا نہیں ہے لہٰذا کل آجایئے، میں دے دیتا ہوں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ او پونجی پتیو! سنو، واقعہ غور سے سنو اور دل میں سوچو، تین اپاہج تھے، ایک جنم کا اندھا تھا، ایک جنم کا لنگڑا تھا اور ایک جنم کا کوڑھی تھا، مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ جاؤ ان تینوں کا امتحان لو، جبرئیل امین آئے اور آنے کے بعد لنگڑے کے پاس آدمی کی شکل میں گئے اور پوچھا کیا چاہتا ہے تو، بولا میں چاہتا ہوں کہ میرا پیر ٹھیک ہو جائے اور دوسرے مجھے سو بکریاں مل جائیں، جبرئیل نے اس کی ٹانگ پہ ہاتھ پھیرا اور فرمایا تجھے سو بکریاں آج صبح مل جائیں گی، صبح اٹھے گا تو سو بکریاں دروازے پر موجود ہوں گی، اندھے کے پاس پہنچے، اسے آنکھیں عطا فرمائیں اور سو گائیں عطا فرمائیں، کوڑھی کے پاس پہنچے، اس کو اچھا کیا اور سو اونٹ دیا، اب اس کے بعد جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں سے واپس آ گئے، ان تینوں نے بہت جلد اپنے کاروبار کو ترقی دی، بڑی بڑی بلڈنگیں بنوالیں، اب وہ

بغیر سواری کے باہر نہیں نکلتے تھے، اب اللہ عزوجل نے دوبارہ ارشاد فرمایا: جبرئیل! ہمارے حکم سے تم ان کو ہماری نعمتیں دے آئے ہو، جا کے دیکھو کہ وہ ہماری نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں یا نہیں؟ حضرت جبرئیل امین آئے اور ایک کے دروازے پر ایک فقیر کی شکل میں پہنچے، اللہ کے نام پہ کچھ عنایت ہو، یہ آواز لگائی، لنگڑے بن کر پہنچے تھے، سیٹھ صاحب بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے خادم سے کہا: دیکھ یہ کون ہے؟ اس نے کہا صاحب! ایک لنگڑا فقیر ہے، اس کی ایک ہی ٹانگ ہے، بڑی مشکل سے آیا ہے اور اللہ کے نام پر کچھ مانگ رہا ہے، جاؤ، کہنا کہ کیا سارے لنگڑوں کا میں نے ہی ٹھیکا لے رکھا ہے، بھگاؤ اسے یہاں سے، لنگڑے فقیر نے خادم سے کہا کہ مجھے لے چلو ان کے سامنے، میں ان سے کہوں شاید انہیں رحم آجائے، اندر آئے اور ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوئے، اور کہا کہ اللہ آپ پر رحم کرے، کیا آپ کو یاد ہے کہ آپ بھی لنگڑے تھے، اللہ نے آپ پر کرم فرمایا، گرج کر کہا، جھوٹ بولتا ہے کہ میں لنگڑا تھا، میں کبھی لنگڑا نہیں تھا، جا بھاگ یہاں سے، حضرت جبرئیل نے کہا ہم تو جاتے ہیں لیکن جو جیسا تھا ویسے ہی ہو جا، اور یہ کہہ کر دوسرے دروازے پر چلے گئے، اس وقت ایک اندھے فقیر کی شکل میں تھے، وہاں بھی ایسا ہی ہوا، کہا: تمہیں یاد ہے تم ایک اندھے تھے، کہا: کون کہتا ہے؟ میں اندھا تھا؟ بے وقوف آدمی، پیسے کمانے کے لیے آیا ہے، چور کہیں کا، خادمو! نکالو اسے یہاں سے، تیرے باپ کے پیسے رکھے ہیں ہمارے پاس، جبرئیل امین نے کہا: ٹھیک ہے ہم جاتے ہیں لیکن یہ کہہ کے جا رہے ہیں کہ تو جیسا تھا ویسا ہی ہو جا، دونوں آنکھیں ختم ہو گئیں، اب پہنچے کوڑھی کے پاس، اور اس وقت کوڑھی بن کر گئے تھے، دروازے پر پہنچے آواز لگائی اللہ کے نام پر کچھ دے دو، یہ سن کر وہ رونے لگا اور کہنے لگا: میں کیا شکر ادا کروں اس داتا کے دینے پر جس نے مجھے اچھا کیا، اور آج میں اس پوزیشن میں زندگی گزار رہا ہوں، جبرئیل امین نے اس کی ستائش کی اور واپس آ گئے۔

